مترجم إلى اللغة الأردية

التقسيم والتقعيد للقول المفيد

شرح كتاب التوحيد

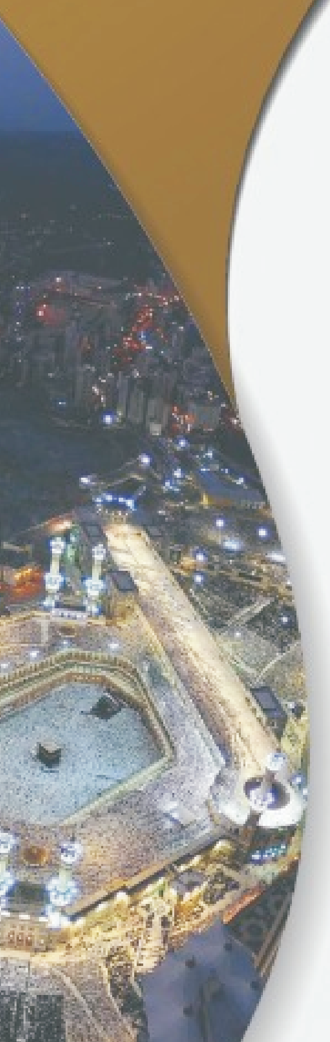

بقلم: فضيلة الشيخ هيثم بن محمد جميل سرحان

(سابق مدرس معهد الحرم۔ مسجد نبوی ﷺ۔ جنرل مینیجر تاصیل علمی)

مترجم

محفوظ الرحمن محمد خلیل الرحمن

(پی۔ایچ ڈی اسکالر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)

وقف لله تعالى لايجوز بيعه

ناشر: مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند

التَّقْسِيمُ وَالتَّقْعِيدُ لِلْقَوْلِ الْمُفِيدِ

(شرح كتاب التوحيد)

بقلم

فضيلة الشيخ هيثم بن محمَّد سرحان

سابق مدرس معہد الحرم - مسجد نبوی - وجزل مینیجر: تاصیل علمی

http://attasseel-alelmi.com

غفر الله له ولوالديه ولمن أعانه على إخراج هذا الكتاب

مترجم

محفوظ الرحمن محمد خلیل الرحمن

پی ایچ ڈی اسکالر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ محمد اشفاق سلفی

مدرس دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، بہار (انڈیا)

طبعہ اولی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

رابطه کے لیے:
islamtorrent@gmail.com
rmahfuzrahman@gmail.com

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

إنَّ الحَمدَ لله نَحمَدُه و نستعينهُ ونَستغفرُه، ونَعوذُ بالله من شُرور أنفسِنا ومن سيِّئاتِ أعمالنا مَن يَهدِه الله فلا مُضلَّ له، ومَن يُضلل فلا هادِيَ لـه، وأشـهَد أنْ لا إلـه إلَّا الله وحدَه لا شَريك له، وأشهَد أنَّ محمَّدا عبدُه ورسولُه ﷺ، أمَّا بعد :

کتاب شروع کرنے سے پہلے ہر طالب علم کے لیے اہم ہدایات

[۱] متنِ کتاب التوحید کو اچھی طرح حفظ کرنا، کہا جاتا ہے: ''احفظ فکلُّ حافظٍ إمامٌ، حفظ کرو کیونکہ ہر حافظ امام ہوتا ہے''۔
[۲] ہر آیت سے وجہ استدلال اور باب میں اس کے ذکر کرنے کے اسباب کی معرفت حاصل کرنا۔
[۳] ہر باب کو کتاب التوحید میں ذکر کرنے کے اسباب اور اس کی مناسبت اور کتاب سے ربط کو اچھی طرح سمجھنا۔
[۴] اس کتاب کی متعدد شروحات میں سے کسی ایک شرح پر ذہن کو مرکوز کرنا تاکہ معلومات ایک دوسرے سے خلط ملط نہ ہوں، لہذا ہم اس کتاب کے لیے شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ کی شرح « القول المفید » پر ذہن کو مرکوز کریں گے، اور جب اس سے فارغ ہوں گے تو پھر دوسری شرح سے استفادہ کریں گے، اور ہم شرح کے دوران اسی نہج پر چلیں گے۔

ہم اس کتاب کو کیوں پڑھیں؟ کیونکہ:

[۱] علماء ربانیین نے اس کے پڑھنے کی نصیحت کی ہے۔ [۲] یہ کتاب اپنے فن میں سب سے عمدہ کتابوں میں سے ایک ہے۔ [۳] مؤلف رحمہ اللہ نے مخالفین کی حجتوں اور شبہات کا جواب دلیل کے ساتھ بہترین انداز میں دیا ہے۔ [۴] اللہ نے اس کتاب کو شرف قبولیت بخشا ہے۔ [۵] علماء کرام نے اس کتاب کو حفظ کرنے اور سمجھنے کی نصیحت کی ہے۔ [۶] بہترین انداز میں کتاب کی تبویب اور ترتیب قائم کی گئی ہے [۷] علماء کرام نے اس کتاب کی تدریس اور شروحات کا بکثرت اہتمام کیا ہے۔ [۸] یہ کتاب کتاب وسنت کی دلیلوں سے بھری ہوئی ہے۔ [۹] آسان اور عام فہم عبارتوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

[۱۰] مؤلف کتاب کے ذی علم اور صحیح العقیدہ ہونے کی علماء کرام نے گواہی دی ہے۔ [۱۱] مؤلف نے توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات ذکر کرنے کے ساتھ توحید عبودیت میں لوگوں کی کوتاہی دیکھتے ہوئے اس کے ذکر کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ [۱۲] نیز مؤلف کتاب نے اس میں سلف کا طریقہ اختیار کیا ہے، یعنی اپنی طرف سے اس میں کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کیا ہے۔

کتاب التوحید کے ابواب کی تلخیص (۶۷ ابواب)

کسی بھی کتاب کو شروع کرنے سے پہلے اس کا مقدمہ اور فہرست پڑھ لینا چاہیے تاکہ کتاب کا مضمون، تالیف کا طریقہ اور کتاب کا ایک مکمل خاکہ ذہن میں آجائے، اس نقطہ ء نظر سے ہم اس کتاب کو دس قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

پہلی قسم: مقدمہ (۵ ابواب)

[۱] (مؤلف نے باب اول کے لیے کوئی عنوان قائم نہیں کیا ہے، در حقیقت یہ باب توحید کے وجوب اور اس کی فرضیت کے بیان میں ہے)

اس باب کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ توحید سب سے تاکیدی واجب ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوتوں کا بنیادی مقصد ہے۔

[۲] توحید کی فضیلت اور توحید کا تمام گناہوں کے کفارہ ہونے کا بیان

اس باب کو رغبت پیدا کرنے اور یہ بتانے کے لیے ذکر کیا ہے کہ کسی عمل کی فضیلت اس کے وجوب کے منافی نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ بہت سے لوگ توحید کی تعلیم و تعلم سے لوگوں کو دور کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

[۳] حقیقی موحد جنت میں حساب کتاب کے بغیر جائے گا

شرک وبدعت اور گناہوں سے توحید کو خالص کرنے کا یہ باب ہے، لہٰذا مناسب تھا کہ توحید کے وجوب اور اس کی فضیلت کا ذکر کرنے کے بعد اس باب کو لایا جائے۔

[۴] شرک سے ڈرنے کا بیان

تحقیق توحید یعنی توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے واجب ہے کہ آدمی خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ محسوس کرے، کیونکہ کبھی انسان سوچتا ہے کہ اس نے توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کرلیا ہے جب کہ ایسا ہوتا نہیں ہے، اس باب کے بعد جو بھی ابواب ہیں وہ اسی تحقیق توحید سے ہی متعلق ہے، مثلاً شرک سے ڈرنے کا بیان تحقیق توحید ہی کی قبیل سے ہے۔

[۵] لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی گواہی کے لیے لوگوں کو دعوت دینا

اس باب کو —واللہ اعلم— دو اسباب کی بنا پر ذکر کیا ہے:

۱. جو شخص توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا ہے اس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی دعوت دے جیسا کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور آپ کے متبعین نے کیا۔

۲. ان لوگوں پر رد کرنے کے لیے جو یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کی دعوت دی جائے گی۔

دوسری قسم: توحید کی تفسیر (۹ ابواب)

[۶] توحید کی تفسیر اور کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ کی گواہی کا مطلب

توحید کے واجب ہونے، اس کی طرف رغبت دلانے، تحقیق توحید، اس کی مخالفت سے ڈرنے، اس کی طرف دعوت دینے کا جب ذکر کر چکے تو مناسب یہ تھا کہ اب یہاں سے لے کر آخری باب تک حقیقت توحید کی تفسیر اور اس کی وضاحت کی جائے۔

[۷] رفع بلاء اور دفع مصائب کے لیے چھلے اور دھاگے وغیرہ پہننا شرک ہے

اس سے مراد توحید کی ضد کی معرفت کے ذریعہ توحید کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے۔

[۸] جھاڑ پھونک اور تعویذ کا بیان

اس کے ذریعہ اس جھاڑ پھونک اور تعویذ کی تفسیر بیان کی ہے جو توحید کے منافی ہے۔

[9] کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھنا

اس کے ذریعہ ممنوع تبرک کی تفسیر بیان کی ہے جو توحید کے منافی ہے۔

[۱۰] غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کا بیان

مؤلف نے اس کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ غیر اللہ کے لیے محبت و تعظیم میں ذبح کرنا توحید کے منافی ہے۔

[۱۱] جہاں غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہوں اس جگہ اللہ کے نام پر بھی ذبح نہیں کیا جائے گا

مؤلف نے اس کے ذریعہ یہ واضح کیا ہے کہ بعض جاہلوں کا مشرکین کی عبادتوں اور تیوہاروں کی نقل اتارنا اور ان میں شرکت کرنا توحید کے منافی ہے۔

[۱۲] غیر اللہ کی نذر و نیاز ماننا شرک ہے

اس کے ذریعہ اس ممنوع نذر کی وضاحت کی ہے جو توحید کے منافی ہے۔

[۱۳] غیر اللہ کی پناہ لینا (استعاذہ) شرک ہے

اس کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ غیر اللہ کی پناہ ایسی چیزوں میں لینا جن پر صرف اللہ ہی قادر ہے، توحید کے منافی ہے۔

[۱۴] غیر اللہ سے فریاد کرنا (استغاثہ) یا انہیں پکارنا شرک ہے

اس باب میں غیر اللہ سے فریاد کرنے اور ان سے ایسی چیزوں کے مانگنے کو جن پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتا ہے، شرک ہونے کی دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔

تیسری قسم: اللہ تعالیٰ کے سوا تمام کی عبادت کا بطلان (۴ ابواب)

[۱۵] اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا باب: ﴿أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾

اس کے ذریعہ اللہ کے سوا خواہ نبی ہو یا بت یا کوئی اور چیز سبھوں کی عبادت کی نفی کی ہے۔

[۱۶] اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا باب: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا۟ ٱلْحَقَّ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْكَبِيرُ﴾

اس کے ذریعہ فرشتوں کی عبادت کو باطل قرار دیا گیا ہے۔

[۱۷] شفاعت کا بیان

اس کے ذریعہ کافروں کا اپنے معبودوں سے شفاعت کا جو عقیدہ ہے اس کو باطل قرار دیا ہے۔

[۱۸] اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا باب: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ﴾

اس کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ ہدایت توفیق صرف اللہ ہی کے لیے ثابت ہے اور اسے غیروں سے طلب کرنا باطل ہے۔

چوتھی قسم: بنی آدم کے کفر کا سبب (۴ ابواب)

توحید کی تفسیر اور اللہ کے سوا تمام کی عبادتوں کو باطل قرار دینے کے بعد مناسب تھا کہ کفر میں واقع ہونے کا سبب بیان کیا جائے تاکہ ہم اس سے بچ سکیں۔

[۱۹] بنی آدم کے کفر اور ترک دین کا بنیادی سبب بزرگوں کی ذات میں غلو ہے

یہ بنی آدم کے کفر میں پڑنے کا سب سے خطرناک سبب ہے، اور یہ سب سے پہلا خطرناک سبب ہے جس کے باعث دنیا میں پہلی مرتبہ شرک رائج ہوا۔

[۲۰] کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ناجائز و سنگین جرم ہے، چہ جائیکہ خود اس مرد صالح کی عبادت کی جائے؟!

مجسمے، تصاویر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنالینا شرک میں واقع ہونے کے وجوہات میں سے ایک اہم وجہ ہے۔

[۲۱] بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنے کا انجام شرک اکبر

کفر پہنچنے کے وجوہات میں سے بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنا بھی ہے۔

[۲۲] نبی ﷺ کا توحید کی مکمل حفاظت کرنا اور ذریعۂ شرک بننے والی ہر راہ کو بند کرنا

نبی ﷺ نے اعتقادات اور افعال میں شرک کے سارے راستوں کو بند کر دیا ہے، اور عنقریب ایک باب ایسا بھی آئے گا جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے شرک تک لے جانے والے اقوال کا راستہ بھی بند کر دیا ہے۔

پانچویں قسم: ان لوگوں کی دلیل کی تردید جو کہتے ہیں کہ اس امت میں یا جزیرۃ العرب میں شرک نہیں پایا جاسکتا (ایک باب)

[۲۳] امت محمدیہ ﷺ کے بعض افراد کا بت پرستی میں مبتلا ہونا

چھٹی قسم: بعض شیطانی اعمال (۷ ابواب)

[۲۴] جادو کا بیان

اس کے ذریعہ یہ بتلایا گیا ہے کہ جادو کفر کیے بنا نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ لوگوں کو کفر میں لے جانے کے سب سے بڑی وجوہات میں سے ایک ہے۔

[۲۵] جادو کی چند اقسام

اس کے ذریعہ ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جادو کی کئی اقسام ہیں جن سے بچنا واجب ہے۔

[۲۶] نجومی اور غیب دانی کے دعوے دار

اس کے ذریعہ اس کی خطرناکی، ایسے لوگوں کے پاس جانے کا حکم اور اس کی صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

[۲۷] جادو ٹونے کے ذریعہ جادو کے علاج کی ممانعت

اس کے ذریعہ جادو کے علاج کے لیے جائز اور ناجائز صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

[۲۸] بدفالی اور بدشگونی

اس کے ذریعہ زمانۂ جاہلیت میں پائے جانے والی بدفالی کی نفی کی ہے اور اسے باطل قرار دیا ہے۔

[۲۹] علم نجوم کا شرعی حکم

اس کے ذریعہ علم نجوم کے مبینہ اثر کو باطل قرار دیا ہے۔

[۳۰] نچھتر یعنی تاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ

اس کے ذریعہ شرکیہ اسباب سے تعلق رکھنے کی نفی کی ہے اور اسے باطل قرار دیا ہے۔

ساتویں قسم: دلوں کے اعمال (۹ ابواب)

[۳۱] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا ﴾

اس کے ذریعہ ان لوگوں کے توحید کی نفی کی ہے جو مخلوق سے اللہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں۔

[۳۲] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوۡلِيَآءَهُۥ ﴾

اس کے ذریعہ ان لوگوں کے توحید کی نفی کی ہے جو مخلوق سے اللہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں۔

[۳۳] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ﴾

اس کے ذریعہ ان لوگوں کے توحید کی نفی کی ہے جو غیر اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

[۳۴] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿ أَفَأَمِنُواْ مَكۡرَ ٱللَّهِۚ ﴾

اس کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ موحد، اللہ کی طرف سے خوف اور رجاء کے مابین رہے۔

[۳۵] اللہ تعالی کی تقدیر پر صبر کرنا ایمان باللہ کا حصہ ہے

اس کے ذریعہ آزمائشوں کے وقت موحد کا کیا حال ہونا چاہیے اس کو بیان کیا ہے۔

[۳۶] ریا کا بیان

اس کے ذریعہ موحد کے اوپر ریا کی خطرناکی کو بیان کیا ہے، اور یہ سب سے زیادہ خطرناک شئ ہے جس کا خوف صالحین پر کھایا جاتا ہے۔

[۳۷] انسان کا اپنے عمل سے دنیا چاہنا ایک قسم کا شرک ہے (شرک اصغر)

اس کے ذریعہ یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص آخرت والے عمل کے ذریعہ دنیا چاہتا ہے جس کا اثر نیک لوگوں پر ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے، اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ دنیا کی خاطر ہی راضی اور ناراض ہوتا ہے۔

[۳۸] اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام، یا حرام کردہ چیز کو حلال کرنے میں علماء وامراء کی اطاعت، ان کو رب کا درجہ دینا ہے (اطاعت میں شریک ٹھہرانا)

اس کے ذریعہ یہ بیان کیا ہے کہ غیر اللہ کو حاکم بنانا نواقض توحید میں سے ہے۔

[۳۹] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ ﴾

یہ باب اس لیے قائم کیا ہے تا کہ موحد کو یہ سمجھنے میں مدد ملے کہ طاغوت کے انکار کا کیا مطلب ہے، اور ایمان صادق اور ایمان کاذب کی صحیح تفسیر کیا ہے۔

آٹھویں قسم: توحید اسماء وصفات (ایک باب)

[۴۰] جس نے اسماء وصفات میں سے کسی کا انکار کیا اس کا بیان

اس کے ذریعہ اس کے ایمان کی نفی کی ہے جو اسماء وصفات میں کسی کا انکار کرے۔

نویں قسم: ممنوع وشرکیہ الفاظ (۲۹ ابواب)

[۴۱] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿يَعۡرِفُونَ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا﴾

اس کے ذریعہ یہ بیان کیا ہے کہ نعمتوں کے سلسلے میں موحد کے اوپر کیا واجب ہے۔

[۴۲] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿فَلَا تَجۡعَلُواْ لِلَّهِ أَندَادٗا وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ﴾

اس کے ذریعہ یہ بیان کیا ہے کہ موحد صرف اللہ کی قسم کھاتا ہے غیر اللہ کی نہیں، اور واو (یعنی: اور) اور ثم (یعنی: پھر) کے مابین فرق ہے۔

[۴۳] اللہ کی قسم پر کفایت نہ کرنے والے کا حکم

اس کے ذریعہ یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کی قسم کھاتے وقت موحد کے دل میں اللہ کی کس قدر عظمت ہوتی ہے۔

[۴۴] جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں کہنے کا حکم

یہ باب اس لیے لائے ہیں تاکہ موحد کو اللہ کی مشیت میں کسی کو شریک کرنے سے ڈرائیں۔

[۴۵] زمانے کو گالی دینا گویا اللہ کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے

اس کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ موحد کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی مخلوق کو گالی دے کر، در حقیقت اسے مسخر کرنے والے اور حکم دینے والے (یعنی اللہ) کو گالی نہ دے بیٹھے۔

[۴۶] "قاضی القضاۃ" وغیرہ القاب کی شرعی حیثیت

اس کے ذریعہ سے موحد کو ڈرایا ہے کہ کہیں وہ ربوبیت کی حد سے تجاوز نہ کر جائے۔

[۴۷] اللہ تعالی کے اسمائے حسنی کی تعظیم اور اس وجہ سے کسی نام کی تبدیلی

اس کے ذریعہ اللہ کے ناموں، صفتوں، دین اور انبیاء کے تئیں ایک موحد کی کیفیت اور حالت کو بیان کیا ہے۔

[۴۸] اللہ تعالی، قرآن کریم اور اللہ کے رسول ﷺ کا مذاق اڑانے والے کا حکم

اس کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ ان چیزوں کا مذاق اڑانے والے کے اندر توحید کی کوئی رمق باقی نہیں رہتی اور ان کے ساتھ کیسا تعامل ہو، اور ان چیزوں سے زبان کی حفاظت کرنا واجب ہے۔

[۴۹] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِى﴾
اس کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ نعمتوں کے نزول سے پہلے اور نعمتوں کے نزول کے بعد موحد پر کیا واجب ہوتا ہے۔

[۵۰] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُمَا صَٰلِحًا جَعَلَا لَهُۥ شُرَكَآءَ فِيمَآ ءَاتَىٰهُمَا﴾
اس کے ذریعہ نعمتوں کے حصول کے وقت مومنوں کی حالت بیان کی ہے اور ہر اس نام کی حرمت بیان کی ہے جس میں غیر اللہ کی طرف عبدیت کی نسبت ہو۔

[۵۱] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا﴾
اس کے ذریعہ موحد کو اللہ کے اسماء وصفات میں الحاد کرنے سے ڈرایا ہے۔

[۵۲] ”السلام علی اللہ“ کہنے کی ممانعت
اس کے ذریعہ موحد کو ان الفاظ کے استعمال سے ڈرایا ہے جو اللہ کے حد ادب کے منافی ہوں۔

[۵۳] ”اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے“ کہنے کا حکم
اس کے ذریعہ موحد کو دعا کرتے وقت استثنا کا استعمال کرنے سے ڈرایا ہے اور یہ کہ وہ اللہ کی قدرت کاملہ کا شعور رکھے، اور دعا بالکل عزم وجزم کے ساتھ مانگے۔

[۵۴] غلام یا لونڈی کو ”عبدی یا اَمَتی“ (میرا بندہ یا میری بندی) کہنے کا حکم
اس کے ذریعہ موحد کو بہترین الفاظ کے انتخاب کی طرف توجہ دلائی ہے۔

[۵۵] اللہ کے نام پر سوال کرنے والوں کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا جائے
اس کے ذریعہ موحد کی حالت بیان کی ہے کہ جو اس سے اللہ کا نام لے کر مانگے تو اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے وہ اس کی حاجت کو پوری کرے۔

[۵۶] اللہ تعالی کا واسطہ دے کر سوائے جنت کے اور کوئی چیز نہ مانگی جائے
اس کے ذریعہ موحد کا اللہ ﷻ کی تعظیم اور کمال ادب کی حالت کو بیان کیا ہے۔

[۵۷] ”اگر، تو، اے کاش!“ کہنے کا حکم
اس کے ذریعہ بہترین منتخب کلام میں موحد کے ادب اور شریعت پر اعتراض یا تقدیر کا شکوہ نہ کرنے کو بیان کیا ہے۔

[۵۸] ہوا اور آندھی کو گالی دینے کی ممانعت
اس کے ذریعہ موحد کی رہنمائی کی ہے کہ جب وہ کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس انداز میں گفتگو کرے جو اس کے لیے سود مند ہو۔

[۵۹] اللہ تعالی کے اس فرمان کا باب: ﴿يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ ظَنَّ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ﴾
اس کے ذریعہ موحد کو اللہ سے بدگمانی رکھنے سے ڈرایا ہے جو کہ جاہلیت والا عمل ہے۔

[۶۰] منکرین تقدیر کا بیان
اس کے ذریعہ قضاوقدر کے سلسلے میں موحد کے ایمان کی حالت کو بیان کیا ہے۔

[٦١] تصویر بنانے کا حکم

اس کے ذریعہ موحد کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے تئیں حدود پھلانگنے کی خطرناکی سے متنبہ کیا ہے۔

[٦٢] کثرت سے قسم کھانا

اس کے ذریعہ موحد کو ایمان کی حفاظت اور لوگوں سے معاملہ کرتے وقت اللہ کی تعظیم کو ملحوظ رکھنے کی وصیت کی ہے۔

[٦٣] دشمن کو اللہ کا ذمہ اور ضمانت دینے کا حکم

اس کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ خوشی اور غم ہر دو حالتوں میں موحد کو اللہ اور اس کے نبی ﷺ کے عہد وپیمان کی عظمت کا خیال رہے۔

[٦٤] اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر قسم کھانا

اس کے ذریعہ موحد کو ڈرایا ہے کہ بندوں سے اللہ کی رحمتوں کے دروازے کو بند کرکے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے تقاضہ کو پامال نہ کرے۔

[٦٥] اللہ تعالیٰ کو سفارشی کے طور پر مخلوق کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا

اس کے ذریعہ موحد کو ڈرایا ہے کہ کہیں وہ مخلوق کا رتبہ خالق سے نہ بڑھادے۔

[٦٦] نبی ﷺ کا گلشن توحید کی حفاظت فرمانا اور شرک کے راستوں کو بند کرنا

اس کے ذریعہ ہر موحد کو متنبہ کیا ہے کہ اسے ہر اس گفتگو سے بچنا چاہیے جو اسے شرک تک لے جائے۔

دسواں: خاتمہ (ایک باب)

[٦٧] اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا باب: ﴿وَمَا قَدَرُواْ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦٓ﴾

اس کے ذریعہ موحد کو یہ بتایا ہے کہ وہ مشرکین جنہوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کیا درحقیقت انہوں نے اللہ کی کماحقہ قدر نہیں کی، لہٰذا موحد کو مشرکوں کی پیروی سے بچنا چاہیے۔

پہلی قسم: مقدمہ (۵ ابواب) کتاب التَّوحید

اس کتاب میں مقدمہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا ہے؟

[۱] یہ بعض نُسَّاخ سے چھوٹ گیا ہے کیونکہ بعض نسخوں میں بسم اللہ، الحمد للہ اور نبی ﷺ پر درود و سلام موجود ہے۔

[۲] صرف عنوان پر اکتفا کیا ہے کیونکہ کتاب کا موضوع ہی توحید ہے۔

[۳] امام بخاری رحمہ اللہ کی پیروی کی گئی ہے جنھوں نے اپنی صحیح میں کوئی مقدمہ بیان نہیں کیا ہے، اور مؤلف نے چاہا کہ لوگوں کا براہ راست تعلق قرآن و حدیث سے ہو جائے۔

[۴] کتاب کے ابتدائی پانچ ابواب مقدمہ ہی کے مانند ہیں۔

توحید کی تعریف

لغت میں: لفظ توحید، فعل وحَّد يوحِّد توحيدًا کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے وحَّد الشَّيء؛ یعنی کسی چیز کو ایک ماننا۔

شریعت میں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کی تمام خصوصیات (توحید ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات) میں ایک ماننا

[۱] توحید ربوبیت:
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کے تمام افعال میں اکیلا ماننا، یا: صفت خلق (پیدا کرنے)، ملک (بادشاہت) اور تدبیر وغیرہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اکیلا ماننا۔

[۲] توحید الوہیت (عبودیت)
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کی عبادت میں اکیلا ماننا۔

[۳] توحید اسماء وصفات
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا اپنے رسول کی زبانی اپنا جو نام رکھا ہے یا اپنے لیے جو صفت بیان کی ہے اس میں اس کو تنہا ماننا، اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے لئے جو ثابت کیا ہے اس کو ماننا اور جس کی نفی کی ہے اس کا انکار کرنا، وہ بھی بغیر کسی تحریف، تعطیل، تکییف اور تمثیل کے۔

اعمال صالحہ توحید کے بغیر مقبول نہیں، اور ہمیں توحید کی خاطر ہی پیدا کیا گیا ہے، اور یاد رہے کہ جنت میں صرف موحد ہی داخل ہوگا، اور یہی نبیوں کی دعوت رہی ہے، تحقیق توحید شرک میں پڑنے سے مانع ہے، اور نیکیوں میں اضافے کا سبب ہے۔

عبادت کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے

[۱] عامل: تعبد یعنی محبت و تعظیم کے جذبہ سے سرشار ہو کر اللہ کے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کرتے ہوئے تواضع اختیار کرنا۔

[۲] عمل: کی گئی عبادت، یہ ایک اسم جامع ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے یا راضی ہوتا ہے خواہ یہ ظاہری یا باطنی اقوال ہوں یا افعال (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے)

([۱] توحید کے وجوب کا باب)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا ہے تاکہ لوگوں کا تعلق کتاب و سنت سے جڑے، البتہ انہوں نے جو دلیلیں ذکر کی ہیں وہ توحید کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں لہذا ہم اسے توحید کے وجوب کا باب کہہ سکتے ہیں۔

پہلی دلیل:

[۱] اللہ تعالی کا فرمان: ﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں)۔

- ﴿لِيَعْبُدُونِ﴾: تاکہ مجھے اکیلا مانیں، یا مامورات کو بجالا کر اور منہیات کو چھوڑ کر میری طاعت کرتے ہوئے میرے لیے تواضع اختیار کریں۔ « قرآن میں جہاں بھی عبادت (کا لفظ) آیا ہے اس کا معنی توحید ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے»۔ **آیت کا معنی ہے کہ**: میں نے جنات اور انسانوں کو کسی اور چیز کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

دوسری دلیل:

[۲] ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُوا۟ ٱلطَّٰغُوتَ﴾ (ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو)۔

- **یہ آیت تین تاکیدات کے ذریعہ مؤکد کی گئی ہے:**[١]مقدر قسم،[٢]لام،[٣]اور قد.
- اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام رُسُل علیہم السلام نے توحید کی ہی دعوت دی اور اللہ تعالی نے انہیں اسی لیے مبعوث کیا تھا۔

قرآن میں امت کا اطلاق چار معنوں پر ہوتا ہے:

١-جماعت:	جیسا کہ مذکورہ آیت میں ہے۔
٢-امام:	﴿ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا ﴾ (بیشک ابراہیم پیشوا اور اللہ تعالی کے فرمانبردار اور یک طرفہ مخلص تھے)۔
٣-ملت:	﴿ بَلْ قَالُوٓا۟ إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ ﴾ (بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا)۔
٤-زمانہ:	﴿وَقَالَ ٱلَّذِى نَجَا مِنْهُمَا وَٱدَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ﴾(ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا اسے مدت کے بعد یاد آ گیا)۔

﴿وَٱجْتَنِبُوا۟ ٱلطَّٰغُوتَ﴾(اور طاغوت سے بچو):یعنی اس سے اس طرح سے بچو کہ تم ایک سرے پر ہو اور وہ دوسرے سرے پر۔

- اس کی سب سے بہترین تعریف ابن قیم رحمہ اللہ نے کی ہے: (جس کے ذریعہ سے بندہ اپنی حد پار کر جائے، خواہ وہ معبود ہو یا متبوع یا مطاع)، اور اس سے مراد وہ ہیں جو اپنی اس عبادت سے راضی ہوں۔

  [١]**متبوع:** جیسے کاہن، جادوگر یا علمائے سوء)،[٢]**معبود:** جیسے پتھر-کی مورت وغیرہ-یا درخت۔

  [٣]**مطاع:** جیسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دینے والے حکمراں وسلاطین۔
- یہ آیت توحید پر اس طرح دلالت کر رہی ہے کہ بت ان طواغیت میں سے ہے جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔

• **توحید دو رکن کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی جو کہ نفی اور اثبات ہیں:** کیونکہ صرف نفی کرنا یہ تعطیل ہے، اور صرف اثبات کرنا اللہ کے ساتھ غیروں کی شمولیت کا انکار نہیں ہے، بطور مثال اگر ہم کہیں: (زید کھڑا ہے) یہ زید کے کھڑے ہونے پر تو دلالت کرتا ہے، لیکن اس کی انفرادیت پر دلالت نہیں کرتا ہے، اور اگر ہم کہیں: (کوئی کھڑا نہیں ہوا) تو یہ محض نفی ہے، لیکن جب ہم کہیں: (زید کے سوا کوئی کھڑا نہیں ہوا) تو ایسا کہنا کھڑے ہونے میں اس کے انفرادیت کو بتلاتا ہے؛ کیونکہ یہ نفی اور اثبات دونوں کو شامل ہے۔

رسولوں کو بھیجنے کی حکمت:

[۱] بندوں پر حجت قائم کرنا: ﴿رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةُۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ﴾ (ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔

[۲] رحمت بنا کر بھیجنا: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

[۳] اللہ سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بتانے والا بنا کر بھیجنا۔

تیسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًاۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾

(اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تمہاری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا۔

• ﴿أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ﴾ (تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا): یہی وہ توحید ہے جو نفی اور اثبات دونوں کو شامل ہے۔

اللہ تعالی کے قضا(فیصلے) کی دو قسمیں ہیں:

[۱] قضائے شرعی:

- یہ خاص ہے ان چیزوں کے لیے جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔
- یہ واقع بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ﴾ (اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا) یہاں قضی کا معنی ہوگا: وصیت کی یا شریعت مقرر کی۔ (چنانچہ کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو کچھ لوگ نہیں بھی کرتے ہیں)۔

[۲] قضائے کونی:

- یہ عام ہے ان چیزوں کے لیے جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جن سے محبت نہیں کرتا ہے۔
- اس کا واقع ہونا یقینی ہے: ﴿وَقَضَيۡنَآ إِلَىٰ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ فِي ٱلۡكِتَٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِي ٱلۡأَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ﴾ (اور ہم نے بنو اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دوبارہ فساد برپا کروگے)، اور فساد کو اللہ تعالی نے نہ تو جائز قرار دیا ہے اور نہ ہی وہ اس کو پسند کرتا ہے۔

کیسے اللہ تعالی ایسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتا؟

کبھی کبھی لوگوں کے نزدیک پسندیدہ شئ بذات خود ناپسندیدہ ہوتی ہے، لیکن اس کے باجود اس میں پوشیدہ حکمت و مصلحت کی وجہ سے اسے پسند کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں وہ ایک لحاظ سے تو پسندیدہ ہوتی ہے جبکہ دوسرے اعتبار سے ناپسندیدہ بھی ہوتی ہے۔

اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ: بنی اسرائیل کا زمین پر فساد برپا کرنا بذات خود اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالی نہ فساد کو پسند کرتا ہے اور نہ فسادی کو، لیکن کوئی پوشیدہ حکمت کی وجہ سے ایک لحاظ سے اللہ کے نزدیک وہ پسندیدہ بھی ہے، اور اسی طرح قحط سالی، سوکھا، بیماری اور تنگی کے لیے بھی کہا جائے گا۔

محبوب کی دو قسمیں ہیں:

[۱] جو بذات خود محبوب ہو: اور وہ صرف اللہ ہے۔

[۲] جو بذات خود محبوب نہ ہو: جیسے دوا، کہ یہ علاج کے لیے ہی محبوب ہے۔

عبودیت کی تین قسمیں ہیں:

عام	خاص	خاص الخاص
عام: یہ ربوبیت کی بنا پر عبودیت (عبودیت قہر) ہے، یہ ہر ایک مخلوق کے لیے ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِن كُلُّ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ إِلَّآ ءَاتِى ٱلرَّحْمَٰنِ عَبْدًا﴾ (آسمان وزمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں) اور اس میں کفار بھی داخل ہیں۔	خاص: یہ عمومی طور پر طاعت والی عبودیت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعِبَادُ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى ٱلْأَرْضِ هَوْنًا﴾، (اور رحمٰن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں) اور یہ ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو اللہ کی شریعت کے مطابق اس کی عبادت کرتا ہے۔	خاص الخاص: یہ رسل علیہم السلام کی عبودیت ہے (یہ سب سے کامل عبادت ہے)، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ﴾، (بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا)، کیونکہ عبودیت کے معاملے میں ان رسولوں سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

چوتھی دلیل:

اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿وَٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا﴾ (اور اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو)۔

- ﴿شَيْـًٔا﴾: یہ نہی کے سیاق میں نکرہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی نہ کوئی نبی نہ فرشتہ نہ ولی بلکہ دنیا کی کوئی بھی شیئ ہو اللہ کے ساتھ اس کو شریک نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

پانچویں دلیل:

[۵] ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُلْ تَعَالَوْا۟ أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا﴾ آپ کہیے کہ آؤ تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمادیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھراؤ۔

چھٹی دلیل:

[٦]عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سربمہر وصیت ملاحظہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اللہ تعالی کا یہ فرمان پڑھ لے: ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ یہاں تک: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ﴾» (اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو)۔

- صراط (راہ) کی اضافت کبھی:

١. اللہ کی طرف ہوتی ہے؛ کیونکہ یہ اللہ تک پہنچانے والا ہے اور چونکہ اللہ نے ہی اسے بندوں کے لیے وضع کیا ہے ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي﴾ (اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے)۔

٢. اس پر چلنے والے کی طرف ہوتی ہے: کیونکہ وہ اس پر چلتے ہیں، اور یاد رہے نجات کا راستہ صرف ایک ہے متعدد نہیں اور بقیہ متفرق راستے ہیں۔ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا)۔

ان آیات میں دس وصیتیں ہیں:

پہلی آیت (٥ وصیتیں):

[١]اللہ تعالی کی توحید۔

[٢]والدین کے ساتھ حسن سلوک۔

[٣]اپنی اولاد کے قتل کی ممانعت۔

[٤]فواحش کے قریب نہ جانے کی ہدایت۔

[٥]بے قصور کو ناحق قتل کرنے کی حرمت۔

دوسری آیت (٤ وصیتیں):

[٦] یتیم۔ جس کا والد اس کی بلوغت سے پہلے فوت ہو چکا ہو۔ کا مال احسن طریقہ سے استعمال کرنے کی ہدایت۔ [٧] عدل و انصاف پر مبنی گفتگو کرنے کی تلقین۔ [٨] انصاف کے ساتھ ناپ تول کرنے کی ہدایت۔[٩]اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کی وصیت۔

تیسری آیت (ایک وصیت): [١٠] ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي﴾ (اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے)، حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: «**یہ اللہ کا راستہ ہے**» پھر آپ نے اس کے دائیں بائیں کئی لکیریں کھینچی اور فرمایا: «**یہ مختلف راہیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک راستے پر شیطان ہے جو اس کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے**»، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

چند اہم فائدے:

معصوم یعنی وہ جان جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

[۱] مسلم۔

[۲] ذمی (جو اسلامی مملکت میں رہتا ہو)۔

[۳] مُعاھَد (جس سے مسلمانوں / اسلامی حکومت کا عہد وپیمان ہو)۔

[۴] مُستَأمِن (جس کو ہم نے امان دے رکھی ہو)۔

﴿نَّحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَإِيَّاهُمۡۖ﴾ (ہم تمہیں اور ان کو رزق دیتے ہیں) یہاں والدین کے رزق سے شروع کیا کیونکہ دونوں محتاج ہیں اور سورۂ اسراء میں فرمایا: ﴿نَّحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَإِيَّاكُمۡۚ﴾ (ہم انہیں اور تم کو رزق دیتے ہیں) یہاں والدین کے رزق سے پہلے اولاد کے رزق کا ذکر کیا کیونکہ دونوں مالدار تو ہیں لیکن محتاجی کا خوف کھاتے ہیں۔

﴿إِلَّا بِٱلۡحَقِّ﴾ (سوائے حق کے) یعنی جس کو قتل کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے:

[۱] جان کے بدلے جان۔

[۲] شادی شدہ زناکار۔

[۳] مرتد، جو دین سے پھر گیا ہو۔

أشدّ (پختگی کی عمر، آیت کریمہ میں أشدّ سے مراد بلوغت کے ساتھ مال کے اندر حسن تصرف کی صلاحیت ہونا ہے) کو پہنچنا جس کی وجہ سے انسان واجبات کا پابند ہو جاتا ہے:

[۱] عمر کے پندرہ سال مکمل کرلینا۔

[۲] یا بغل میں بالوں کا نکل آنا۔

[۳] یا احتلام ہونا۔

اور عورتوں کے لیے حیض کا آنا۔

وصیت: یہاں عہد کے معنی میں ہے، اور وصیت عہد کے معنی میں اسی وقت استعمال ہوگی جب وہ کسی انتہائی اہم شئے کے بارے میں ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں کہا یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے جبکہ آپ نے کوئی وصیت نہیں کی؟

[۱] اس لیے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ آیات دین کے سبھی امور کو شامل ہیں، اور یہ بڑی عظیم آیات ہیں۔

[۲] کیونکہ یہ اللہ کی وصیت ہے ﴿ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ﴾ (اللہ تعالی نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے)، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جانب سے پہنچانے والے ہیں۔

ساتویں دلیل:

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گدھے پر سوار تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: «**يَا مُعَاذُ أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ، وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟**»، قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «**حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ: أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ: أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا**»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ؛ أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: «**لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا**»، «**اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالی کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ تعالی پر کیا حق ہے؟**»، میں نے کہا اللہ تعالی اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: «**اللہ تعالی کا بندوں پر حق یہ ہے کہ: وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور بندوں کا اللہ تعالی پر حق یہ ہے کہ جو بندہ شرک کا مرتکب نہ ہو وہ اسے عذاب نہ دے**»، معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنادوں؟ تو آپ نے فرمایا: «**نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں**». متفق علیہ۔

- «أَتَدْرِي» : یہ شوق کو دوبالا کرنے اور دل کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لیے ہے اور یہ حسن تعلیم کا بہترین طریقہ ہے۔
- «حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ» : بندوں نے اللہ پر کچھ بھی واجب نہیں کیا ہے بلکہ یہ اللہ تعالی نے بندوں پر احسان کرتے ہوئے خود پر واجب کر لیا ہے۔
- «أُبَشِّرُ» : بشارت: کہتے ہیں ایسی چیز کی خبر دینا جس کو سن کر انسان خوش ہو جائے، اور کبھی کبھی غمگین کر دینے والی خبر کے لیے بھی یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔
- «لَا تُبَشِّرْهُمْ» : یعنی انہیں خبر نہ دو۔
- حدیث سے توحید کی فضیلت اور اس کے اللہ کے عذاب سے مانع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

- یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اللہ اسے عذاب نہیں دے گا، اور یہ کہ تحقیق توحید کی وجہ سے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، نبی ﷺ نے اس کے بارے میں خبر دینے سے اس لیے منع فرمایا کہ لوگ صرف اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے تقاضوں کو نہ چھوڑ بیٹھیں کیونکہ تحقیق توحید معاصی سے اجتناب کو مستلزم ہے اس لیے کہ معاصی خواہش نفس کی پیروی کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں جو کہ ایک طرح کا شرک ہی ہے۔

مسائل:

(یہ مسائل کتاب التوحید میں شامل نہیں ہیں، بلکہ مؤلف رحمہ اللہ نے انہیں گویا شرح کے طور پر بیان کیا ہے اور ان کے بیان کرنے میں سب سے بہترین شخص وہ خود ہیں کیونکہ ان سے مراد چیزوں کا علم انہیں زیادہ ہے، لہذا ان کا خیال رکھنا چاہیے)۔

پہلا: جن وانس کی تخلیق کی حکمت (توحید کا اقرار اور شرک سے اجتناب ہے اور دیگر اشیاء جیسے کھانا پینا اور شادی بیاہ وغیرہ ضروریات زندگی ہے)۔

دوسرا: عبادت سے مراد توحید ہی ہے کیونکہ آپ کے اور قریش کے مابین جھگڑا اسی معاملہ پر تھا (یعنی نبی ﷺ اور قریش کے مابین، لہذا ہر عبادت، جس کی بنیاد توحید پر نہ ہو، باطل ہے)۔

تیسرا: جو شخص توحید پر کاربند نہیں اس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی اور سورہ کافرون کی اس آیت ﴿وَلَآ أَنتُمْ عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ﴾ (تم اس کی پرستش کرنے والے نہیں جس کی پرستش میں کرتا ہوں) کا مفہوم بھی یہی ہے۔

چوتھا: رسولوں کی بعثت کی حکمت (یعنی ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا اور طاغوت، ماسوا اللہ کی عبادت سے منع کرنا)۔

پانچواں: رسالت تمام امتوں کے لیے عام ہے (امت سے مراد: دنیا کی تمام قومیں اور جماعتیں ہیں)۔

چھٹا: تمام انبیاء کا دین ایک ہی تھا (اصل دین ایک ہی ہے یعنی ان کی دعوت کا محور اور مرکزی نقطہ صرف توحید ہی ہے، البتہ عملی شریعت، امت، مکان اور زمان کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی)۔

ساتواں: ایک بڑا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ طاغوت کا انکار کیے بغیر اللہ تعالی کی عبادت ممکن نہیں۔ اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿فَمَن يَكْفُرْ بِٱلطَّـٰغُوتِ﴾ (سو جو شخص طاغوت کا انکار کرے) الْآيَـةَ (اس مسئلہ کو بڑا اس لیے کہا کہ اکثر لوگ اس سے نابلد ہوتے ہیں، ہاں یاد رہے جس نے ان امور میں

سے کچھ انجام دیا اس پر شرک، کفر یا لعنت کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان امور یا ان جیسے دیگر امور میں فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اسباب اور موانع کا خیال رکھنا ضروری ہے)۔

آٹھواں: طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے۔

نواں: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلف صالحین کے نزدیک سورۂ انعام کی مذکورہ بالا تین محکم آیات کی کس قدر اہمیت اور عظمت تھی، ان میں دس مسائل ہیں جن میں سے اولین مسئلہ شرک سے ممانعت کی ہے۔

دسواں: سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان ہوئے ہیں، جن کا آغاز اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان سے کیا ہے: ﴿لَّا تَجۡعَلۡ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُومًا مَّخۡذُولًا﴾ (اللہ تعالی کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا ورنہ ذلیل اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہوگے)، اور ختم اس فرمان پر کیا ہے ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ فَتُلۡقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدۡحُورًا﴾ (اور اللہ تعالی کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنالینا کہ ملامت زدہ اور راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے)، اللہ تعالی نے ہمیں ان مسائل کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ مِمَّآ أَوۡحَىٰٓ إِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ ٱلۡحِكۡمَةِۗ﴾ (یہ ان دانائی کی باتوں میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں)۔

گیارہواں: سورۂ نساء کی یہ آیت جو حقوق عشرہ کی آیت کہلاتی ہے، کا آغاز بھی اللہ ﷻ نے اپنے اس فرمان سے کیا ہے: ﴿وَٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَلَا تُشۡرِكُواْ بِهِۦ شَيۡـٔٗاۖ﴾ (اور اللہ تعالی کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ)۔ (اللہ تعالی کا حق ادائیگی کے اعتبار سے تمام دیگر حقوق پر مقدم ہے)۔

بارھواں: اس میں نبی ﷺ کی اس وصیت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے جو آپ نے وفات کے وقت فرمائی تھی۔ (درحقیقت آپ نے اس کی وضاحت کے ساتھ وصیت نہیں کی تھی بلکہ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا کہ ہم جب تک کتاب اللہ کو تھامے رہیں گے گمراہ نہ ہوں گے)۔

تیرھواں: ہمارے ذمہ اللہ کا کیا حق ہے اس کی معرفت (کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں)۔

چودھواں: بندے جب اللہ تعالی کا حق ادا کریں تو ان کا اللہ تعالی پر کیا حق ہے؟ (یہ درحقیقت اللہ کا احسان ہے بندوں پر)۔

پندرھواں: اس مسئلہ کا علم اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں تھا (کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر اپنی وفات کے وقت کتمان علم کے گناہ کے خوف سے لوگوں کو دی تھی اور اس وقت تک بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

وفات پاچکے تھے، دیگر صحابہ کرام کو نبی ﷺ نے یہ خبر اسی پر بھروسہ کر لینے کے ڈر سے نہیں دی تھی نہ کہ آپ کا یہ مقصد تھا کہ کسی کو بھی نہ بتایا جائے کیونکہ اگر آپ کا یہی مقصد ہوتا تو معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے بارے میں نہیں بتاتے)۔

سولہواں: مصلحت کے پیش نظر کتمان علم کا جواز (یہ علی الاطلاق نہیں ہے)۔

سترہواں: کسی مسلمان کو ایسی خبر دینا مستحب ہے جس سے وہ خوش ہو (یہ اس حدیث کے سب سے بہترین اور عمدہ فوائد میں سے ایک ہے)۔

اٹھارہواں: اللہ تعالی کی وسعت رحمت پر ہی بھروسہ کر کے ترک عمل سے ڈرتے رہنا۔ (اور یہی معاملہ نا امیدی کا بھی ہے)۔

انیسواں: اگر شخص مسؤول کو کسی بات کا علم نہ ہو تو اس کے متعلق «(الله ورسوله أعلم) اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں» کہنا (ایسا یعنی نبی ﷺ کے اضافے کے ساتھ صرف نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں یا ان شرعی امور کے لیے کہنا درست ہے جو نبی ﷺ نے ہمیں بتایا ہے)۔

بیسواں: کسی کو علم سکھانا اور کسی کو اس سے محروم رکھنے کا جواز۔

اکیسواں: نبی ﷺ کا تواضع کہ آپ گدھے پر سوار ہوئے اور ساتھ میں اپنے پیچھے ایک آدمی کو بھی سوار کر لیا، جو کہ مزید متواضع ہونے کی دلیل ہے۔

بائیسواں: سواری پر اپنے پیچھے کسی دوسرے کو بٹھانے کا جواز (بشرطیکہ یہ جانور پر دشوار نہ ہو)۔

تئیسواں: مسئلہ توحید کی عظمت۔

چوبیسواں: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔

[۲]توحید کی فضیلت اور اس کا گناہوں کے کفارہ ہونے کا بیان

توحید سے دور کرنے والے شیطانی وسوسوں کے بر خلاف لوگوں کو توحید کی طرف شوق ورغبت دلانے کے لیے مؤلف رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے۔ اور کسی چیز کی فضیلت کو ثابت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ واجب نہیں ہے، بلکہ یہ فضیلت اس کے آثار ونتائج میں سے ہے،اور توحید بذات خود اہم اور تاکیدی واجبات میں سے ہے، جیسے باجماعت نماز ادا کرنا۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمۡ يَلۡبِسُوٓاْ إِيمَٰنَهُم بِظُلۡمٍ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلۡأَمۡنُ وَهُم مُّهۡتَدُونَ﴾ (اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا،ان کے لیے امن ہے اور وہی لوگ راہ راست پر ہیں)۔

- ﴿وَلَمۡ يَلۡبِسُوٓاْ﴾ :یعنی خلط ملط نہیں کیا. ﴿بِظُلۡمٍ﴾ : ظلم یہاں ایمان کے مقابلہ میں ہے جس سے مراد شرک ہے۔
- ﴿مُّهۡتَدُونَ﴾ (ہدایت یافتہ ہیں) : [۱] **دنیا میں:** علم وعمل کے ذریعہ اللہ کی شریعت اپنانے کی وجہ سے [۲] **آخرت میں:** حصول جنت اور دیدار الٰہی کی وجہ سے.
- توحید کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا وآخرت میں امن حاصل ہوتا ہے۔

دوسری دلیل:

[۲]عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ، وَرُوحٌ مِنْهُ، وَالْـجَنَّةَ حَقٌّ، وَالنَّارَ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللهُ الْـجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ»، **«جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ:اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، عیسی علیہ السلام** اللہ تعالیٰ کے بندے، رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا نیز اس کی طرف سے (بھیجی ہوئی) روح تھے، اور جنت اور جہنم بر حق ہیں، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ (بہرحال) جنت میں داخل کرے گا، خواہ اس کے عمل کیسے بھی

ہوں»۔ متفق علیہ۔

تیسری دلیل:

صحیحین میں عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): «فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ)؛ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ»، «اللہ تعالی ایسے شخص کو جو محض رضائے الٰہی کے لئے "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرے، دوزخ پر حرام کر دیتا ہے»۔

- «شَهِدَ»: شہادت: زبان سے اعتراف، دل سے اعتقاد اور اعضاء وجوارح کے ذریعہ تصدیق کرنے کا نام ہے۔
- «أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ»: عبادت کا حقیقی مستحق اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔
- «وَحْدَهُ» اس میں اثبات کی تاکید ہے، «لَا شَرِيكَ لَهُ» اس میں نفی کی تاکید ہے بایں معنی کہ اس میں اللہ کے خصائص میں کسی کی شراکت کی نفی تاکید کے ساتھ کی گئی ہے۔
- «وَأَنَّ مُحَمَّدًا»: بن عبد اللہ بن عبد المطّلب القرشيّ الهاشميّ خاتم النّبيّين.
- «عَبْدُهُ»: (اس کے بندے ہیں) یعنی: [۱] اللہ کے شریک نہیں ہیں، [۲] اللہ کی سب سے زیادہ عبادت کرنے والے ہیں۔
- «وَرَسُولُهُ»: (اور اس کے رسول ہیں): یعنی آپ کی باتیں وحی پر مبنی ہیں نہ کہ جھوٹ اور افترا پردازی پر، تحقیق شہادت رسالت کی پختہ گواہی کی نقیض ہے: [۱] گناہ کے کام، [۲] دین میں ایسی بدعتوں کی ایجاد جو دین کا حصہ نہیں ہیں۔
- معاصی عام معنی میں شرک کو بھی کہا جاتا ہے، اور خاص معنی میں اس کی قسمیں ہیں: [۱] شرک اکبر. [۲] شرک اصغر. [۳] گناہ صغیرہ [۴] گناہ کبیرہ۔
- «عِيسَى عَبْدُ اللهِ»: یہ نصاری پر رد ہے «وَرَسُولُهُ» یہ یہود پر رد ہے، ہم ان کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی لائی ہوئی شریعت جو ہماری شریعت کے مخالف ہو اس کا اتباع ہمارے لیے ضروری نہیں ہے، اور ہم سے پہلے والی شریعت کی، ہماری شریعت کے مقابلے میں درج ذیل حالات ہیں:

۱. وہ ہماری شریعت کے مخالف ہو، تو ہمارا عمل اپنی شریعت پر ہو گا۔
۲. وہ ہماری شریعت کے موافق ہو، تو ایسی صورت میں بھی ہم اپنی شریعت پر ہی عمل کریں گے۔
۳. اس چیز کے تعلق سے ہماری شریعت خاموش ہو، تو ایسی صورت میں وہ ہماری شریعت مانی جائے گی۔

- عیسی علیہ السلام کے سلسے میں اعتقاد رکھنے والوں کے تین اقسام ہیں (افراط و تفریط اور معتدل):

۱. **جفا کرنے والے:** جیسے یہود جنہوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ اور آپ کی ماں کے بارے میں طعن و تشنیع سے کام لیا، آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کے قتل کے درپے ہو گئے۔

۲. **غلو کرنے والے:** جیسے نصاری جنہوں نے کہا کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں، ثالث من ثلاثہ ہیں اور آپ کو اپنا معبود بنالیا۔

۳. **معتدل:** وہ ہم لوگ ہیں جو گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، آپ کی ماں صدیقہ تھیں، وہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی پاکدامن اور کنواری تھیں، آپ کی مثال اللہ کے نزدیک بالکل آدم علیہ السلام کی طرح ہے، اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور کہا: کن (ہو جا) تو آپ وجود میں آ گئے۔

- «**كَلِمَتُهُ**»: کیونکہ آپ کلمہ (کُن) سے پیدا کیے گیے نہ کہ عیسی علیہ السلام بذات خود اللہ کے کلام ہیں، کیونکہ کلام، اللہ کی صفت ہے۔

- «**رُوحٌ مِنْهُ**»: اس کی پیدا کردہ روحوں میں سے ایک (پاکیزہ) روح ہیں۔ اس کی اضافت اللہ کی طرف عزت و تکریم کے لیے کی گئی ہے۔

- «**أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ**» اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں داخل کرتے ان کی دو قسمیں ہیں:

۱. بغیر کسی سزا اور عذاب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں مکمل عمل کیا ہو گا اور شریعت کے مطابق زندگی گزاری ہو گی۔

۲. عذاب کا مزہ چکھنے کے بعد جنت میں داخل کیے جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں ناقص عمل کیا ہو گا اور عمل میں کاہلی اور سستی سے کام لیا ہو گا (لیکن یہ بھی مشیت الہی کے تحت ہو گا، چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف فرمادے اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل فرمادے)۔

- «**قَالَ: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ)**»: اس کے لیے اخلاص شرط ہے جس کی دلیل یہ ہے «**يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ**».

- اس حدیث میں دو فرقوں پر رد ہے:

۱. **مرجئہ پر:** جو کہتے ہیں کہ صرف «**لا إله إلّا الله**» کہنا کافی ہے، عمل اور اخلاص کی ضرورت نہیں۔

۲. **خوارج پر:** جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا (اگر توبہ کئے بغیر مر جائے)۔

جس کی اضافت اللہ نے اپنے نفس کی طرف کی ہے:

اضافت اعیان: جس چیز کی اضافت اللہ کی طرف ہو اور اللہ سے منفصل ہو اور بذات خود قائم ہو تو وہ مخلوق ہے: ﴿نَاقَةَ اللَّهِ﴾، (اللہ کی اونٹنی) یہ مخلوق کی اضافت خالق کی طرف کرنے کے باب سے ہے، لہٰذا "ناقة اللہ" میں لفظ "ناقة" بذات خود قائم ہے اور اللہ سے منفصل ہے اس بنا پر وہ مخلوق ہے۔

اضافت اوصاف: جس چیز کی اضافت اللہ کی طرف ہو اور اللہ سے منفصل نہ ہو تو یہ غیر مخلوق ہے: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾، (جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے) تو یہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف کرنے کے باب سے ہے۔

اضافت عامہ: اللہ تعالی کا فرمان: ﴿إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ﴾ (یقینا میری زمین وسیع ہے)۔

اضافت تشریف: اللہ تعالی کا فرمان: ﴿وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ (اور اس کی پیدا کردہ روحوں میں سے ایک (پاکیزہ) روح ہیں)۔

چوتھی اور پانچویں دلیل:

[۴] ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «قَالَ مُوسَى عليه السلام: يَا رَبِّ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ وَأَدْعُوكَ بِهِ، قَالَ: قُلْ يَا مُوسَى: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ: كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُونَ هٰذا؟ قَالَ: يَا مُوسَى؛ لَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ - غَيْرِي - وَالْأَرَضِينَ السَّبْعَ فِي كِفَّةٍ، وَ(لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ) فِي كِفَّةٍ، مَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ»، **(موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے عرض کیا، اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسا ذکر بتائیے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کروں اور دعا کروں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: اے موسی! "لا الہ الا اللہ" پڑھا کرو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: اے موسی! اگر ساتوں آسمان اور ان میں بسنے والے بجز میرے اور ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور "لا الہ الا اللہ" ایک پلڑے میں ہو تو، "لا الہ الا اللہ" ان سب سے وزنی ہوگا)**، ابن حبان اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

[۵] اور سنن ترمذی میں حسن سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: «**قَالَ اللهُ تَعَالَى: يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا، لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً**»،

«اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہ لائے، پھر اس حال میں تو مجھ سے ملاقات کرے کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں اسی قدر تیری طرف مغفرت وبخشش لے کر آؤں»۔

- «لَا إِلَـــٰـــهَ إِلَّا اللهُ»: یہ جملہ ذکر ہے جو دعا کو متضمن ہے کیونکہ ذکر کرنے والا اس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے، لیکن جو شخص ایسی چابی لے کر آئے جس میں دندان نہ ہو تو اس سے تالا نہیں کھل سکتا، اور "لا الہ الا اللہ" کے شروط ہی اس کے دندان ہیں۔
- «بِقُـــرَابِهَا مَغْفِـرَةً»: یہ توحید کی عظمت ہے کہ بندہ جب اللہ سے شرک کی ملاوٹ سے پاک ہو کر ملاقات کرتا ہے تو وہ اس کے کبیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور مغفرت کہتے ہیں: گناہوں کو ڈھانپنا اور اس سے تجاوز کرنا۔

مسائل:

پہلا: اللہ کے فضل کی وسعت۔

دوسرا: اللہ کے نزدیک توحید کے ثواب کی کثرت۔

تیسرا: ثواب کے ساتھ ساتھ عقیدۂ توحید گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔

چوتھا: اس سے سورۂ انعام والی آیت کی تفسیر بھی واضح ہو جاتی ہے (کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے) ﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَمْ يَلْبِسُوٓا۟ إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ (جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے)۔

پانچواں: عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو پانچ امور مذکور ہیں ان میں غور وتدبر کرنا، جن میں سر فہرست توحید کا اقرار اور شرک سے اجتناب ہے۔

چھٹا: حدیث عبادہ اور حدیث عتبان رضی اللہ عنہما دونوں کو جمع کریں تو ان سے «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ» کا معنی اور جو لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں ان کی خطا مزید واضح ہو جاتی ہے (ضروری ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی چاہتا ہو، اور جس کا معاملہ ایسا ہو گا وہ یقیناً عمل صالح انجام دے گا)۔

ساتواں: عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود شرط کی طرف توجہ (صرف زبان سے کہنا کافی نہیں ہے، بلکہ دل سے تصدیق اور عمل صالح کرنا بھی ضروری ہے)۔

آٹھواں: انبیاء کرام بھی کلمۂ «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ» کی فضیلت جاننے کے محتاج تھے (تو ان کے علاوہ لوگ تو بدرجۂ اولی محتاج ہیں)۔

نواں: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ تمام آسمانوں اور زمینوں سے وزنی اور بھاری ہونے کے باوجود بہت سے کلمہ گو کے ترازو ہلکے ہوں گے (مصیبت کہنے والے کی ہے، بذات خود اس کلمہ میں کوئی نقص نہیں ہے، اس کی وجہ شرط میں خلل یا اس کو ہلکا کرنے والی کسی چیز کا ارتکاب کرنا ہے)۔

دسواں: اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں (یہ برابری اور مماثلت صرف عدد میں ہے)۔

گیارہواں: ان میں آبادیاں ہیں (یعنی آسمان میں، اور اس کی آبادیاں فرشتے ہیں)۔

بارہواں: اللہ تعالیٰ کے بھی اوصاف (صفات) ہیں، جبکہ اشاعرہ کا عقیدہ اس کے برعکس بعض صفات کا انکار کرنا ہے (اور معطلہ کا بھی، کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ”وجہ“ کا اثبات ہے۔ کیونکہ اشاعرہ بعض صفات کا انکار کرتے ہیں اور معطلہ تمام صفات کا)۔

تیرہواں: جب آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو اچھی طرح سمجھ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث: «فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ)؛ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ»، ”**کہ جو شخص محض رضائے الٰہی کی خاطر کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ کا اقرار کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ پر حرام کردیتا ہے**“ سے شرک کو مکمل چھوڑ دینا مراد ہے، اور محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا نجات کے لیے کافی نہیں ہے۔

چودہواں: یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ اس حدیث میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسی علیہ السلام دونوں کو اللہ کے بندے اور رسول کہا گیا ہے۔

پندرہواں: عیسی علیہ السلام کو خصوصی طور پر اللہ کا کلمہ کہنے کی معرفت (اور یہ کہ آپ بنا باپ کے پیدا کیے گیے)۔

سولہواں: آپ کا اللہ کی روح ہونے کی معرفت (آپ ان جملہ روحوں میں سے ہیں جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے)۔

سترہواں: جنت اور جہنم پر ایمان لانے کی فضیلت کی معرفت (اور یہ کہ یہ جنت میں داخلہ کے اسباب میں سے ہے)۔

اٹھارہواں: حدیث میں وارد لفظ: «(علی ما کان من العمل) **چاہے جیسا بھی عمل ہو**» کی معرفت۔ (یعنی صاحب توحید ہونا شرط ہے)۔

انیسواں: اس بات کی معرفت کہ میزان (ترازو) کے دو پلڑے ہیں۔

بیسواں: اس حدیث میں مذکور ”وجہ“ (چہرہ) کی معرفت (جو کہ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے)۔

[۳]اس بات کا باب کہ حقیقی موحد بلا حساب جنت میں جائے گا

اس باب کو اس لیے قائم کیا ہے کہ ہم حقیقی موحد بن جائیں جو ہمارے اوپر واجب ہے اور اس کی طرف ہم راغب ہوں، اور تحقیق توحید کا مطلب یہ ہے کہ: علم، اعتقاد اور خالص پیروی کے ساتھ توحید کو شرک، بدعت اور گناہوں سے پاک وصاف رکھا جائے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے تحقیق توحید کے مفہوم کو سمجھانے کے لیے کئی ابواب قائم کئے ہیں تاکہ قارئین کو تفصیل کے ساتھ جانکاری حاصل ہو جائے، توحید میں پختگی درج ذیل طریقوں سے آئے گی:

[۱]اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کے ذریعہ [۲]سادات اولیاء (صحابہ کرام) کی اقتداء کے ذریعہ۔

[۳]توحید پر برقرار رہنے اور شرک ومعاصی سے اجتناب کے ذریعہ خواہ آپ اکیلے ہی کیوں نہ ہوں۔

[۴]توکل علی اللہ کے ذریعہ اور جھاڑ پھونک، داغنے اور بدفالی کو ترک کرکے۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴾ (بیشک ابراہیم علیہ السلام پیشوا اور اللہ تعالی کے فرمانبردار اور یکطرفہ مخلص تھے۔ وہ مشرکین میں سے نہیں تھے)۔

اس آیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعریف ہے، لہذا ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم آپ سے محبت کریں اور آپ کی پیروی کریں، ہم جس قدر ان کی پیروی کریں گے اسی قدر ہم بھی درج ذیل اوصاف سے متصف ہو سکیں گے، وہ اس طرح کہ انہوں نے **چھ امور** کے ذریعہ توحید کی تحقیق کی جیسا کہ آیت میں مذکور ہے:

۱. ﴿أُمَّةً﴾: ایسے امام تھے جن کی پیروی اعمال، افعال اور جہاد میں کی جاتی ہے اللہ پر اعتماد رکھتے ہوئے۔
۲. ﴿قَانِتًا﴾: ہمیشہ طاعت کرنے والے، ہر حال میں اس پر قائم رہنے والے، یعنی آپ دائمی اطاعت گزار تھے۔
۳. ﴿لِّلَّهِ﴾: یہ آپ کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔
۴. ﴿حَنِيفًا﴾: شرک سے منھ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے، ہر اس چیز کو چھوڑ دینے والے جو طاعت کے مخالف ہو۔
۵. ﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ﴾: شرک اور مشرکین سے براءت (دل، زبان اور اعضاء وجوارح کے ذریعہ)۔
۶. ﴿ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ﴾: کیونکہ نعمت آزمائش ہے جس کا شکر ادا کیا جانا چاہیے۔

فوائد:

۱. ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کی وفات حالت شرک میں ہی ہوئی تھی ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُۥٓ أَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہوگئے)۔

۲. نوح علیہ السلام کے والدین مومن تھے، ﴿رَّبِّ ٱغْفِرْ لِى وَلِوَٰلِدَىَّ﴾ (اے اللہ تو مجھے اور میرے والدین کو بخش دے)

۳. امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین چیزوں کی کوئی اصل نہیں: مغازی، ملاحم اور تفسیر، کیونکہ یہ تینوں ہی عمومی طور پر بلا سند بیان کی جاتی ہیں، لہذا سابقہ امتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ یا تو اللہ کا کلام ہے یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿وَٱلَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ﴾ (جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہیں)

- ﴿لَا يُشْرِكُونَ﴾: شرک یہاں اپنے عام معنی میں ہے، کیونکہ اللہ کے نیک بندے تحقیق توحید کے لیے شرک سے اجتناب کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ ان سے معاصی کا صدور نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہر بنی آدم گناہگار ہے معصوم نہیں، ہاں جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے حضور میں توبہ کرتے ہیں نہ کہ اس پر مصر رہتے ہیں۔

تیسری دلیل:

حصین بن عبد الرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں (ایک دفعہ) سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے پاس حاضر تھا کہ انہوں نے کہا: أَيُّكُمْ رَأَى الْكَوْكَبَ الَّذِي انْقَضَّ الْبَارِحَةَ؟ فَقُلْتُ: أَنَا، ثُمَّ قُلْتُ: أَمَا إِنِّي لَمْ أَكُنْ فِي صَلَاةٍ؛ وَلَكِنِّي لُدِغْتُ، قَالَ: فَمَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ: ارْتَقَيْتُ، قَالَ: فَمَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ؟ قُلْتُ: حَدِيثٌ حَدَّثَنَاهُ الشَّعْبِيُّ، قَالَ: وَمَا حَدَّثَكُمْ؟ قُلْتُ: حَدَّثَنَا عَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ الْحُصَيْبِ؛ أَنَّهُ قَالَ: «لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»، قَالَ: قَدْ أَحْسَنَ مَنِ انْتَهَى إِلَى مَا سَمِعَ؛ وَلَكِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ ﭬ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «**عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ، وَالنَّبِيَّ وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، إِذْ رُفِعَ لِي**

سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي، فَقِيلَ لِي: هٰذا مُوسَى وَقَوْمُهُ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَقِيلَ لِي: هٰذه أُمَّتُكَ، وَمَعَهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ»، ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ، فَخَاضَ النَّاسُ فِي أُولَئِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ صَحِبُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ وُلِدُوا فِي الإِسْلَامِ فَلَمْ يُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَذَكَرُوا أَشْيَاءَ، فَخَرَجَ عَلَيْهِم رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ، فَقَالَ: «**هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ**»، فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ؛ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: «**أَنْتَ مِنْهُمْ**»، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: «**سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ**»، ''گزشتہ رات ٹوٹنے والا ستارہ تم میں سے کس نے دیکھا؟'' تو میں نے کہا: میں نے، پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میں اس وقت نماز میں مشغول نہیں تھا، بلکہ مجھے کسی چیز نے ڈس لیا تھا، سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے پوچھا: تو پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا: میں نے دم کیا تھا، انہوں نے مجھ سے پھر پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو میں نے جواب میں کہا کہ ہم سے شعبی نے ایک حدیث بیان کی ہے، اسی کی بنا پر میں نے دم کیا تھا۔ سعید بن جبیر نے پھر سوال کر دیا: شعبی رحمہ اللہ نے تم سے کیا بیان کیا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ انہوں نے ہم سے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی کہ « نظر بد اور کسی زہریلی چیز کے کاٹنے کے سوا کسی اور صورت میں دم نہیں »، یہ سن انہوں نے کہا کہ: ''جس نے دلیل معلوم کر کے عمل کیا اس نے بہت ہی اچھا کیا''، البتہ ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کی یہ حدیث سنائی: «**میرے سامنے بہت سی امتیں پیش کی گئیں، میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی کے ساتھ تو ایک مختصر سی جماعت ہے۔ اور میں نے ایک نبی ایسا بھی دیکھا جس کے ساتھ کوئی ایک بھی (امتی) نہیں تھا۔ اسی اثناء میں میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت نمودار ہوئی، میں نے سمجھا کہ یہ میری امت ہے، لیکن مجھ سے کہا گیا کہ یہ حضرت موسی علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ پھر میں نے ایک اور بہت بڑی جماعت دیکھی، مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان میں ستر ہزار افراد ایسے ہیں جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ اٹھے اور گھر تشریف لے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان (خوش نصیب ستر ہزار) افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے، بعض نے کہا: شاید یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں نبی ﷺ کا ساتھی ہونے کا شرف حاصل ہوا، تو کچھ لوگوں نے کہا: شاید یہ وہ لوگ ہیں جو (عہد) اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے کچھ اور باتیں بھی ذکر کیں۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو اپنی آراء سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کرواتے ہیں، نہ اپنے جسم داغتے ہیں، نہ بدفالی لیتے ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں'' یہ سن کر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ، یہ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالی مجھے ان لوگوں میں شامل کر دے۔ آپ نے فرمایا: تم ان میں سے ہو۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ میرے لیے بھی دعا فرمادیں کہ اللہ تعالی مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دے۔ آپنے نے فرمایا: اس (دعا) میں عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔**

- «انْقَضَّ»: ٹوٹ کر گرا «ارْتَقَيْتُ»: میں نے دم کیا تھا «عَيْنٍ»: حسد والی نگاہ۔
- «فَمَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ؟»: اس میں ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے حجت یا دلیل طلب کرنے کا جواز ملتا ہے۔
- «لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»: یعنی: کوئی بھی جھاڑ پھونک (بشرطیکہ شرعی ہو) اتنی مؤثر نہیں جتنی وہ نظر بد اور زہریلے جانور کے زہر اتارنے میں کارگر ہے، ہاں یاد رہے کہ اس کے علاوہ چیزوں میں بھی شرعی جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے۔
- «حُمَةٍ»: یہ کسی بھی زہریلے جانور کے ڈنک مارنے کو کہتے ہیں، اور حُمَّة بخار کو کہتے ہیں۔
- «رهط»: تین سے لے کر نو تک کی عدد کے لیے بولا جاتا ہے۔
- «لَا يَسْتَرْقُونَ»: کسی سے یہ نہیں کہتے ہیں کہ پڑھ کر میرے اوپر دم کردو، مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے:

[۱] اللہ تعالی کے اوپر مضبوط اعتماد کی وجہ سے [۲] غیر اللہ کے سامنے اپنی عزت نفس کی حفاظت کی خاطر۔ [۳] اور اس لیے کہ قلب کا تعلق غیر اللہ سے قائم نہ ہو۔

- «لَا يَرْقُونَ» (وہ دم نہیں کرتے ہیں) والی روایت صحیح نہیں ہے جیسا کہ شیخ الاسلام نے کہا ہے کیونکہ نبی ﷺ خود پر دم کیا کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اوپر دم کیا تھا اور اسی طرح صحابہ کرام دم کیا کرتے تھے۔
- دوسروں سے جھاڑ پھونک کروانے کے سلسلے میں لوگوں کے کئی اقسام ہیں:

[۱] کسی سے کہے کہ وہ اس پر دم کرے، اس شخص سے کمال فوت ہو گیا (یعنی وہ ستر ہزار افراد میں سے خارج ہو گیا)۔

[۲] کوئی خود سے دم کرنے کے لیے آئے تو اس کو نہ روکے، اس سے کمال فوت نہیں ہو گا کیوں کہ اس نے طلب نہیں کیا ہے کہ کوئی اس پر دم کرے۔

[۳] کوئی خود سے دم کرنے کے لیے آئے تو اس کو دم کرنے سے روکنا، سنت کے خلاف ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر دم کرنے سے نہیں روکا تھا۔

- «وَلَا يَكْتَوُونَ»: کسی دوسرے سے داغنے کو نہیں کہتے ہیں۔
- «وَلَا يَتَطَيَّرُونَ»: تطیر عربی زبان میں بدشگونی لینے کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی دِکھنے والی، سنائی دی جانے والی یا ایک متعین جگہ یا وقت سے لیا جائے۔ اور حکم کے اعتبار سے ایسا کرنا: شرک اصغر ہے۔

- حدیث میں واردان تینوں صفات (دم کرانے، داغنے اور بدفالی لینے) والوں کے علاوہ وہ لوگ جو دوا وغیرہ استعمال کرتے ہیں، اس حدیث کے مفہوم "بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہونے" والی فضیلت میں شامل ہیں، کیونکہ حدیث میں علاج کرانے کا حکم دیا گیاہے اور بعض دواؤں کی تعریف کی گئی ہے جیسے شہد اور کلونجی وغیرہ۔

امت کی اقسام:

امت اجابہ: جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت کو قبول کیا یعنی مومنین۔

امت دعوت: جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اور جس نے قبول نہیں کیا (یعنی کفار) دونوں شامل ہیں۔

مسائل:

پہلا: توحید کے باب میں لوگوں کے درجات ومراتب مختلف ہیں۔

دوسرا: "تحقیق توحید" کے مطلب کی وضاحت (شرک وبدعت اور معاصی سے توحید کو پاک کرنا)۔

تیسرا: اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کی مدح وستائش یوں فرمائی ہے کہ "وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے"۔

چوتھا: اللہ تعالی نے اس بات پر حضرات اولیائے کرام (نیک بندوں) کی بھی مدح فرمائی ہے کہ وہ شرک سے بے زار رہتے ہیں۔

پانچواں: "دم"، "جسم داغنے" اور "دم کرانے" کے طریقۂ علاج کو ترک کرنا توحید کا اعلی درجہ ہے (کسی سے دم کرنے یا داغنے کے لیے کہنا)۔

چھٹا: ان اوصاف کا احاطہ کرنا ہی درحقیقت توکل ہے (کیونکہ ممنوع امور کو مضبوط توکل کی بنیاد پر چھوڑا جاسکتا ہے)۔

ساتواں: صحابہ کرام کے علم کی گہرائی کہ انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ جنت میں جانے والوں کو یہ بلند مرتبہ انہیں کسی عمل کی بدولت ہی ملا ہے (خالص عمل)۔

آٹھواں: اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ صحابہ کرام خیر کے کاموں کے لیے کس قدر حریص تھے۔ (کیونکہ انہوں نے اس نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی تاکہ وہ بھی اس پر عمل پیرا ہوسکیں)۔

نواں: کمیت (عدد) اور کیفیت (عمل) کے اعتبار سے اس امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے۔

دسواں: اس سے موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب (اتباع) کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے۔

گیارہواں: نبی ﷺ کے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں ([۱] آپ کی تسلی کی خاطر [۲] آپ کی فضیلت اور عزت بتانے کے لیے)۔

بارہواں: ہر امت کو اپنے نبی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ اٹھایا جائے گا۔

تیرہواں: دعوت انبیاء کو بالعموم تھوڑے لوگوں نے قبول کیا۔

چودہواں: جس نبی کی دعوت پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا، وہ اکیلے ہی آئیں گے۔

پندرہواں: اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ [۱] کثرت تعداد پر مغرور [۲] اور قلت تعداد پر پریشان نہیں ہونا چاہیے (کیونکہ قلت کبھی کبھی کثرت سے بہتر ہوتی ہے)۔

سولہواں: نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹنے (وغیرہ معاملات) میں (شرعی) جھاڑ پھونک کی اجازت۔

سترہواں: سعید بن جبیر کے قول: (لیکن ہم سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، الی آخرہ) سے سلف صالحین کی علمی گہرائی کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی حدیث دوسری حدیث کے مخالف نہیں ہے۔

اٹھارہواں: سلف صالحین ایک دوسرے کی بے جا تعریف وستائش سے پرہیز کیا کرتے تھے۔

انیسواں: نبی ﷺ کا حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا (آپ ان میں سے ہیں) نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

بیسواں: اس سے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی معلوم ہوئی (کہ وہ ان میں سے ہیں جو جنت میں بلا حساب کتاب کے جائیں گے)۔

اکیسواں: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشارہ وکنایہ میں (بوقت ضرورت) گفتگو کرنا جائز ہے، اور آپ نے ایسا اس لیے کیا کہ ([۱] یا تو وہ منافق تھا [۲] یا پھر اس کا دروازہ کھل جانے کے خوف سے کہ پھر کہیں ایسا آدمی بھی اس کا سوال نہ کر بیٹھے جو اس کا اہل نہ ہو)۔

بائیسواں: اس سے آپ ﷺ کے حسن اخلاق کا بھی پتہ چلتا ہے۔

[۴] شرک سے ڈرنے کا بیان

مصنف رحمہ اللہ تحقیق توحید کے بعد اس باب کو کیوں لائے ہیں؟ کیونکہ:

شرک سے ڈرنا اور اس سے اجتناب کرنا تحقیق توحید کے تقاضوں میں سے ہے اس کے بغیر توحید مکمل نہیں ہو سکتی ہے، لہذا تحقیق توحید کے بعد اس باب کا ذکر کرنا مناسب ہے، بلکہ آخر کتاب تک تمام ابواب تحقیق توحید کے لوازم ہیں۔

کبھی کبھی انسان کو لگتا ہے کہ اس نے تحقیق توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کر لیا ہے لیکن عدم علم کی وجہ سے شرک کی آمیزش ہو جاتی ہے، لہذا انسان کو متنبہ کرنے کے لیے اس باب کا ذکر کیا ہے۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ﴾ (بے شک اللہ تعالی اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے معاف کر دے گا)۔

[۲] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: ﴿وَٱجۡنُبۡنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعۡبُدَ ٱلۡأَصۡنَامَ﴾ (اور (اے میرے رب) مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا)۔

ہم شرک سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

- توحید سیکھنے، اس پر عمل کرنے، اس کی طرف دعوت دینے اور اس پر صبر کرنے کے ذریعہ۔
- شرک اور اس کے اسباب و محرکات کی معرفت حاصل کرنے کے ذریعہ۔
- اللہ سے دعا اور مدد طلب کرنے کے ذریعہ
- شرک اور مشرکین سے براءت اور دوری اختیار کرنے کے باعث۔

- اگر کسی کی موت شرک اکبر پر ہوتی ہے تو اللہ تعالی ایسے شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گا کیونکہ یہ اللہ کے خالص حق توحید کا مجرم ہے، اور وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا، اور اگر شرک اصغر کرتے ہوئے موت آتی ہے تو اس کو بقدر شرک عذاب دیا جائے گا اور پھر جنت میں داخل کر دیا جائے گا، اور وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا کیونکہ وہ مومن ہے۔
- ﴿وَٱجۡنُبۡنِي﴾: مجھے ایک کنارے تو بتوں کی عبادت کرنے والے کو دوسرے کنارے کر دے تاکہ ہمارے

درمیان میں کافی فاصلہ رہے۔

- ﴿ٱلۡأَصۡنَامَ﴾ : صنم کہتے ہیں ایسی چیز کو جو انسان وغیرہ کی صورت پر تراشا گیا ہو یا مجسمہ کی شکل دی گئی ہو اور جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہو، لیکن وثن ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ کے علاوہ پوجا کی جاتی ہو، یعنی وثن، صنم کے مقابلے میں عام ہے۔
- جب ابراہیم علیہ السلام اپنے اوپر شرک کا خوف کھا رہے ہیں جو کہ اللہ کے دوست اور توحید پرستوں کے امام ہیں تو ہمارا کیا حال ہونا چاہیے؟ لہٰذا ہم شرک سے خود کو مامون نہ سمجھیں اور نہ ہی نفاق سے، کیوں کہ نفاق سے خود کو مامون سمجھنے والا منافق ہی ہوتا ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل:

[۳] اور حدیث شریف میں ہے: «أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ: الشِّرْكُ الأَصْغَرُ، فَسُئِلَ عَنْهُ؟ فَقَالَ: الرِّيَاءُ»، «مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر "شرک اصغر" کا ہے، آپ سے پوچھا گیا: "شرک اصغر" کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ریاکاری"»۔

[۴] اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُو لله نِدًّا؛ دَخَلَ النَّارَ»، «جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارتا ہو تو وہ جہنم رسید ہو گا»۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

[۵] اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَهُ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ»، «جو کوئی اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا اور جو اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو تو وہ جہنم رسید ہو گا»۔

- **الرِّيَاء**: یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت کرے تاکہ کوئی اس کو دیکھے یا سنے تو اس کی اس بات پر تعریف کرے کہ وہ بڑا عبادت گزار ہے، نہ کہ اس کی عبادت ہی لوگوں کے لیے ہو ورنہ وہ شرک اکبر ہو جائے گا، البتہ اگر وہ اس عبادت کے ذریعہ یہ چاہے کہ لوگ عبادت میں اس کی اقتدا کریں تو یہ ریاء نہیں ہے بلکہ یہ دعوت الی اللہ میں شمار ہو گا، اور ریاء کا علاج مندرجہ ذیل طریقوں سے کیا جا سکتا ہے:

[۱] توحید کا مطالعہ کرنا کیونکہ اس کے ذریعہ اللہ کی عظمت دل میں بیٹھتی ہے اور ایسا شخص اللہ کے سوا کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

[۲]دعاء کا اہتمام کرنا۔ [۳]اس کی کوشش کرنا کہ سارے اعمال خفیہ طور پر صرف بندہ اور اللہ کے درمیان انجام دیے جائیں۔

[۴]اس ڈر سے عمل نہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ کہیں ہم ریاء کاری میں نہ پڑ جائیں۔

[۵]زیادہ سے زیادہ ایسے نیک اعمال انجام دینا جو آخرت کی یاد دلاتے ہوں، جیسے شرعی آداب وشروط کا خیال رکھتے ہوئے قبرستان کی زیارت کرنا۔

نبی ﷺ اپنی امت کے اوپر مسیح دجال سے بھی زیادہ ریاکاری کا خوف کیوں کھاتے تھے؟

- مسیح دجال کا فتنہ ظاہر ہے لیکن ریاکاری کا فتنہ خفیہ ہوتا ہے۔
- مسیح دجال کا فتنہ ایک محدود وقت (آخری زمانہ) میں ہوگا، جبکہ ریاکاری کا فتنہ ہر وقت موجود ہے۔

ریاکاری کی قسمیں:

- **اصل عبادت میں ہو:** یعنی کوئی شخص ریاکاری کے لیے ہی عبادت کر رہا ہو تو ایسی عبادت باطل ہے۔
- **وقتی ہو:** یعنی بنیادی طور پر عبادت اللہ کے لیے ہی شروع کی ہو لیکن بعد میں ریاکاری شامل ہوگئی ہو۔
  - **اس کو ختم کرے:** ایسی صورت میں عبادت باطل نہیں ہوگی، بلکہ درست ہے، کیونکہ اس نے ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔
  - **اس کو ختم کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اسی میں لگا رہے:** اس میں تفصیل ہے:
    - اگر عبادت ایسی ہو جس کے ابتدائی حصہ کا تعلق آخری حصہ تک ہو تو عبادت باطل ہے، جیسے نماز۔
    - اگر عبادت ایسی ہو جس کے ابتدائی حصہ کا تعلق آخری حصہ تک نہ ہو تو صرف وہی حصہ باطل ہوگا جس میں ریاکاری کا دخل ہو، جیسے زکاۃ۔
- **عبادت سے فراغت کے بعد:** ایسی صورت میں ریاکاری مؤثر نہیں ہوتی الا یہ کہ اس میں سرکشی کا پہلو ہو جیسے صدقہ کرنے کے بعد احسان جتلانا۔

- «نِدًّا»: ند، شبیہ و نظیر اور مماثل کو کہتے ہیں۔
- «دَخَلَ النَّارَ» (جہنم میں داخل ہو گا): یہ اللہ کے لیے ند (شریک) قرار دینے کی سزا ہے۔
- «شَیْئًا»: (کسی کو بھی) یہ ہر شرک کو شامل ہے حتی کہ اگر سب سے افضل انسان کو بھی اللہ کا شریک قرار دیا تو جہنم میں داخل ہو گا۔
- «وَمَنْ لَقِیَهُ یُشْرِكُ بِهِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ» (اور جو اس حال میں اللہ تعالی سے ملے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو تو وہ جہنم رسید ہو گا): شرک اگر اصغر ہو گا تو اس سے ہمیشگی کی جہنم لازم نہیں آئے گی، لیکن شرک اگر اکبر ہو تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔
- شرک کا معاملہ بڑا کٹھن ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے اخلاص کو آسان کر دیتا ہے اور وہ اس طرح کہ بندہ اللہ کو ہی اپنا نصب العین قرار دے لیتا ہے، لہذا وہ اپنے عمل کے ذریعہ صرف اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے نہ کہ لوگوں کی، اور نہ ہی وہ لوگوں کے ذریعہ خود مدح وثنا یا مذمت کی پرواہ کرتا ہے، کیونکہ انسان اس کو کبھی بھی نفع نہیں پہونچا سکتا ہے۔
- اسی طرح یہ بھی بڑا اہم ہے کہ انسان اس بات پر خوش نہ ہو کہ اس کی بات لوگوں میں اس لیے مقبول ہے کہ وہ اس کی بات ہے بلکہ اس کے لیے خوشی کی بات یہ ہو کہ لوگ اس کی بات کو اس لیے قبول کر رہے ہیں کہ وہ حق ہے، نہ کہ اس لیے کہ وہ اس کی بات ہے یا اس کے برعکس، کیونکہ اخلاص کا راستہ مشکل ترین راستہ ہے، اور نفس کا بار بار مراجعہ کرنے کی ضرورت ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ راہ حق پر گامزن رہے اور نبی ﷺ کی متابعت کرتے ہوئے اپنا مقصود صرف اللہ کی خوشنودی رکھے، تو ایسی صورت میں اللہ تعالی اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کے لیے آسانیاں پیدا فرد یتا ہے۔

دعا کی دو قسمیں ہیں:

دعاءِ عبادت: جیسے کوئی غیر اللہ کے لیے روزہ رکھے، نماز پڑھے یا حج کرے تو اس نے کفر اکبر کا ارتکاب کیا۔

دعاءِ سوال:
اور اس کی دو قسمیں ہیں:

جس چیز پر اللہ ہی قدرت رکھتا ہے، تو صرف اسی سے سوال کیا جائے:
اور اس کو غیر اللہ سے مانگنا شرک اکبر ہے، جیسے غیر اللہ سے اولاد طلب کرنا یا بارش کی دعا کرنا۔

جس پر مخلوق بھی قدرت رکھتا ہے:
تو ایسی صورت میں چار شرطوں کے ساتھ دوسروں سے سوال کرنا جائز ہے: زندہ ہو، موجود ہو، قادر ہو اور اس کو سبب سمجھ کر اس سے سوال کیا جارہا ہو۔

شرک اکبر اور شرک اصغر کے مابین فرق:

شرک اکبر:

- دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔
- سارے اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔
- جان ومال کو حلال کر دیتا ہے، بشرطیکہ اس کی تنفیذ مسلم حکمراں کی جانب سے ہو۔
- دائمی طور پر جہنم میں رہنے کا باعث بنتا ہے۔
- اس عمل کو شریعت میں شرک اکبر شمار کیا گیا ہو۔
- نصوص شرعیہ میں لفظ "شرک" اور "کفر" معرف بہ (ال) ہو۔
- یہ اعتقاد رکھے کہ غیر اللہ کائنات میں خفیہ طور پر تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس کے ہاتھ میں جلب منفعت اور دفع مضرت ہے۔

شرک اصغر:

- دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا ہے۔
- سارے اعمال کو برباد نہیں کرتا ہے، بلکہ صرف اس عمل کو برباد کرتا ہے جس میں شرک اصغر موجود ہو۔
- جان ومال کو حلال نہیں کرتا ہے۔
- دائمی طور پر جہنم میں رہنے کا باعث نہیں بنتا ہے۔
- اس عمل کو شریعت میں شرک اصغر شمار کیا گیا ہو۔
- جس کو اللہ تعالیٰ نے سبب قرار نہیں دیا ہے اس کو سبب قرار دینا۔
- ہر وہ چیز جو شرک اکبر کا وسیلہ ہو وہ شرک اصغر ہے۔
- نصوص شرعیہ میں لفظ "شرک" اور "کفر" سے تعبیر کیا گیا ہو اور معرف بہ (ال) نہ ہو۔

مسائل:

پہلا: شرک سے ڈرنا چاہیے۔

دوسرا: ریاکاری، بھی شرک کی ایک قسم ہے۔

تیسرا: ”ریاکاری“ شرک اصغر ہے (خفیف ریاکاری)۔

چوتھا: نیک لوگوں پر باقی گناہوں کی نسبت ”ریاکاری“ کا زیادہ خطرہ ہے۔ (کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں لاشعوری طور پر داخل ہو جاتا ہے اس کے خفیہ ہونے اور لوگوں کی خواہش کی وجہ سے، کیونکہ اکثر لوگوں کی چاہت ہوتی ہے کہ عبادت پر اس کی تعریف کی جائے)۔

پانچواں: جنت اور جہنم کا قریب ہونا۔

چھٹا: ایک ہی حدیث میں جنت اور جہنم کے قریب ہونے کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔

ساتواں: جسے شرک کرتے ہوئے موت آئی وہ جہنم رسید ہوگا، اگرچہ وہ بہت بڑا عابد وزاہد کیوں نہ ہو۔ (اگر یہ شرک، اکبر تھا تو کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، اور اگر شرک، اصغر ہو تو اپنے گناہ کے بقدر عذاب دیا جائے گا پھر جنت میں داخل کیا جائے گا۔)۔

آٹھواں: حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے بتوں کی عبادت سے محفوظ رہنے کی دعا کرنا، ایک بہت بڑا مسئلہ ہے (لہٰذا اس کی سنگینی ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رہنی چاہیے)۔

نواں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے: ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ﴾ (اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے) کہہ کر اکثریت کی حالت سے عبرت پکڑی ہے۔

دسواں: امام بخاری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ان آیات واحادیث میں کلمہ «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ» کی تفسیر ہے۔

گیارہواں: اس باب سے شرک سے محفوظ رہنے والوں کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔ (جنت میں داخل ہوگا)۔

[۵]"لا الہ الا اللہ" کی گواہی کے لیے لوگوں کو دعوت دینے کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب کیوں قائم کیا ہے؟

۱. جب انسان کی خود کی اصلاح ہوگئی اور توحید کی محبت دلوں میں راسخ ہوگئی تو ضروری ہے کہ دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی جائے، لہٰذا اس عظیم مقصد کے تحت مؤلف نے اس باب کو قائم کیا ہے، کیونکہ بندہ کا ایمان اسی صورت میں مکمل ہو سکتا ہے جب وہ دوسروں کو بھی توحید کی دعوت دے، لہٰذا توحید پر خود کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف دعوت دینا بھی ضروری ہے تاکہ ایمان مکمل ہو ورنہ ناقص رہے گا۔

۲. یہ ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کی دعوت دی جائے گی نہ کہ توحید کی۔

پہلی دلیل:

ارشاد ربانی ہے:﴿قُلۡ هَٰذِهِۦ سَبِيلِيٓ أَدۡعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِي﴾(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کہہ دیں کہ میرا اور میرے پیروکاروں کا راستہ تو یہ ہے کہ ہم سب علم کی روشنی میں اللہ کی طرف بلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)۔

- ﴿سَبِيلِيٓ﴾: میرا طریقہ، اور اس میں آپ کی لائی ہوئی شریعت کی ہر چیز شامل ہے چاہے اس کا تعلق عبادت سے ہو یا اللہ کی طرف دعوت دینے سے۔
- ﴿إِلَى ٱللَّهِۚ﴾: دعاۃ کی دو قسمیں ہیں:[۱]داعی الی اللہ [۲]داعی الی غیر اللہ.
- ﴿عَلَىٰ بَصِيرَةٍ﴾:[۱]علم شرعی [۲]مدعوین کی حالت کا علم [۳]حکمت، ان تینوں اشیاء کے مجموعہ کو بصیرت کہتے ہیں۔
- **داعی الی اللہ کی شرطیں:**

[۱]اخلاص. [۲]شرعی علم [۳]حکمت [۴]مدعوین کی حالت کا علم

[۵]صبر.

دوسری دلیل:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا:«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ - وَفِي رِوَايَةٍ: إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ - فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ؛ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ

افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»، ”تم ان لوگوں کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں، تم انہیں سب سے پہلے کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ کی گواہی کی دعوت دینا، اور ایک روایت میں ہے کہ، ”تم انہیں سب سے پہلے اللہ تعالی کی وحدانیت (توحید) کی دعوت دینا“۔ پس اگر وہ تمہاری بات مان جائیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان جائیں تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے، جو ان کے اصحاب ثروت سے وصول کرکے ان کے فقراء وغرباء میں تقسیم کر دی جائے گی۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان جائیں تو ان کے عمدہ اور قیمتی مال لینے سے گریز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی حجاب نہیں“۔ بخاری ومسلم۔

- **اس حدیث میں:**

۱. دعاۃ کو سکھلانے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجنے کی مشروعیت کا ثبوت ہے۔
۲. نبی ﷺ نے صرف ایک آدمی کو بھیجا تھا، جس سے خبر واحد کے قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے گرچہ اس کا تعلق عقیدہ ہی سے کیوں نہ ہو۔
۳. آپ ﷺ نے دنوں کی قید نہیں لگائی، تاکہ ان کی ضرورت کے مطابق جتنا چاہیں ان کے پاس ٹھہرے رہیں، لہذا دعوت کے لیے ایام مخصوص کرنا سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے۔
۴. مخالفین کو دعوت دینے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ انہیں توحید کی طرف بلایا جائے نہ کہ مناظرہ کی طرف۔
۵. صرف اسلام کی طرف دعوت دینا کافی نہیں ہے، بلکہ اسلام لانے کے بعد واجبات دین سے بھی باخبر کرنا ضروری ہے تاکہ دعوت توحید قبول کرنے والوں کو اطمینان ہو جائے اور وہ ان پر کاربند ہو سکیں، لیکن یہ سب ترتیب وار ہو گا جیسا کہ معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں مذکور ہے۔

تیسری دلیل:

بخاری اور مسلم ہی میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ،

يَفْتَحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ»، فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ، أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا، فَلَمَّا أَصْبَحُوا غَدَوْا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا، فَقَالَ: «**أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟**»، فَقِيلَ: هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ، فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ فَأُتِيَ بِهِ، فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ؛ فَبَرَأَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ، فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ، فَقَالَ: «**انْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ تَعَالَى فِيهِ، فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ**». «**يَدُوكُونَ**»؛ أَيْ: يَخُوضُونَ، ”کل میں ایک ایسے شخص کو پرچم دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح دے گا“، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات بھر قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ پرچم کسے دیا جا سکتا ہے؟ صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ہر ایک کی یہی خواہش اور امید تھی کہ پرچم اسے ہی ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ”علی بن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟“ بتایا گیا وہ اپنی آنکھوں کی تکلیف سے دوچار ہیں۔ صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب (مبارک) ڈالا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (مکمل طور پر) یوں صحتیاب ہو گئے گویا انہیں کچھ بھی تکلیف نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھمایا اور ارشاد فرمایا: ”اطمینان سے (ابھی) روانہ ہو جاؤ اور خیبر کے میدان میں پہنچ جاؤ۔ پھر سب سے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اللہ تعالی کے جو حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں ان سے آگاہ کرنا۔ اللہ تعالی کی قسم! اگر اللہ تعالی تمہاری بدولت ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو تمہارے لیے یہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے“۔ («**يَدُوكُونَ**»؛ یعنی: غور و خوض کرتے ہوئے۔)

- اللہ تعالی کے لیے صفت محبت کا اثبات کہ اللہ تعالی محبت کرتا ہے اور اس سے بھی محبت کی جاتی ہے لیکن اس کی محبت مخلوق کی محبت کے مشابہ نہیں ہے۔
- کسی خاص فضیلت کے ثبوت سے عمومی فضیلت لازم نہیں آتی ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمانا کہ ”وہ اس امت کے امین ہیں“ اس سے فضیلت خاصہ ثابت ہوتی ہے نہ کہ وہ صحابہ میں سب سے افضل ہیں، اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے۔
- «**حُمْرِ النَّعَمِ**»: یہ سرخ اونٹ کو کہتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ عربوں کے نزدیک انتہائی مرغوب اور قیمتی مال سمجھا جاتا تھا۔

خارق عادت چیزیں چار ہیں: اور خارق عادت چیزیں وہ ہیں جو خلاف عادت واقع ہوں، جیسے کوئی ہوا میں اڑنے لگے یا پانی پر چلنے لگے:

۱- آیت: یہ نبیوں کے لیے ہوتی ہے اور اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قرآن میں اسے آیت ہی کہا گیا ہے، اور معجزہ وہ ہوتا ہے جس سے کچھ لوگ عاجز ہوں اور ساتھ ہی ساتھ یہ غیر انبیاء کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اب نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی کے لئے "آیت" کا دعوی کرنا ممکن نہیں ہے۔

۲- کرامت: یہ اللہ کے ان ولیوں کے لیے ہوتی ہے جنہوں نے ایمان اور تقوی کو اپنایا۔ کرامت کی مثال کے طور پر اصحاب کہف کا واقعہ موجود ہے۔

۳- معجزہ یا فتنہ: یہ انسان کی شخصیت کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اگر ایمان و تقوی سے سرشار ہے تو معجزہ ہے ورنہ شیطانی و دجالی فتنہ۔ جیسے دجال کا فتنہ۔

۴- فضیحت: ہر وہ انسان جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے دنیا میں ہی اس کو رسوا کر دیتا ہے۔ اس کی مثال مسیلمہ کذاب کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک بیمار کی آنکھ میں پھونک مارا تو وہ اندھا ہو گیا۔

مسائل:

پہلا: نبی ﷺ کے متبعین کا طریق کار یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں (رسولوں اور ان کے متبعین کا طریقہ)۔

دوسرا: اس باب میں اخلاص نیت کی ترغیب ہے کیونکہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ "دعوت الی الحق" لے کر اٹھیں بھی تو وہ لوگوں کو بالعموم اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں۔

تیسرا: دعوت کے کام میں بصیرت سے کام لینا فرض ہے (چونکہ دعوت الی اللہ فرض ہے لہذا اس کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہوگا)۔

چوتھا: توحید کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک مانا جائے۔

پانچواں: شرک کی ایک خرابی یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی کے لیے گالی اور اس کی ذات میں عیب ہے (اور موحد اللہ تعالی کو تمام نقائص و عیوب سے پاک مانتا ہے)۔

چھٹا: اس باب کا ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کو شرک سے دور رکھنا چاہیے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرک نہ کرنے کے باوجود ان سے میل جول کی بنیاد پر ان کا ساتھی بن جائے (کیونکہ جب وہ ان لوگوں کے بیچ رہے گا تو گرچہ شرک نہ کرے لیکن بظاہر انہیں میں سے ہوگا)۔

ساتواں: جملہ واجبات دین میں سب سے پہلا واجب توحید ہے۔

آٹھواں: بشمول نماز تمام امور دین سے قبل دعوت توحید سے تبلیغ کا آغاز کرنا چاہیے۔

نواں: نبی ﷺ کے فرمان: «**أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ**» (وہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں) اور کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت و گواہی کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔

دسواں: کچھ لوگ اہل کتاب ہونے کے باوجود توحید سے کما حقہ باخبر نہیں ہوتے، یا جاننے کے باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

گیارہواں: دین کی تعلیم تدریجاً دینی چاہیے۔

بارہواں: سب سے پہلے اہم ترین اور بعد ازاں بتدریج اہمیت والے مسائل بیان کرنے چاہئیں (پہلے توحید، پھر نماز، پھر زکاۃ)۔

تیرہواں: اس میں زکاۃ کے مصرف کا بھی بیان ہے (اس کے آٹھ مصارف ہیں)۔

چودھواں: معلم کو چاہیے کہ وہ متعلم کے شبہات کو بھی دور کرے (اس کو تعلیم دے کر اور اس سے جہالت کو دور کرکے)۔

پندرہواں: زکاۃ میں عمدہ اور قیمتی مال لینا منع ہے۔

سولہواں: مظلوم کی بددعا سے بچنا چاہیے۔

سترہواں: مظلوم کی آہ وبددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں (ترغیب وترہیب کے مابین جمع کیا ہے)۔

اٹھارہواں: سید المرسلین حضرت محمد ﷺ اور سرداران اولیاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن مشقتوں، بھوک اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، وہ تمام چیزیں دلائل توحید سے تعلق رکھتی ہیں (بطور مثال خیبر کے قصہ کو لیا جاسکتا ہے)۔

انیسواں: نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو۔۔۔'' علامات نبوت میں سے ہے۔

بیسواں: آپ ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لعاب ڈالنا (اور ان کا ٹھیک ہوجانا) بھی علامات نبوت میں سے ہے۔

اکیسواں: اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے (یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے ہے)۔

بائیسواں: اس واقعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور فضیلت بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ ساری رات یہ سوچتے رہے کہ پرچم کس خوش نصیب کو ملنے والا ہے اور اس خوشی میں وہ فتح کی بشارت بھی بھول گئے۔

تئیسواں: اس سے ایمان بالقدر بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرچم ایسے شخص کو مل گیا جس نے اس کے لیے کوئی کوشش نہیں کی اور کوشش کرنے والے اس کے حصول سے محروم رہے۔

چوبیسواں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا: ''اطمینان سے جاؤ'' میں آداب (جنگ) کی تعلیم ہے (کہ جلد بازی کے بجائے اطمینان کا حکم دیا)۔

پچیسواں: اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جنگ سے پیشتر دعوت اسلام دینی چاہیے۔

چھبیسواں: لوگوں سے اولین خطاب ہو یا قبل ازیں انہیں دعوت دی جاچکی ہو اور ان سے جنگ ہو چکی ہو ہر دو صورت میں قبل از جنگ دعوت اسلام مشروع ہے۔

ستائیسواں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے: ''ان پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں وہ انہیں بتانا'' معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت حکمت و دانائی کے ساتھ پیش کرنی چاہیے (کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کو عملی طور پر انجام دیں یا نہ دیں، تاکہ وہ لاعلمی میں مرتد نہ ہو جائیں)۔

اٹھائیسواں: مسلمان ہو کر اسلام میں (مقرر کردہ) حقوق سے روشناس ہونا چاہیے۔

انتیسواں: جس کے ہاتھوں ایک آدمی بھی مسلمان ہو جائے اس کا اجر و ثواب (دنیا میں مستحسن سمجھی جانے والی تمام چیزوں سے بہتر ہے)۔

تیسواں: اس سے فتویٰ پر قسم کھانے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے (مناسب ہے کہ فتویٰ پر کسی مصلحت یا فائدہ کے پیش نظر ہی قسم اٹھائی جائے)۔

قسم اول سے اختبار (۵ ابواب)

پہلا سوال: کتاب التوحید کے شروعاتی پانچ باب کا ذکر کریں اور ہر باب کی کتاب سے مناسبت بھی ذکر کریں۔

م	باب کا عنوان	مصنف کا باب میں ذکر کرنے کا سبب
۱	....	....
۲	....	....
۳	....	....
۴	....	....
۵	....	....

دوسرا سوال: مناسب الفاظ کے ذریعہ عبارت مکمل کریں:

۱- ہمیں کئی اسباب کی وجہ سے کتاب التوحید کا مطالعہ کرنا چاہیے، جیسے: ۱-.................. ۲-.....................
۳-........................... ۴-........................... ۵-.......................

۲- مؤلف نے کتاب کا مقدمہ اس لیے ذکر نہیں کیا ہے کہ: ۱-..
۲-................................... ۳-..

۳- کتاب التوحید کو ان اقسام میں تقسیم کرنا ممکن ہے: ۱-.................. ۲-.....................
۳-........................... ۴-.................. ۵-.....................
۶-........................... ۷-.................. ۸-.....................
۹-.................................. ۱۰-..

۴- جو کہے کہ کتاب التوحید میں صرف الوہیت کا ہی ذکر ہے ہم ان پر مندرجہ ذیل ابواب کے ذریعہ رد کریں گے: باب
....
وباب.............................. وباب......................................

۵- عبودیت کی قسمیں ہیں: ۱- عبودیت..............، جس کا مطلب ہے..................
اور اس کی دلیل ہے:..
۲- عبودیت............ جس کا مطلب ہے:............. اور اس کی دلیل:....................
۳- عبودیت........... جس کا مطلب ہے:.............. اور اس کی دلیل:.....................

۶- جن جانوں کا قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے وہ چار ہیں:.........،...........،...........،.........

۷- ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اس لیے کہا ہے کہ:....................................

۸- لفظ "امت" کے قرآن میں کئی معانی ہیں:.......... یا............ یا............... یا...........

۹- تحقیق توحید یعنی: اس کو..................... اور.................. اور..............

۱۰- یہ امت دوسری امتوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے ....اور ....

۱۱- کسی خاص فضیلت کے ثبوت سے .... کسی کا فاضل ہونا لازم نہیں آتا ہے.

۱۲- «**صرف نظر بد میں ہی دم کیا جائے گا**» یعنی: ....

۱۳- کسی سے دم کرنے کے لیے یا داغنے کے لیے کہنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ڈاکٹر کے پاس نہیں جایا جائے، کیونکہ ....

۱۴- ﴿لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ یعنی: .... ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ﴾ یعنی: ....

۱۵- ﴿رُوحٌ مِنْهُ﴾ یعنی: .... ﴿كَلِمَتُهُ﴾ یعنی: ....

۱۶- جس کی اضافت اللہ نے اپنی ذات کی طرف کی ہے اس کی قسمیں ہیں ۱- اضافت .... جو کہ .... ۲-اضافت .... جو کہ ....

۱۷- آپ کا فرمانا: «**عکاشہ تم پر سبقت لے گیا ہے**» تاکہ .... یا ....

۱۸- ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا﴾ یعنی: .... ﴿بِظُلْمٍ﴾ یعنی: ....

۱۹- شرک سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں: ۱- .... ۲- ....
۳- .... ۴- ....

۲۰- «**اس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی چاہتا ہو**» یعنی: .... اور اس میں اللہ کی ایک صفت ....

۲۱- دعوت الی اللہ کے شروط: ۱- .... ۲- ....
۳- .... ۴- .... ۵- ....

۲۲- خارق عادت چیزیں: ۱- .... اور یہ .... ۲- .... اور ....
۳- .... اور .... ۴- .... اور ....

۲۳- مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: (جھاڑ پھونک یا داغنے کے لیے کہنے، کو چھوڑ دینا تحقیق توحید میں سے ہے) اور بدشگونی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ بدشگونی ....

تیسرا سوال: مندرجہ ذیل خانوں میں ریا کے اقسام پر کریں:

اصل عبادت میں ہو: یعنی:	طاری (وقتی) ہو: یعنی:	عبادت سے فراغت کے بعد ہو: اور یہ: ....

:................ یہ نقصان نہیں پہنچائے گا اور عبادت صحیح ہے۔	:.................... اس میں تفصیل ہے:
:.............................. اس کا حکم:	:.............................. اس کا حکم: ....

چوتھا سوال: (☒) کی علامت مناسب خانہ میں لگائیں یا عبارت مکمل کریں:

۱- کتاب التوحید کے مؤلف ہیں: ☐ ابن عثیمین ☐ محمَّد بن عبد الوھّاب التَّمیمیّ.

۲- علماء نے نصیحت کی ہے: ☐ دراسہ شروع کرنے سے پہلے متون حفظ کرنا ☐ حفظ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اہم یہ ہے کہ سمجھا جائے۔

۳- ﴿ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَتۡلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ﴾ (جنھیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں) اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ طالب کسی علم میں اتقان پیدا ہونے تک اس کو نہ چھوڑے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۴- علماء کرام نے تلاش بسیار کے باوجود "کتاب التوحید" میں کوئی منکر حدیث نہیں پائی: ☐ صحیح ☐ غلط.

۵- علماء کرام گرچہ کتنی بھی معرفت کیوں نہ حاصل کر لیں، وہ معصوم نہیں ہو سکتے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۶- شیخ محمد بن عبد الوہاب کی تالیف ہیں: ☐ کشف الشُّبهات ☐ مسائل الجاهليَّة ☐ مختصر السِّيرة ☐ اصول الایمان ☐ مذکورہ سبھی۔

۷- کتاب التوحید کے ابواب کی تعداد ہے: ☐ ٦٧ ☐ ٧٦ ☐ ١٠.

۸- جب آپ کوئی کتاب خریدیں تو اس کو بنظر غائر مطالعہ کیے بغیر، یا کم سے کم اس کا مقدمہ، فہرس اور چیدہ چیدہ جگہوں سے پڑھے بغیر اس کو لائبریری میں نہ رکھیں: ☐ صحیح ☐ غلط.

۹- کتاب التوحید کی اتنے اقسام میں تقسیم ممکن ہے: ☐ ١١ ☐ ٩ ☐ ١٠.

۱۰- سب سے نافع کتاب وہ ہے جو احکام کی علتوں کی سمجھ، مسائل کے اسرار اور استدلال کے طریقہ پر تیار کی گئی ہو، جیسے کہ کتاب التوحید: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۱- علم، جمع و تفریق اور ہیئت و تقسیم کا نام ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۲- علماء کی ذکر کردہ تعریفات، تقسیمات اور فروق کو ضرور یاد کرنا چاہیے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۳- کتاب التوحید کی پہلی قسم ہے: ☐ مقدمہ ☐ توحید کی تفسیر ☐ توحید کے وجوب کا باب۔

۱۴- مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ اور خاتمہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کی اقتدا کی ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۵- مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے باب کا نام نہیں رکھا ہے، لیکن ممکن ہے کہ ہم اسے: مقدمہ کا باب کہہ سکیں: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۶- کتاب کی پہلی قسم مشتمل ہے: ☐ ٥ باب پر ☐ ٦ باب پر ☐ ٧ باب پر۔

۱۷- توحید کی قسمیں ہیں: ☐ ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات۔
☐ معرفت واثبات اور ارادہ وقصد ☐ مذکورہ سبھی، ان میں کوئی فرق نہیں۔

۱۸- جس نے اقسام توحید میں سے بقیہ کو چھوڑ کر توحید کی صرف ایک قسم کو اختیار کیا وہ موحد نہیں کہلا سکتا: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۹- توحید کو کئی اقسام میں تقسیم کرنا بدعت ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۲۰- توحید کا ایمان سے تعلق کچھ یوں ہے کہ ایمان عام ہے اور توحید اس کا ایک جزء ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۲۱- لا الہ الا اللہ کی شہادت کے: ☐ دو رکن ہیں ☐ آٹھ ارکان ہیں ☐ سات ارکان ہیں.
۲۲- اللہ تعالیٰ کو کائنات کی تدبیر کرنے اور بارش برسانے میں اکیلا ماننا، یہ توحید:
☐ الوہیت ہے ☐ ربوبیت ہے ☐ اسماء وصفات ہے.
۲۳- جو اصل توحید کے منافی ہے: ☐ شرک اکبر ☐ شرک اصغر ☐ بدعت.
۲۴- واجبات میں سب سے اہم واجب ہے، والدین کے ساتھ حسن وسلوک کرنا: ☐ صحیح ☐ غلط.
۲۵- سب سے خطرناک حرام چیز ہے: زنا اور جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل کرنا: ☐ صحیح ☐ غلط.
۲۶- عبادت کا اطلاق ہوتا ہے: ☐ دو چیزوں پر ☐ صرف ایک چیز پر.
۲۷- عبادت کی تعریف کہ (یہ ایک جامع لفظ ہے جو ہر...)، یہ کس کا قول ہے: ☐ ابن القیّم ☐ ابن تیمیَّة.
۲۸- صواب یہ ہے کہ: (بغیر...): ☐ تکییف اور تمثیل کے ☐ تکییف اور تشبیہ کے ☐ ان میں کوئی فرق نہیں ہے.
۲۹- قرآن کی ہر ایک آیت توحید کو متضمن ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۳۰- انسانوں اور جناتوں کی پیدائش کا بھی وہی مقصد ہے جو جانوروں کی پیدائش کا مقصد ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۳۱- ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ﴾ اس میں اشکال زیادہ تر: ☐ فہم میں ہوتا ہے ☐ عمل میں ہوتا ہے۔
۳۲- جن مکلف ہیں: ☐ ایمان لانے کے ☐ ایمان لانے اور شریعت پر چلنے کے.
۳۳- امت کا اطلاق ہوتا ہے: ☐ امام پر ☐ ملت پر ☐ زمانہ پر ☐ جماعت پر ☐ مذکورہ سبھی.
۳۴- ﴿بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا﴾ (ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا): (☐ آدم ☐ نوح) کے عہد سے لے کر (☐ عیسی ☐ محمدؐ) کے عہد تک، اور ان کو رسول بنا کر بھیجنے کی حکمت تھی: ☐ حجت قائم کرنا ☐ رحمت ☐ اللہ کے طریقہ کو بیان کرنا ☐ مذکورہ سبھی.
۳۵- یہ بت ان طواغیت میں سے ہے جن کی اللہ کے سوا پوجا کی جاتی ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۳۶- طاغوت میں سے متبوع کی مثال وہ امراء ہیں جو اللہ کی عبادت سے خارج ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط.
۳۷- جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جائے اور وہ اس سے راضی نہ ہو: ☐ وہ طاغوت ہے ☐ وہ طاغوت نہیں ہے.
۳۸- کتاب التوحید کی دوسری آیت اس اجماع پر دلالت کرتی ہے کہ سارے رسول دعوت توحید کے لیے ہی بھیجے گئے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۳۹- مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان: (آیت یا آیات) کا مطلب ہے: (آیت یا آیات کو مکمل کریں): ☐ صحیح ☐ غلط.
۴۰- قضاء، حکم اور ارادہ کی دو قسمیں ہیں: کونی اور شرعی: ☐ صحیح ☐ غلط.
۴۱- قضاء (☐ کونی ☐ شرعی) میں سے ہے وہ چیز جس کو اللہ ایک جہت سے پسند کرتا ہے تو دوسری جہت سے ناپسند کرتا ہے۔
۴۲- ﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ﴾ یہ قضاء: ☐ شرعی ہے ☐ کونی ہے۔
۴۳- تمام حیوانات اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں سوائے چھپکلی کے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۴۴- عبودیت کی قسمیں ہیں:☐ ۲☐ ۳. پرندوں کا اللہ کی تسبیح بیان کرنا یہ عبودیت ہے:☐ قہر والی☐ طاعت والی.

۴۵- مشرکین بھی تھوڑی سی اللہ کی عبادت کرتے ہیں:☐ صحیح ☐ غلط.

۴۶- عبادت زبان اور اعضاء وجوارح کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے:☐ صحیح ☐ غلط.

۴۷- ﴿وَلَا تُشۡرِكُواْ بِهِۦ شَيۡـٔٗا﴾ (اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ) یہ ہر چیز کو عام ہے چاہے وہ نبی ہو، فرشتہ ہو، ولی ہو یا چاہے دنیا کی کوئی بھی چیز ہو:☐ صحیح ☐ غلط.

۴۸- بشارت کہتے ہیں اس خبر کو جو خوش کرنے والی ہو نہ کہ اس خبر کو جو غمگین کرنے والی ہو:☐ صحیح ☐ غلط.

۴۹- وہ جان جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:
☐ مسلم ☐ ذمی ☐ معاہد ☐ متامن ☐ سبھی.

۵۰- کیا نبی ﷺ نے وصیت کی تھی؟☐ ہاں ☐ نہیں.

۵۱- ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول: (یہ آپ ﷺ کی وصیت ہے)؛ کیونکہ:☐ یہ دین کے سبھی امور کو شامل ہے ☐ یہ اللہ کی وصیت ہے ☐ مذکورہ سبھی.

۵۲- اللہ پر بندوں کا حق:☐ واجب حق ہے ☐ یہ اللہ کی طرف سے احسان ہے بندوں پر.

۵۳- (اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں) یہ کہا جائے گا:☐ صرف نبی ﷺ کی زندگی میں ☐ ہر وقت.

۵۴- نبی ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو بشارت دینے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ کہیں وہ:☐ منافست نہ کرنے لگیں ☐ اسی پر بھروسہ نہ کرنے لگیں ☐ سبھی، اور معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی؟☐ ہاں ☐ نہیں، اس لیے کہ کتمان علم کسی بھی صورت میں جائز نہیں:☐ صحیح ☐ غلط.

۵۵- کیا یہ حکم صرف معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے؟☐ ہاں ☐ نہیں.

۵۶- کسی چیز کی فضیلت ثابت ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ غیر واجب ہو:☐ صحیح ☐ غلط.

۵۷- ﴿وَإِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَحۡدَهُ ٱشۡمَأَزَّتۡ قُلُوبُ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡأٓخِرَةِۖ وَإِذَا ذُكِرَ ٱلَّذِينَ مِن دُونِهِۦٓ إِذَا هُمۡ يَسۡتَبۡشِرُونَ﴾ (جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہو جاتے ہیں) یہ باب نمبر... پر بالکل فٹ آتا ہے:☐ ۲☐ ۵☐ ۴.

۵۸- جس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف کی ہے اس کی قسمیں ہیں:☐ دو ☐ تین.

۵۹- سب سے بڑا ظلم کسی انسان کا دوسرے کی جان، مال یا عزت پر ظلم کرنا ہے:☐ صحیح ☐ غلط.

۶۰- اس شخص کا ٹھکانہ جو شرک کے سوا گناہوں پر اصرار کرتے ہوئے فوت ہو جائے:☐ عذاب ہے ☐ مشیئت کے تحت ہے.

۶۱- (لا الہ الا اللہ) ذکر ہے، دعا نہیں:☐ صحیح ☐ غلط.

۶۲- ایسے لوگ بھی پائے جائیں گے جو: (لا الہ الا اللہ) کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں ہوگی:☐ صحیح ☐ غلط.

۶۳- محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس گواہی کے منافی ہے:☐ گناہ ☐ بدعت ☐ سبھی.

۶۴- (عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں) یہ یہود پر رد ہے اور (آپ اللہ کے رسول ہیں) یہ نصاری پر رد ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۶۵- ﴿وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ (اور اس کی روح ہیں) یہ اضافت: ☐ اعیان ہے ☐ اوصاف ہے.

۶۶- اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا: ☐ پوری طرح ☐ ناقص طریقہ سے ☐ سبھی.

۶۷- تحقیق توحید کا مطلب ہے اس کو خالص کرنا: ☐ شرک سے ☐ بدعت سے ☐ معاصی سے ☐ سبھی.

۶۸- ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ (ابراہیم علیہ السلام ایک امت تھے) یعنی: ☐ قدوہ ☐ امام ☐ خیر کے معلم ☐ سبھی.

۶۹- امراض حسی اور معنوی میں سوائے نظر بد اور زہریلے جانور کے ڈنک مارنے کے دَم کرنا جائز نہیں ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۷۰- حدیث «لَا يَسْتَرْقُونَ»، امام مسلم نے اپنی صحیح میں اضافہ کیا ہے: «وَلَا يُرْقَوْنَ»، یہ اضافہ: ☐ صحیح ہے ☐ ضعیف ہے.

۷۱- شرک اکبر جان ومال کو (سلطان کے لیے) حلال کر دیتا ہے جب تک وہ ذمی یا مُعاہَد نہ ہو: ☐ صحیح ☐ غلط.

۷۲- راقی (بنا کہے بذات خود دم کرنے والا) اور مسترقی (کسی کو دم کرنے کے لیے کہنے والا) میں فرق یہ ہے کہ مسترقی سائل اور دل کے ذریعہ غیر اللہ کی طرف ملتفت ہونے والا ہوتا ہے جبکہ راقی محسن ہوتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۷۳- اللہ کے خصائص میں غیر اللہ کو اللہ کے مقابل قرار دینا شرک: ☐ اکبر ہے ☐ اصغر ہے.

۷۴- جو صورت کی شکل میں تراشا گیا ہو اسے کہتے ہیں: ☐ صنم ☐ وثن ☐ سبھی.

۷۵- کرائم الأموال کا مطلب ہے: ☐ سب سے عمدہ ☐ درمیانے درجہ کا ☐ سب سے گھٹیا.

۷۶- علم وعمل کے ذریعہ بندہ خود کو مکمل کرتا ہے اور دعوت وصبر کے ذریعہ دوسرے کو: ☐ صحیح ☐ غلط.

۷۷- نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر دجال سے زیادہ ریاکاری کا خوف کھاتے تھے کیونکہ یہ شرک اصغر ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۷۸- بندہ جب اپنے اعتقاد میں سچا ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس کی طرف دوسروں کو دعوت دے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۷۹- بصیرت کہتے ہیں: ☐ علم شرعی کو ☐ حکمت کو ☐ مدعوین کی حالت کا خیال رکھنے کو ☐ مذکورہ سبھی.

۸۰- دعوت کے شروط کی تعداد: ☐ پانچ ہے ☐ چار ہے ☐ تین ہے.

۸۱- شرک اکبر اور شرک اصغر کے مابین فرق:

....	....
....	....
....	....
....	....
....	....

پانچواں سوال: خانہ (ا) کے مناسب کلمات کو خانہ (ب) کے مناسب کلمات سے ملائیں:

أ	ب

۱	حُمَۃ	محبت و تعظیم کے جذبہ سے سرشار ہو کر اللہ کے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کرتے ہوئے تواضع اختیار کرنا.
۲	الوہیت	اس سے مراد سرخ اونٹ ہے اور اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ عرب کے نزدیک انتہائی مرغوب اور قیمتی شئے ہے۔
۳	عبادت	بدشگونی لینا خواہ وہ کسی دیکھی جانے والی اور سنی جانے والی یا ایک متعین جگہ یا وقت سے لیا جائے۔
۴	طاغوت	شبیہ، نظیر اور مماثل۔
۵	ریاکاری	جس کی انسان وغیرہ کی صورت میں عبادت کی جاتی ہو۔
۶	بدفالی	جس کی کسی بھی صورت میں اللہ کے سوا پوجا کی جاتی ہو۔
۷	ند	جس کے ذریعہ بندہ اپنی حد پار کر جائے خواہ وہ متبوع ہو یا معبود یا مطاع۔
۸	صنم	اللہ کی عبادت کرے تاکہ لوگ دیکھیں یا سنیں تو اس کی تعریف کریں۔
۹	توحید	یہ اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنے، بادشاہت اور تدبیر میں اکیلا ماننا ہے۔
۱۰	عبادت	یہ اللہ تعالیٰ کو عبادت میں یا بندوں کے افعال میں اکیلا ماننا ہے۔
۱۱	خوارج	یہ ایک اسم جامع ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے یا راضی ہوتا ہے خواہ وہ ظاہری یا باطنی اقوال ہوں یا افعال۔
۱۲	وثن	جو کہتے ہیں کہ صاحب کبیرہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔
۱۳	ربوبیت	اللہ تعالیٰ کو اس کی خصوصیتوں ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات میں اکیلا ماننا ہے۔
۱۴	حُمرِالنَّعَم	شرک سے دوری اور ہر مخالفت سے خود کو الگ کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کو کہتے ہیں۔
۱۵	حنیفا	ہر زہریلے جانور کے ڈنک مارنے کو کہتے ہیں۔

دوسری قسم: توحید کی تفسیر (۹ ابواب)

[۶] ”توحید“ کی تفسیر اور ”لا الہ الا اللہ“ کی گواہی کا مطلب

شروع میں جب توحید کے تعلق سے گفتگو کی گئی تھی تو نفس گویا اس بات کا مشتاق ہو گیا تھا کہ آخر توحید ہے کیا جس کے لیے گذشتہ ابواب (وجوب، فضیلت، تحقیق، اس کی ضد سے ڈرنا اور اس کی طرف دعوت دینا) قائم کیے گیے ہیں؟ تو اس باب کے ذریعہ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہاں سے لے کر آخر کتاب تک تمام ابواب توحید کی تفسیر ہی ہے۔

پہلی دلیل:

ارشاد ربانی ہے: ﴿ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ يَبۡتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلۡوَسِيلَةَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ ﴾ الآيـة. (یہ لوگ (اللہ تعالی کے علاوہ) جن کو پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ (ذریعہ) تلاش کرتے ہیں کہ کون اسکے قریب تر ہو)۔

- ﴿يَدۡعُونَ﴾: یہ لوگ جنہیں حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اس کے قریب تر ہو، تو کیسے یہ لوگ ان کو پکارتے ہیں جو خود محتاج ہیں (یہ دعا میں شریک ٹھہرانا ہے)۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوۡمِهِۦٓ إِنَّنِي بَرَآءٞ مِّمَّا تَعۡبُدُونَ ۝٢٦ إِلَّا ٱلَّذِي فَطَرَنِي ﴾ الآيـة. (اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ سوائے اسکے جس نے مجھے پیدا کیا ہے)۔

- ﴿إِلَّا ٱلَّذِي فَطَرَنِي﴾ (سوائے اسکے جس نے مجھے پیدا کیا ہے): یہ نفی واثبات کے مابین جمع کرنا ہے، اور دو وجہوں سے (الا اللہ) نہیں کہا:
  ۱- اللہ عزوجل کو عبادت میں تنہا قرار دینے کی علت کو بیان کرنے کی خاطر، کہ جس طرح وہ پیدا کرنے میں تنہا ہے اسی طرح عبادت میں بھی تنہا ہے۔

۲- بتوں کی عبادت کے بطلان کو بتانے کے لیے کہ چونکہ بتوں نے تم لوگوں کو پیدا نہیں کیا ہے لہذا وہ مستحق عبادت نہیں، بلکہ لائق عبادت وہی ذات ہے جو خالق ہے نہ کہ جو خود مخلوق ہے۔

- اللہ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرنے سے توحید حاصل نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس کو صرف اللہ کے لیے خالص کرنا ضروری ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں لوگ نماز، روزہ، زکاۃ اور حج جیسی عبادتوں کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ قبروں کو بھی سجدہ کرتے ہیں۔

تیسری اور چوتھی دلیل:

[۳] ارشاد ربانی ہے: ﴿ ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ الآيَةَ. (انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور بزرگوں کو اپنا رب بنالیا)۔

[۴] ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادٗا يُحِبُّونَهُمۡ كَحُبِّ ٱللَّهِۖ ﴾ الآيَةَ. (اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اس کا) شریک اور ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ اور وہ ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں)۔

- ﴿أَحۡبَارَهُمۡ﴾: یعنی ان کے علماء، اور انکو حبر / بحر (سمندر) ان کے کثرت علم کی وجہ سے کہا جاتا ہے
- ﴿وَرُهۡبَٰنَهُمۡ﴾: ان کے عبادت گزار.
- ﴿أَرۡبَابٗا﴾: انہوں نے اللہ کی معصیت میں اپنے علماء کی اطاعت کی اور عبادت گزاروں کی عبادت کی (یہ طاعت میں شریک ٹھہرانا ہے)
- ﴿يُحِبُّونَهُمۡ كَحُبِّ ٱللَّهِۖ﴾: یعنی ند سے ایسی محبت رکھتے ہیں جو اللہ سے محبت رکھنے کے مساوی ہے۔

محبت کی اقسام

اللہ کے ساتھ اوروں سے بھی محبت:	اللہ کی خاطر یا اللہ سے محبت رکھنا:	طبعي محبت:
غیر اللہ سے اللہ جیسی یا اس سے زیادہ محبت رکھنا یہ **شرک اکبر ہے** ۔	(یہ واجب ہے) «**أَوْثَقُ عُرَى الْإِيمَانِ الْحُبُّ فِي اللهِ...**» (ایمان کی سب سے مضبوط کڑی ہے اللہ کی خاطر محبت رکھنا)۔	(یہ جائز ہے) بشرطیکہ یہ محبت اللہ کی محبت پر غالب نہ ہو، جیسے بچے یا بیوی کی محبت۔

اللہ کی خاطر محبت رکھنے کی بھی کئی اقسام ہیں، جیسے: کسی عمل، عمل کرنے والے، زمان یا مکان سے محبت رکھنا۔

پانچویں دلیل:

اور صحیح مسلم میں نبی ﷺ سے مروی ہے: «مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ ﷻ»، "جس شخص نے کلمہ "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرلیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے، انَ کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب (یعنی باقی معاملہ) اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے"۔

آئندہ ابواب اسی بات کی تشریح ہیں۔

- «وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ»: اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے ان کا انکار ضروری ہے، بلکہ ہر ایک کفر کا انکار ضروری ہے، جو کلمۂ شہادت کی گواہی دیتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھتا ہو کہ یہودی اور عیسائی آج بھی صحیح دین پر ہیں، تو وہ مسلمان نہیں ہے، اسی طرح جو یہ سمجھتا ہو کہ دنیا میں پائے جانے والے ادیان، افکار کا مجموعہ ہیں ان میں سے وہ جو چاہے اسے اختیار کر سکتا ہے تو بھی وہ مسلمان نہیں ہے۔

مسائل:

(۱): اس میں سب سے اہم مسئلہ توحید اور کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی تفسیر ہے جسے متعدد واضح آیات واحادیث سے بیان کر دیا گیا ہے (یعنی اس میں نفی واثبات کا ہونا لازم ہے).

(۲): دلائل توحید میں سے پہلی آیت سورۂ اسراء کی ہے، جس میں ان مشرکین کی تردید ہے جو مصائب ومشکلات میں اللہ تعالی کو چھوڑ کر صالحین وبزرگان کو پکارتے ہیں، اس آیت میں صاف بیان ہے کہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارنا ہی شرک اکبر ہے (یہ دعاء میں شریک ٹھہرانا ہے).

(۳): ان دلائل توحید میں سے ایک دلیل سورۂ براءۃ (التوبہ) کی آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور بزرگوں کو رب بنالیا تھا، جبکہ انہیں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس آیت کی واضح تفسیر یہ ہے کہ کوئی اشکال یا ابہام نہیں کہ اہل کتاب اپنے علماء اور بزرگوں کو (مصیبت اور مشکل میں) پکارتے نہیں تھے، بلکہ عمل معصیت میں ان کی اطاعت کرتے تھے (یہ اطاعت میں شریک ٹھہرانا ہے)

(۴): حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا تذکرہ جو انہوں نے کفار سے کہی تھی ﴿إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى﴾ (تم جن کی بندگی کرتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ سوائے اسکے جس نے مجھے پیدا کیا ہے) اور اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفار کے معبودان باطلہ سے اپنے رب کو مستثنیٰ کیا۔ اللہ ﷻ نے بیان فرمایا کہ کفار سے اس طرح کی براءت و بیزاری اور اللہ تعالیٰ کی موالات و محبت ہی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تفسیر ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (اور ابراہیم یہی پیغام اپنی قوم میں چھوڑ گئے، تاکہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں)۔

(۵): ان دلائل میں سے ایک دلیل سورۂ بقرہ کی وہ آیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ ﴿وَمَا هُم بِخَٰرِجِينَ مِنَ ٱلنَّارِ﴾ (وہ جہنم کی آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں)۔ اور ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے شریکوں سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ سے بھی بڑی محبت تھی، مگر ان کی یہ محبت انہیں مشرف بہ اسلام نہیں کر سکی۔ جب اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ سے محبت کرنے والوں کو مسلمان شمار نہیں کیا گیا تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شریکوں سے محبت کرنے والوں، یا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف غیر اللہ سے محبت کرنے والوں کا کیا حال ہوگا؟ (**یہ محبت میں** شریک ٹھہرانا ہے، اور اس کی چار اقسام ہیں:

[۱] غیروں کی بنسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کرے، اور یہی توحید ہے۔

[۲] غیر اللہ سے اللہ جیسی محبت رکھے، یہ شرک ہے۔

[۳] غیر اللہ سے اللہ سے بھی زیادہ محبت رکھے، یہ دوسری قسم سے زیادہ خطرناک ہے۔

[۴] صرف غیر اللہ سے ہی محبت رکھے اور اس کے دل میں اللہ کے لیے محبت نہ ہو، یہ سب سے خطرناک اور برا ہے)۔

(۶): ان دلائل میں سے ایک دلیل نبی ﷺ کا فرمان ذیشان بھی ہے کہ **"جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور معبودان باطلہ کا انکار کیا اس کا مال اور خون (جان) محفوظ ہوگیا اور اس کا حساب (یعنی باقی معاملہ) اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے"۔** یہ ارشاد مبارک ان بڑے دلائل میں سے ایک ہے جو کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے معنی و مفہوم کو (صحیح طور پر) واضح کرتے ہیں کہ اس کلمہ کو محض زبان سے ادا کرلینے سے جان ومال کو امان و تحفظ نہیں مل جاتا، یعنی اس کلمہ کو محض پڑھ لینے سے یا اس کے معنی اور لفظ کو جان لینے، یا اس کے محض اقرار سے امان نہیں مل جاتی اور نہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کو محض پکارنے سے امان و تحفظ حاصل ہوتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جب تک معبوان باطلہ کا انکار نہ کیا جائے امان نہیں مل سکتی۔ یاد رہے، اگر کسی نے ان باتوں میں سے کسی میں بھی ذرا سا شک یا توقف کیا تو اس کی جان اور مال کو تحفظ وامان حاصل نہیں ہوسکے گا۔ یہ مسئلہ انتہائی اہم اور عظیم ہونے کے ساتھ غایت درجہ واضح ہے اور مخالفین کے خلاف ایک دلیل قاطع ہے۔

[۷] رفع بلاء اور دفع مصائب کے لیے چھلے اور دھاگے وغیرہ پہننا شرک ہے۔

- «مِنَ الشِّرْكِ» یعنی: شرک کا حصہ ہے، اب کچھ حصے اور قسمیں شرک اکبر ہوتی ہیں تو کچھ اصغر۔ اسی لیے مطلق استعمال کیا ہے۔
- «لِرَفْعِ الْبَلَاءِ» یعنی نازل ہو جانے کے بعد «أَوْ دَفْعِهِ» اس کے نزول سے پہلے۔

چھلے اور دھاگے وغیرہ پہننا شرک اکبر ہے یا اصغر؟

شرک اکبر ہے: جب یہ اعتقاد رکھے کہ یہ بذات خود مؤثر ہیں، اور یہ خود سے نفع پہنچانے اور نقصان دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

شرک اصغر ہے: جب یہ اعتقاد رکھے کہ یہ سبب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نہ تو شرعی سبب بنایا اور نہ حسی، اس لیے شرک اصغر ہے۔

اسباب اختیار کرنے کے تعلق سے عقیدہ رکھنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

صحیح عقیدہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ سبب صرف اسی کو ماننا درست ہے، جس کو اللہ نے سبب بنایا ہے۔ اور اسباب یا تو حسی ہوتے ہیں جیسے دوا یا شرعی جیسے رقیہ شرعیہ۔

شرک اصغر: یہ وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں کے سبب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں جن کو اللہ نے سبب نہیں بنایا ہے۔

شرک اکبر: یہ وہ لوگ ہیں جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ سبب ہی بذات خود نفع پہنچانے یا نقصان دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

اسباب اختیار کرنے میں لوگ افراط و تفریط اور معتدل تین طرح کے ہیں:

جو اسباب کا انکار کرتے ہیں: وہ اللہ کی حکمت کا انکار کرتے ہیں، جیسے جبریہ اور اشاعرہ۔

جو اسباب اختیار کرنے میں غلو کے شکار ہیں: یہ اس کو بھی سبب قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے سبب قرار نہیں دیا ہے، جیسے فرقۂ صوفیاء۔

جو اسباب اختیار کرنے میں اعتدال سے کام لیتے ہیں: یہ صرف شرعی اور حسی اسباب کو ہی سبب قرار دیتے ہیں، ان کے علاوہ کو سبب بنانا خلاف شریعت سمجھتے ہیں۔

دھاگہ وغیرہ لٹکانے والے کے کئی احوال ہیں:

وہ اس کے حکم سے انجان ہو:	اسے تعلیم دی جائے گی۔
یہ اعتقاد رکھے کہ یہ سبب ہے، جبکہ اللہ نے اسے سبب قرار نہیں دیا ہے:	یہ شرک اصغر ہے۔
یہ اعتقاد رکھے کہ یہ بذات خود مؤثر ہیں، اور یہ خود سے نفع پہنچانے اور نقصان دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔	یہ شرک اکبر ہے۔
اس سلسلہ میں اس کا کوئی عقیدہ نہ ہو بلکہ وہ اس کو زینت کی خاطر پہنتا ہو جیسا کہ آج کل بہت سے نوجوانوں کا حال ہے اللہ ہمیں اور انہیں ہدایت دے، جو بھی اس کو پہنے ہوئے دیکھے گا وہ سمجھے گا کہ اس کا پہننا جائز ہے اور اس طرح لوگوں پر شرک کا دروازہ کھل جائے گا، نیز یہ کہ اس میں عورتوں اور مشرکین کی مشابہت بھی ہے۔	یہ کبیرہ گناہ ہے۔

پہلی دلیل:

[۱] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلۡ أَفَرَءَيۡتُم مَّا تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ إِنۡ أَرَادَنِيَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كَٰشِفَٰتُ ضُرِّهِۦٓ﴾ الآيـة. (اے محمد ﷺ! ان سے کہہ دیجیے، تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو، اس ضرر کو ہٹا سکتے ہیں؟)

- یہ بت اپنی عبادت کرنے والوں کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی نقصان دور سکتے ہیں، اس بنیاد پر یہ نفع ونقصان کا سبب نہیں ہیں۔ اب اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہر وہ چیز جو شرعی یا قدری سبب نہیں ہو اس کو سبب سمجھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا سمجھا جائے گا۔
- ﴿قُلۡ حَسۡبِيَ ٱللَّهُ﴾ (آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے): اس میں وہمی اسباب کو چھوڑ کر ”صرف اللہ ہمارے لیے کافی ہے“ یہ تسلیم کر لینا ہے۔

دوسری دلیل:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ: «مَا هٰذِهِ؟»، قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ، فَقَالَ: «**انْزِعْهَا؛ فَإِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا**»،

نبی ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل / تانبہ کا چھلہ دیکھا تو فرمایا: "یہ کیا ہے"؟ اس نے کہا کہ یہ واہنہ (ایک بیماری) کی وجہ سے پہن رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اسے اتار پھینکو، یہ (تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا بلکہ) تمہاری بیماری میں مزید اضافہ کردے گا۔ اور اگر اسے پہنے ہوئے تمہیں موت آگئی تو تم کبھی نجات نہ پا سکوگے"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جید سند سے روایت کیا ہے۔

- «حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ»: تانبے وغیرہ کا چھلہ، یا پھر لوہے کا کڑا ہو یا دھاگے کا۔
- «مَا هٰذِه؟»: یہ انکار سے قبل تثبت کے لیے ہے کہ کہیں ایسی چیز کو منکر نہ سمجھ بیٹھیں جو درحقیقت منکر ہے ہی نہیں۔
- «الْوَاهِنَةِ»: یہ رومیٹزم (گٹھیا) کی طرح ایک طرح کی بیماری ہے جو ہڈیوں میں ہوتی ہے، اور اس چھلہ کو پہننے کے تعلق سے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اس بیماری کو دور کردے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔
- «لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا»: یعنی جسم اور اعتقاد دونوں کی کمزوری کا سبب ہے۔ اور یہ الجزاء من جنس العمل (جیسا عمل ویسی سزا) کی قبیل سے ہے۔

تیسری دلیل:

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے: «مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللهُ لَهُ». وَفِي رِوَايَةٍ: «مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»، "جس شخص نے (بیماری سے تحفظ کے لیے) کوئی تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے، اور جس نے سیپ باندھا، اللہ تعالی اسے بھی آرام نہ دے"۔ اور ایک روایت میں ہے: "جس نے (بیماری سے تحفظ کی نیت سے) تعویذ لٹکایا، اس نے (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) شرک کیا۔

- «مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً»: جس نے تعویذ لٹکایا اور اس کا قلبی تعلق بھی اسی سے ہو گیا، اسی لیے آپ ﷺ نے: «تَعَلَّقَ» کہا «عَلَّقَ» نہیں۔
- «فَلَا أَتَمَّ اللهُ لَهُ»: یہ یا تو اس کے اوپر بددعا ہے، یا محض خبر ہے۔
- «وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً»: ودعہ، ایسی چیزوں کو کہتے ہیں جو سمندر سے نکالی جاتی ہیں، جیسے سیپ۔
- «فَلَا وَدَعَ اللهُ لَهُ»: اللہ تعالیٰ اس کو "ودع" یعنی "سکون" میں نہ رہنے دے، تاکہ جس غرض سے اس نے اسے لٹکایا ہے وہ مراد پوری نہ ہو۔

- «فَقَدْ أَشْرَكَ»: اگر اس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کے حکم کے بنا یہ بذات خود مؤثر ہے تو **شرک اکبر** ہے، ورنہ شرک اصغر ہے۔

چوتھی دلیل:

ابن ابی حاتم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ: أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ خَيْطٌ مِنَ الْحُمَّى، فَقَطَعَهُ، وَتَلَا قَوْلَهُ: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾، "انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کے سبب دھاگا بندھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اس دھاگا کو کاٹ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ (ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود بھی مشرک ہیں)"۔

- «مِنَ الْحُمَّى»: یعنی بخار کی وجہ سے تاکہ بخار ٹھنڈا ہو جائے یا اس سے شفایابی مل جائے۔
- «فَقَطَعَهُ»: منکر کو ہاتھ سے روکنے کی صورت میں ہاتھ سے روکنا چاہیے، اس سے تغییر منکر کے سلسلے میں سلف کے مضبوط موقف کا پتہ چلتا ہے۔ واضح رہے کہ تغییر منکر کے مراتب ہیں جن کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے ورنہ بہت بڑا فتنہ ہو سکتا ہے۔
- **لٹکانے کا حکم:** اس طرح کا کچھ بھی لٹکانا حرام ہے، چاہے وہ چھلہ، دھاگا، سیپ، تعویذ، بھیڑیے کی آنکھ، کُھر، پرانا جوتا، نیلا پتھر (منکا)، ہتھیلی، آنکھ، بیل کی سینگ، شیر کی تصویر، درخت کی تصویر اور چیتھڑا وغیرہ ہو۔

مسائل:

پہلا: (بیماری سے تحفظ کی نیت سے) چھلا، دھاگا وغیرہ باندھنا سخت منع ہے۔

دوسرا: اس حدیث میں مذکور حقیقت کہ اگر کوئی صحابی بھی شفا کی نیت سے کوئی ایسی چیز باندھے یا لٹکائے جس کا سبب ہونا نہ شرعی طور پر ثابت ہو اور نہ حسی (ظاہری) طور پر اور وہ اسی حال میں انتقال کر جائے تو وہ بھی کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ اس ٹھوس بات کے لیے شاہد ہے کہ "شرک اصغر (شرک اکبر کے علاوہ) کبیرہ گناہوں میں سب سے زیادہ سنگین ہے"۔

تیسرا: جہالت کے سبب بھی اس صحابی کو معذور نہیں سمجھا گیا۔ (نبی ﷺ کے بیان کر دینے کے بعد اب جہالت عذر نہیں مانا جائے گا۔ اور یاد رہے جہالت کی دو قسمیں ہیں:

[۱] وہ جہالت جس میں اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا چاہے کفر میں ہو یا گناہ کے کاموں میں، یہ وہ ہے کہ سیکھنے کے مواقع ہونے کے باوجود سستی اور کاہلی کی وجہ سے نہ سیکھ سکا ہو، اور جاہل رہ گیا ہو۔

[۲] وہ جہالت جس میں اسے معذور سمجھا جائے گا، جو مذکورہ بالا اوصاف کے برخلاف ہو، یعنی اسے سیکھنے کا کوئی موقع میسر نہ آسکا اور نہ ہی اس نے سیکھنے میں سستی اور تفریط سے کام لیا اور نہ ہی اس کے ذہن میں یہ کھٹکا کہ یہ حرام بھی ہو سکتا ہے، تو ایسا شخص اپنی جہالت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا، اگر وہ مسلم ہے تو یہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، اور اگر کافر ہے تو دنیا میں اسے کافر گردانا جائے گا اور آخرت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

چوتھا: یہ چیزیں دنیا میں بھی مفید نہیں بلکہ مضر ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے یہ تمہاری بیماری میں اضافہ کا سبب ہو گا"۔

پانچواں: ایسی چیزوں کا استعمال کرنے والے کو سختی سے روکنا چاہیے۔

چھٹا: اس بات کی وضاحت معلوم ہوئی کہ جس نے کوئی چیز لٹکائی اسے اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

ساتواں: جس نے کوئی تعویذ گنڈا لٹکایا اس نے شرک کیا۔

آٹھواں: بخار کی وجہ سے دھاگا باندھنا شرک ہے۔

نواں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اس موقعہ پر اس آیت کی تلاوت کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کی آیات سے شرک اصغر پر بھی استدلال کیا کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے (محبت کے سلسلے میں)۔

دسواں: نظر بد سے بچاؤ کے لیے سیپ باندھنا شرک ہے (شرکیہ تعویذات میں سے ہے)۔

گیارہواں: (بیماریوں سے تحفظ کے لیے) تعویذ لٹکانے اور سیپ وغیرہ ڈالنے والے کے لیے بد دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی مراد پوری نہ کرے اور اسے آرام نہ دے۔ (کسی تعویذ لٹکانے والے کو صراحت کے ساتھ تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ: "اللہ تمہاری مراد پوری نہ کرے"، کیونکہ ایسا کرنا اس کو نفرت دلانے کا سبب بن سکتا ہے، لیکن ہم اس سے کہیں گے: تعویذ اور سیپ وغیرہ لٹکانا چھوڑ دو، اور اسکو نبی ﷺ کی حدیث پڑھ کر سنائیں گے)۔

[۸] دم جھاڑ پھونک اور تعویذ کا بیان

مؤلف نے مذکورہ مسائل میں حکم بیان کیے بغیر باب قائم کیا ہے اور ماسبق ابواب کی طرح حکم بیان نہیں کیا ہے، اور یہ نہیں کہا ہے کہ یہ شرک ہے، کیونکہ:

۱. دم کرنے کی دو قسمیں ہیں شرعی اور غیر شرعی۔

۲. ہر طرح کا تعویذ لٹکانا شرک نہیں ہے، چنانچہ اگر قرآنی آیات لکھ کر لٹکایا جائے تو یہ عمل حرام ہے شرک نہیں۔

پہلی دلیل:

صحیح بخاری میں حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَأَرْسَلَ رَسُولًا: «**أَنْ لَا يَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ - أَوْ: قِلَادَةٌ - إِلَّا قُطِعَتْ**»، وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آپ ﷺ نے ایک قاصد کو (اعلان کرنے کے لیے بھیجا) کہ ”کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ (ہار) ہرگز نہ چھوڑا یا مطلق قلادہ فرمایا، مگر اسے کاٹ دیا جائے“۔

- «فَأَرْسَلَ»: شریعت کی منشا کے مطابق ان کے احوال دریافت کرنے کے لیے۔
- «قِلَادَةٌ»: اس ہار کے سلسلے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اونٹ کو نظر بد سے بچاتا ہے۔ جبکہ یہ اعتقاد رکھنا ہی فاسد ہے۔

دوسری اور تیسری دلیل:

[۲] اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: «**إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ**»، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ”جھاڑ پھونک (نظر بد وغیرہ سے تحفظ کے لیے)، تعویذ گنڈے باندھنا، اور محبت یا نفرت پیدا کرنے کے لیے کیا جانے والا جادوئی عمل (تولہ) شرک ہے“۔ احمد اور ابوداود نے اسے روایت کیا ہے۔

[۳] اور حضرت عبد اللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ**»، ”جس نے کوئی چیز لٹکائی تو اسے اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے“۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

- «إِنَّ الرُّقَى»: یعنی اس جھاڑ پھونک اور رقیہ کو شرک کہا گیا ہے جو شرکیہ جھاڑ پھونک ان کے نزدیک معروف تھی، نہ کہ وہ جھاڑ پھونک جو شریعت سے ثابت ہے۔
- «مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ»: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ نہیں فرمایا (من علّق) بلکہ فرمایا: من تعلق (یعنی جس نے اس کو لٹکایا) کیونکہ اس نے اس کو لٹکایا اور اس سے قلبی لگاؤ رکھا۔ اب جو اللہ سے لو لگائے گا اللہ اس کو کافی ہوگا، اور جو غیر اللہ سے لو لگاتا ہے تو اس کو اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔
- انسان کے لیے کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہے کہ وہ سبب پر اعتماد کر لے، بلکہ اپنی امید صرف اللہ سے رکھے، تو اب جس نے مسبِب یعنی اللہ کو چھوڑ کر صرف اس شیٔ سے اپنے دل کو جوڑ لیا تو وہ ایک طرح کے شرک میں پڑ گیا۔ ہاں اگر یہ اعتقاد ہو کہ وہ جو کر رہا ہے وہ صرف ایک سبب ہے اور شریعت کے مخالف امور میں سے نہیں ہے بلکہ مسبِب اللہ تعالیٰ ہی ہے تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

شرعی جھاڑ پھونک کے شروط:

یہ کتاب وسنت سے ہو یا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعہ۔	یہ ایسا کلام ہو جو: مفہوم ہو، معلوم ہو، سنا جا سکتا ہو اور عربی زبان میں ہو۔	یہ اعتقاد رکھے کہ یہ شرعی سبب ہے جو اللہ کی اجازت کے بنا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

ان شروط میں سے اگر کوئی بھی شرط فوت ہو جائے تو اسے شرعی جھاڑ پھونک نہیں کہا جائے گا۔ اور یاد رہے کہ عربی زبان کے علاوہ کوئی شرعی جھاڑ پھونک نہیں ہو سکتا ہے، ہاں اگر دعا کر رہا ہو تو جائز ہے کہ عربی زبان کو چھوڑ کر اپنی زبان میں بھی دعا کرے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو تبدیل نہ کرے کیونکہ یہ توقیفی ہیں (اور ویسے بھی نام ہر زبان میں اسی طرح ادا کیا جاتا ہے جیسا وہ ہے)۔

التَّمَائِم: یہ لفظ "تمیمہ" کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نظر بد سے تحفظ کے لیے بچوں کے گلے میں باندھی، لٹکائی یا ڈالی جائے۔ قرآنی تعویذات کو بعض اہل علم نے جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے، ناجائز کہنے والوں میں سے ایک حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بھی ہیں۔

وَالرُّقَى: یہ "رقیہ" کی جمع ہے۔ انہیں "العزائم" بھی کہا جاتا ہے، رقیہ، دَم اور جھاڑ پھونک کو کہتے ہیں۔ اگرچہ مذکورہ حدیث میں دَم کرنے کو شرک کہا گیا ہے، لیکن دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ جو دم شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہو اس کی اجازت ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے نظر بد اور زہریلے جانوروں کے کاٹنے پر دَم کرنے کی اجازت اور رخصت دی ہے۔

التولة: یہ ایک ایسا عمل ہے، جسے عربوں کے خیال میں خاوند اور بیوی کے مابین الفت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

ویڈنگ رنگ (شادی کی انگوٹھی) پہننا بھی "تِولۃ" کی ایک شکل ہے:

شرک اکبر ہے	شرک اصغر ہے	حرام ہے
اگر یہ اعتقاد رکھے کہ یہ بذات خود مؤثر ہے اور یہ فی نفسہ نفع پہنچانے اور نقصان دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔	اگر یہ اعتقاد رکھے کہ میاں بیوی کے تعلق کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہے۔	اور یہ اس کا سب سے ادنی درجہ ہے، کیونکہ یہ عیسائیوں کی عادتوں میں سے ایک عادت ہے، اس کے ذریعہ سے وہ عقیدۂ تثلیث کا اظہار کرتے ہیں، اور اگر یہ انگوٹھی سونے کی ہو تو اس میں مردوں کے لیے ایک اور محذور ہے۔

چوتھی دلیل:

اور امام احمد نے حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**يَا رُوَيْفِعُ، لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوِ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ بَرِيءٌ مِنْهُ**»، "اے رویفع! شاید تم ایک مدت تک زندہ رہو، لہٰذا تو لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص داڑھی کو گرہ لگائے، یا تانت گلے میں ڈالے، یا چوپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے، تو محمد (ﷺ) اس سے بیزار اور لاتعلق ہیں"۔

- «**أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ**»: یا تو تکبر کی وجہ سے یا پھر نظر بد سے بچنے کی خاطر (یا کافروں کے ایک حلقہ کی دیکھا دیکھی)۔
- «**تَقَلَّدَ وَتَرًا**»: وتر: بکری کے پٹھے سے بنائی گئی ایک طرح کی تانت ہے جو نظر بد سے بچنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

- «أَوِ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ»: پیشاب یا پاخانہ کے بعد اس مقام کو جانوروں کی لید سے صاف کرنا۔
- «أَوْ عَظْمٍ»: (ہڈی) یہ جنوں کی خوراک ہے۔ اور "لید" جنوں کے جانوروں کا چارہ ہے۔

پانچویں اور چھٹی دلیل:

[۵] سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ: «مَنْ قَطَعَ تَمِيمَةً مِنْ إِنْسَانٍ كَانَ كَعَدْلِ رَقَبَةٍ»، "جو شخص کسی کے گلے سے تعویذ کو کاٹ ڈالے تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا"۔ (اس کو وکیع نے روایت کیا ہے)۔

[٦] اور انہوں نے ہی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ: «كَانُوا يَكْرَهُونَ التَّمَائِمَ كُلَّهَا؛ مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِ الْقُرْآنِ»، "لوگ (یعنی اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ) قرآنی اور غیر قرآنی ہر قسم کی تعویذات کو ناپسند کرتے تھے۔

- «كَانَ كَعَدْلِ رَقَبَةٍ»: کیونکہ اس نے اسے شیطان کی عبادت جو کہ شرک ہے اس سے آزاد کیا ہے، اور یہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کرنے سے بڑھ کر ہے۔ ہاں تعویذ کاٹنے کا عمل احسن طریقہ سے انجام دے تاکہ اس سے نفرت پیدا نہ ہو۔

ہم قرآنی تعویذات کو حرام کیوں قرار دیتے ہیں؟

- بعض سلف کے نزدیک مکروہ ہونے کی وجہ سے۔ اور واضح رہے کہ سلف کے نزدیک کراہت کا مطلب "حرام" ہی ہوتا تھا۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: «إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ» ("جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور محبت و نفرت کے لیے کیے جانے والے اعمال، سب شرک ہیں) کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے۔
- شرک کا دروازہ بند کرنے کی وجہ سے، وہ اس طرح کہ اس کو دیکھ کر کچھ لوگ یہ سمجھیں گے کہ ہر طرح کا تعویذ لٹکانا جائز ہے چاہے وہ غیر قرآن ہی سے کیوں نہ ہو۔
- اس میں قرآن کی بے ادبی ہونے کی وجہ سے کہ وہ اسے پہنے ہوئے بیت الخلاء میں چلا جائے یا اس میں گندگی لگ جائے۔

مسائل:

پہلا: ”رقیہ“ اور ”تمیمہ“ کی تفسیر۔

دوسرا: ”تولہ“ کی تفسیر۔

تیسرا: یہ تینوں (رقیہ، تمیمہ اور تولہ) بلا استثنا شرک ہیں۔

چوتھا: نظر بد اور زہریلے جانوروں کے کاٹنے پر غیر شرکیہ دَم ممنوع نہیں ہے (ان دونوں کے علاوہ چیزیں بھی اس میں شامل ہیں، جیسے جادو).

پانچواں: قرآنی آیات کے تمیمہ (تعویذ) کے بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے کہ یہ شرک ہے یا نہیں۔ (اور سب سے زیادہ احتیاط پر مبنی قول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے کیونکہ اس میں اصل اور بنیادی بات یہ ہے کہ اس کی مشروعیت ثابت نہیں ہے).

چھٹا: نظر بد سے تحفظ کی خاطر جانوروں کے گلے میں تانت باندھنا اسی قبیل سے ہے (یعنی شرک ہے).

ساتواں: اس میں تانت باندھنے والوں کے لیے شدید وعید وارد ہوئی ہے۔

آٹھواں: اس سے کسی کے گلے میں لٹکی ہوئی تعویذ کو کاٹ پھینکنے کا ثواب اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

نواں: ابراہم نخعی رحمہ اللہ علیہ کی بات اہل علم کے مذکورہ بالا اختلاف کے منافی نہیں ہے، کیونکہ ان کے کلام سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد مراد ہیں (ان کی مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عمومی تابعین کرام نہیں ہیں).

[۹] کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھنا

تبرک: برکت طلب کرنے کو کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں:

مشروع تبرک:

- **امر شرعی کے ذریعہ:** جیسے مسجد حرام میں نماز پڑھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا۔
- **امر حسی کے ذریعہ:** جیسے اہل سنت علماء مثلاً شیخ الاسلام کی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔

ممنوع تبرک:

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جو امر شرعی یا امر حسی کے ذریعہ ثابت نہ ہو۔ جیسے نبی ﷺ کے حجرہ کو چھو کر تبرک حاصل کرنا۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ ﴾ الآيات. (بھلا تم نے (کبھی) لات، عزی اور تیسری (دیوی) منات کے بارے میں بھی غور کیا ہے؟)

[۲] حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى حُنَيْنٍ، وَنَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ، وَلِلْمُشْرِكِينَ سِدْرَةٌ يَعْكُفُونَ عِنْدَهَا، وَيَنُوطُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ، يُقَالُ لَهَا: (ذَاتُ أَنْوَاطٍ)، فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ؛ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**اللهُ أَكْبَرُ، إِنَّهَا السُّنَنُ**، قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى: ﴿ ٱجْعَل لَّنَآ إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿١٣٨﴾ ﴾، **لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ**»، غزوہ حنین کے موقع پر ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے اور ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ (راستے میں) مشرکین کی ایک بیری تھی، وہ (عظمت اور برکت کے خیال سے) اس کے پاس آ کر بغرض عبادت بیٹھتے تھے۔ اور (برکت کے لیے) اپنے ہتھیار بھی اس پر لٹکایا کرتے تھے۔ اس کا نام "ذات انواط" تھا۔ چلتے چلتے ایک بیری کے پاس سے ہمارا گزر ہوا تو ہم نے کہا: "یا رسول اللہ! جیسے ان مشرکین کا ذات انواط ہے، آپ ہمارے لیے بھی ایک "ذات انواط" مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اکبر" یہی تو (گمراہی اور سابقہ قوموں کے) راستے ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے تو وہی بات کی جو بنو اسرائیل نے موسی علیہ السلام سے کہی تھی کہ: ﴿ ٱجْعَل لَّنَآ إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿١٣٨﴾ ﴾ اے موسی! جیسے ان کے معبود ہیں

آپ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود مقرر کر دیں" موسی علیہ السلام نے فرمایا: "تم تو بڑے نادان ہو" پھر آپ نے فرمایا: "تم بھی پہلی امتوں کے طریقوں پر چلوگے"۔ (اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے)۔

- ﴿أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّـٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ﴾: ہمیں بتاؤ کہ ان بتوں کی جن کی تم تعظیم کرتے ہو، معراج جیسی بڑی آیات ونشانیوں کے مقابلے میں ان کی کیا حیثیت ہے، کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ بت ان کے نفع ونقصان کے مالک ہیں، اسی لیے وہ ان کے پاس آکر ان سے دعا مانگتے تھے، ان کے لیے قربانیاں کرتے تھے اور ان کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔
- ﴿ٱللَّـٰتَ﴾: [۱] اسے تاء کے تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے: "لاتّ" یہ ایک نیک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔

[۲] اور تاء کے تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے: تاء کی تخفیف کے ساتھ لفظ جلالہ "اللہ" کا مؤنث ہے۔

- ﴿وَٱلْعُزَّىٰ﴾: یہ اللہ کے نام "عزیز" سے مشتق مؤنث ہے۔
- ﴿وَمَنَوٰةَ﴾: یہ مشتق ہے یا تو [۱] اللہ کے نام المنّان سے [۲] یا منی سے کیونکہ اس بت کے پاس کثرت سے خون بہایا جاتا تھا، اور منی کو منی بھی اسی لیے کہا جاتا ہے (کہ یہاں حج کے موسم میں کثرت سے قربانی کا خون بہتا ہے)۔
- «حُدَثَاءُ»: یعنی، جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں، یہاں اس کو ان کے سوال کے لیے بطور اعتذار ذکر کیا ہے۔
- «يَنُوطُونَ»: اس سے اپنے اسلحوں کو تبرک حاصل کرنے کی خاطر لٹکایا کرتے تھے۔
- «ذَاتُ أَنْوَاطٍ»: کیونکہ اس درخت پر وہ لوگ تبرک کی خاطر اپنے اسلحے لٹکایا کرتے تھے۔
- «اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ»: ان کو یہ بات معلوم تھی کہ عبادات توقیفی ہیں یعنی ان کے لیے شرعی دلیل اور اجازت ضرورت ہے، اسی لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، تو آپ نے اس معاملہ کی سنگینی کو بتلایا لہذا وہ اس شرک سے بچ گئے۔
- «لَتَرْكَبُنَّ»: تم ان کی طرح کے اقوال وافعال ضرور انجام دوگے، اس میں خبر بھی ہے اور ڈرانا بھی کہ ان کی طرح مت ہو جانا۔

مسائل:

پہلا: سورۂ نجم کی آیات (﴿ أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ ﴾) کی تفسیر۔

دوسرا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذات انواط مقرر کرنے کے مطالبہ کی صحیح توجیہ (یہ کفار کے مقابلہ میں تھا نہ کہ عبادت کی خاطر)۔

تیسرا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اس خواہش کا صرف اظہار ہی کیا تھا۔ اسے عملی جامہ نہیں پہنایا تھا۔

چوتھا: اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد وارادہ محض تقرب الٰہی کا حصول تھا، کیونکہ ان کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے۔

پانچواں: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شرک کی یہ قسم مخفی رہی تو دوسرے عام لوگوں کا اس سے نابلد رہنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ (لہذا ہم لوگوں کے عمل سے دھوکہ نہ کھائیں)۔

چھٹا: (اعمال صالحہ کے بدلے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو نیکیاں اور بخشش کے وعدے عطا کیے گئے ہیں، وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہوسکتے۔ (لہذا ہم انہیں اچھائی کے ساتھ ہی یاد کریں، کیونکہ ان پر طعن کرنا گویا اللہ، اس کے رسول، اس کے دین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن کرنا ہے)۔

ساتواں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معذور اور بے قصور نہیں سمجھا بلکہ آپ نے ان کی بایں الفاظ تردید فرمائی "اللہ اکبر! یہی تو گمراہی (اور پہلی قوموں) کے راستے ہیں، تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلوگے" اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طرح سے اس کی مذمت فرمائی۔

آٹھواں: سب سے اہم بات جو اصل مقصود ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ فرمانا ہے کہ "تمہارا مطالبہ بھی بنی اسرائیل کے مطالبہ جیسا ہے"، انہوں نے کہا تھا: ﴿اَجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا﴾ (آپ ہمارے لیے ایک معبود بنادیں) سو تم نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا۔ (اس میں الفاظ میں بھی مشرکین کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے)۔

نواں: اس قسم کے مقامات کو مقدس اور متبرک نہ سمجھنا، توحید اور لا الہ الا اللہ کی مراد ہے۔ یہ ایک انتہائی دقیق اور پوشیدہ بات ہے۔ (جس طرح سے شہادت کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی طرح برکت بھی اللہ کے سوا کسی سے حاصل نہیں کی جاسکتی)۔

دسواں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتوے پر قسم کھائی، جبکہ بنا کسی مصلحت (یا دفع مفسدہ) کے قسم کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ نہ تھی۔

گیارہواں: چونکہ صحابہ کرام کو اس مطالبہ کی وجہ سے مرتد نہیں سمجھا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ شرک بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی۔

بارہواں: ابو واقد رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ: "ہم لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے" اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا علم تھا کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ (ان کو ان کی جہالت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا، کیونکہ وہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے)۔

تیرہواں: حدیث سے اظہار تعجب کے لیے ”اللہ اکبر“ کہنے کی مشروعیت ثابت ہوئی اور اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

چودھواں: شرک وبدعت کے تمام ذرائع کا سدباب کرنا چاہیے (ذریعہ کہتے ہیں کسی چیز تک پہنچنے کے راستے کو، اور ذرائع کی دو قسمیں ہیں:

[۱] مطلوب شئ تک پہنچنے کا ذریعہ، اسے بند نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے کھولا اور طلب کیا جائے گا۔

[۲] مذموم شئ تک پہنچنے کا ذریعہ، اسے بند کیا جائے گا۔ اور یہی مؤلف رحمہ اللہ کی مراد ہے)۔

پندرہواں: اس میں اہل جاہلیت کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے (یہ صرف بعثت سے قبل کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس میں حق سے جہالت، جاہلوں کے کام جیسے کام بھی داخل ہیں، اور یہ سب بھی اہل جاہلیت میں ہی شمار کیے جائیں گے)۔

سولہواں: اس میں دوران تعلیم (کسی مصلحت کی بنا پر استاد کا شاگرد پر) ناراض ہونا ثابت ہے۔

سترہواں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”انھا السنن“ یہ طریقے ہیں، فرما کر عمومی اصول بیان کر دیا۔ (اور یہ ڈرانے کی خاطر ہے)۔

اٹھارہواں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خبر بھی علامات نبوت میں سے ہے کہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق اب اسی طرح ہو رہا ہے۔

انیسواں: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن باتوں پر یہود ونصاری کی مذمت فرمائی، وہ دراصل ہمیں تنبیہ ہے کہ ہم اس سے بچیں۔

بیسواں: اہل علم کے ہاں یہ اصول طے ہے کہ عبادت کی بنیاد حکم اور امر پر ہے، اور اپنی مرضی سے کوئی عبادت مقرر نہیں کی جاسکتی، اس سے قبر کے سوالوں پر تنبیہ ہوتی ہے کہ قبر میں پہلا سوال یہ ہو گا: (مَنْ رَبُّكَ؟) (تیرا رب کون ہے؟) یہ تو واضح ہے، البتہ دوسرا سوال (مَنْ نَبِيُّكَ؟) (تیرا نبی کون ہے؟) اس کا تعلق امور غیبیہ سے ہے۔ اور تیسرا سوال: (مَا دِينُكَ؟) (تیرا دین کیا ہے؟) اس پر آیت « اِجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا إِلَخ » آخر تک، دلالت کرتی ہے۔

اکیسواں: اہل کتاب کے طور طریقے بھی اسی طرح مذموم ہیں، جیسے مشرکین کا مذہب اور ان کے اطوار ہیں۔

بائیسواں: جو شخص باطل سے حق کی طرف آتا ہے، اس کے دل میں قدیم عبادت، عقائد اور تصورات کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ جاتا ہے، جیسا کہ ابو واقد رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ہم ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے“ (اسی لیے حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ زانی کو کوڑے مارنے کے بعد جرم والی جگہ سے جلاوطن کر دیا جائے تاکہ وہ پھر اس جرم کی طرف پلٹ نہ جائے، اور انسان کو چاہیے کہ وہ کفر وشرک اور فسق وفجور والی جگہوں سے دور رہے، اور اہل سنت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ علمائے ربانیین سے ہی علم سیکھتے ہیں، اور وہ شخص جو پہلے ضلالت وگمراہی میں تھا اور اب سنت کی طرف رجوع کر چکا ہے تو اس سے اس وقت تک علم نہیں سیکھا جائے گا جب تک علماء حق اس کے گمراہ کن عقائد سے پوری طرح دستبردار ہونے کی شہادت نہ دے دیں)۔

[۱۰] غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کا حکم

ا. مؤلف نے حکم ذکر کیے بغیر باب کو قائم کیا ہے، اور یہ نہیں کہا کہ: (غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا شرک ہے)؟
۲. شیخ چاہتے ہیں کہ طالب علم دلیل سے حکم اخذ کرنا سیکھے، اور یہ علمی تربیت کا ایک طریقہ ہے۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ﴾ الآيـة. (کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں)۔

[۲] نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾. (پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر)۔

- ﴿قُلْ﴾: توحید خالص کو قائم کرنے کی خاطر ان مشرکین سے ببانگ دہل کہیے۔
- ﴿صَلَاتِي﴾: میرے تمام بدنی اعمال جن میں سب سے افضل نماز ہے، خواہ وہ نفل ہو یا فرض۔
- ﴿وَنُسُكِي﴾: یعنی میری قربانی، میرے تمام مالی اعمال جن میں سب سے افضل اللہ کے لیے ذبح کرنا ہے۔
- ﴿وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي﴾: یعنی میری ذات میں کسی بھی طرح کا تصرف اور میری زندگی کے شب وروز اور میرے مرنے جینے سے لے کر سبھی معاملوں کی تدبیر، سبھی کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔
- ﴿أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (میں سب سے پہلا مسلمان ہوں): [۱] یہ اضافی (نسبتی) اولیت ہے، یعنی میں اس امت کا نسبتاً سب سے پہلا مسلمان ہوں۔
[۲] یہ مطلق اولیت ہے اور اس سے مراد ہے کہ میں لوگوں میں سب سے پہلا مسلمان اور اللہ کا سب سے زیادہ متواضع بندہ ہوں۔
- ﴿وَانْحَرْ﴾: آپ اپنی قربانی خالص اللہ کی خاطر کریں جس طرح اللہ ہی کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ کیونکہ قربانی بھی اہم عبادت ہے۔

ذبح کی قسمیں:

اللہ کے لیے ذبح کرنا، یعنی اللہ نے جس موقع ومناسبت سے ذبح کرنے کی ہدایت یا حکم دیا ہے جیسے حج، عید الاضحی، عقیقہ اور دیگر صدقہ وخیرات کے لیے جانور ذبح کرنا۔ اسے غیر اللہ کے لیے انجام دینا شرک اکبر ہے۔	ایسا ذبح جو جائز ہو: یعنی جو خود کے کھانے، یا مہمان نوازی کرنے یا تجارت کی غرض سے ہو۔	غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا اس کی محبت وتعظیم کرتے ہوئے: (یہ شرک اکبر ہے) جیسے جنات اور قبر والوں کے لیے ذبح کرنا۔

تیسری دلیل:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چار باتیں بتلائیں: «لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ الله، لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا، لَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الأَرْضِ»، ”جو شخص غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو شخص اپنے والدین پر لعنت کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو شخص کسی بدعتی (مجرم) کو پناہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو شخص زمین کے حدود اور نشانات کو بدل دے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

«لَعَنَ»: **اللہ کی لعنت**، کا مطلب ہے اللہ کا اسے اپنی رحمت سے دور کر دینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ خبر دے رہے ہیں کہ جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، یا پھر آپ یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے اللہ جو تیرے علاوہ کسی اور کے لئے ذبح کرے تو اس پر لعنت بھیج۔

چوتھی دلیل:

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ، وَدَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ»، قَالُوا: وَكَيْفَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ الله؟ قَالَ: «مَرَّ رَجُلَانِ عَلَى قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ، لَا يَجُوزُهُ أَحَدٌ حَتَّى يُقَرِّبَ لَهُ شَيْئًا، فَقَالُوا لِأَحَدِهِمَا: قَرِّبْ، قَالَ: لَيْسَ عِنْدِي شَيْءٌ أُقَرِّبُ، قَالُوا لَهُ: قَرِّبْ وَلَوْ ذُبَابًا، فَقَرَّبَ ذُبَابًا؛ فَخَلَّوْا سَبِيلَهُ، فَدَخَلَ النَّارَ، وَقَالُوا لِلآخَرِ: قَرِّبْ، فَقَالَ: مَا كُنْتُ لأُقَرِّبَ لِأَحَدٍ شَيْئًا دُونَ الله ﷻ، فَضَرَبُوا عُنُقَهُ، فَدَخَلَ الْجَنَّةَ»، ”ایک شخص مکھی کی وجہ سے جنت میں چلا گیا اور ایک شخص مکھی ہی

کی وجہ سے جہنم جا پہنچا"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: "دو آدمیوں کا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوا، جس کا ایک بت تھا۔ کسی کو وہاں سے چڑھاوا چڑھائے بغیر گزرنے کی اجازت نہ تھی۔ (اس) قوم کے لوگوں نے ان میں سے ایک کو کہا: چڑھاوا چڑھاؤ، اس نے کہا: چڑھاوے کے لیے میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ انہوں نے کہا: تمہیں یہ کام ضرور کرنا ہو گا، خواہ ایک مکھی ہی چڑھاؤ۔ اس شخص نے ایک مکھی کا چڑھاوا چڑھا دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ اور وہ اس مکھی کے سبب جہنم میں جا پہنچا۔ ان لوگوں نے دوسرے سے کہا: تم بھی کوئی چڑھاوا چڑھاؤ، تو اس نے کہا: میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے واسطے کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور وہ سیدھا جنت میں جا پہنچا"۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے موقوفا صحیح ہے۔

- «فِي ذُبَابٍ»: عربی زبان کا لفظ "فی" یہاں سبب کے معنی میں ہے، یعنی ایک مکھی کے سبب۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي﴾ کی تفسیر۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر۔

تیسرا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے شخص پر لعنت فرمائی ہے (کیونکہ یہ شرک ہے اور اللہ کا حق تمام حقوق سے بڑھ کر ہے)۔

چوتھا: اپنے والدین پر لعنت کرنے والا خود لعنتی ہے، اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر تم کسی کے والدین پر لعنت کرو گے تو وہ تمہارے والدین پر لعنت بھیجے گا (کیونکہ سبب بننا گویا خود یہ کام کرنا ہے، یا پھر یہ کہ وہ خود ہی اپنے والدین پر لعنت کرے)۔

پانچواں: جو شخص کسی بدعتی (یا مجرم) کو پناہ دے، وہ ملعون ہے۔ مجرم سے مراد وہ شخص ہے جو کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جس پر شریعت نے سزا مقرر کی ہے اور وہ اس سے بچنے کے لیے کسی کی پناہ ڈھونڈے۔ (اس کی مدد کرنے والا، صرف اس کی حمایت کرنے والے کے مقابلے میں، زیادہ بڑا مجرم ہے۔ اور بدعت کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

[۱] دینی امور میں بدعت ایجاد کرنا، جیسا کہ جہمیہ، معتزلہ اور رافضہ وغیرہ نے کیا۔

[۲] امت سے متعلق امور میں اسے انجام دینا، جیسے جرائم اور اس جیسی چیزیں، مثلاً کسی چور یا ڈاکو کو اپنے گھر میں پناہ دے)۔

چھٹا: جو شخص حدود زمین کی علامات بدل ڈالے، وہ لعنتی ہے۔ اس سے ایسے نشانات مراد ہیں جو آپ اور آپ کے پڑوسی کی حدود ملکیت کو متعین کرتے ہیں اور ان نشانات کو بدلنے سے پڑوسیوں کا حق مارنا مقصود ہو۔

ساتواں: کسی متعین شخص پر یا عمومی طور پر گناہگار لوگوں پر لعنت کرنے میں فرق ہے۔ (پہلا ممنوع اور دوسرا جائز ہے، کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں، اور اس باب میں اصل بات یہ ہے کہ مطلقاً کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے)۔

آٹھواں: ایک مکھی کی وجہ سے جہنم میں جانے کا قصہ بہت عظیم ہے۔ (اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تب)۔

نواں: مکھی کا چڑھاوا چڑھانے والا جہنم رسید ہوا حالانکہ ایسا کرنے میں اس کا مقصد قطعاً شرک نہیں تھا، بلکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ (کیونکہ پچھلی امتوں میں اکراہ مقبول عذر نہیں مانا جاتا تھا)۔

دسواں: اہل ایمان کے ہاں شرک کس قدر سنگین جرم ہے کہ اس مومن نے قتل ہونا گوارا کر لیا، لیکن اہل صنم کا مطالبہ پورا نہ کیا، حالانکہ انہوں نے اس سے صرف ظاہری عمل کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ (جب اس کی موافقت اور صبر نہ کرنے کی وجہ سے اسلام کو نقصان پہنچے کا اندیشہ ہو تو صبر کرے، معلوم ہو کہ صبر کرنا کبھی کبھی واجب ہوتا ہے)۔

گیارہواں: ان دونوں میں سے شرک کا ارتکاب کر کے جہنم میں جانے والا شخص مسلمان تھا۔ اگر وہ کافر ہوتا تو آپ ﷺ یوں نہ فرماتے کہ "وہ ایک مکھی کے سبب جہنم میں گیا"۔

بارہواں: اس حدیث میں ایک دوسری صحیح حدیث کی تائید ہے کہ **"جنت اور جہنم تمہارے ایک کے، اس جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے"**۔ (اور اس حدیث کا مقصد لوگوں کو ترغیب دلانا اور ڈرانا ہے)۔

تیرھواں: بشمول بت پرست ہر ایک کے نزدیک قلبی عمل سب سے زیادہ اہم اور مقصود اعظم ہوتا ہے۔ (دلوں کی بیماری کی دوا کتاب وسنت ہے، لہٰذا اپنے دلوں کو دنیا میں مشغول کرنے سے بچیں)۔

جب کسی انسان کو کفر کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے کیا مناسب ہے؟ صبر کرے اور قتل ہو جائے، یا پھر بظاہر اس کی موافقت کرے اور دل میں اس کی تاویل کر لے؟

١. ظاہری اور باطنی دونوں طور پر اس کی موافقت کر لے۔ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اسلام سے مرتد ہو جانا ہے۔

٢. ظاہری طور پر اس کی موافقت کر لے (باطنی نہیں) اور مقصد اس اکراہ اور زبردستی سے گلو خلاصی ہو۔ ایسا کرنا جائز ہے۔

٣. نہ تو ظاہری اور نہ ہی باطنی طور پر اس کی موافقت کرے بلکہ قتل ہو جانے کو ترجیح دے۔ ایسا کرنا جائز ہے اور یہ صبر میں داخل ہے اور یہ اس صورت میں جب اکراہ کی موافقت کرنے سے عمومی طور پر دین کو نقصان پہنچتا ہو، ورنہ (بہتر ہے کہ) صرف ظاہری طور پر موافقت کر لے۔

[۱۱] جس جگہ پر غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اس جگہ پر (اللہ تعالیٰ کے نام پر بھی) ذبح کرنا جائز نہیں

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی حسن ترتیب کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا عام حکم بیان کرنے کے بعد اس جگہ پر ذبح کرنے کا حکم بیان کر رہے ہیں جس جگہ پر غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا جاتا ہو، تو اس جگہ پر اللہ کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں ہے، جیسے کوئی ایسی جگہ جہاں بتوں کے لیے ذبح کیا جاتا ہو وہاں اللہ کی خاطر قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔
اس کی مندرجہ ذیل حکمتیں ہیں:

۱. اس میں کفار کی مشابہت ہے۔
۲. اس عمل میں ایک طرح کا دھوکا ہے، کیونکہ اس سے یہ گمان ہو گا کہ مشرکین کا عمل جائز ہے۔
۳. اس کے ذریعہ مشرکین کے فعل کو تقویت ملے گی، جبکہ ممنوع، اور شرعا اس کی تردید مقصود ہے نہ کہ تشجیع و تقویت۔

پہلی دلیل:

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَا تَقُمۡ فِيهِ أَبَدٗا﴾. (آپ کبھی اس (مسجد ضرار) میں (عبادت کے لیے) کھڑے نہ ہوں)۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا آیت کریمہ کو اس باب میں ذکر کرنے کا سبب:

مسجد ضرار چونکہ معاصی، مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی غرض سے قائم کی گئی تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس میں کھڑے ہونے یعنی عبادت کرنے سے منع فرمادیا، جبکہ اس میں بھی نماز صرف اللہ کے لیے ہی پڑھی جاتی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہو وہاں اللہ کی عبادت نہیں کی جائے گی، گرچہ اس کو زائل ہی کیوں نہ کر دیا گیا ہو۔ اور جس طرح نماز عبادت ہے اسی طرح ذبح کرنا بھی عبادت ہے، اور جس طرح غیر شرعی جگہ پر نماز درست نہیں اسی طرح ذبح کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ ایسا کرنے سے اس جگہ کی تعظیم اور مشرکین سے مشابہت ہوتی ہے۔
اور اسی سے ملتی جلتی چیز، سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کرنا ہے، کیونکہ اس وقت کفار سورج کی پرستش کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں زمانہ اور وقت کے لحاظ سے منع کیا گیا ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں مکان (جگہ) کے لحاظ سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا زمان و مکان پر قیاس کیا جائے گا۔

دوسری دلیل:

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے بوانہ نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی، چنانچہ اس نے (اس کے متعلق) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی ایسا بت تھا جس کی پوجا کی جاتی رہی ہو؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: نہیں۔**

آنحضرت ﷺ نے مزید پوچھا: "کیا وہاں مشرکین کا کوئی میلہ لگتا تھا؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنی نذر پوری کر لو۔ یاد رکھو! جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی ہو اور وہ نذر جس کو پورا کرنا انسان کی وسعت میں نہ ہو، اس کی وفا اور ادائیگی جائز نہیں"۔ (اسے ابو داود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے)۔

نذر: لغت میں: عہد و پیمان اور لازم کر لینے کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں: بندے کا اپنے اوپر کسی ایسی چیز کا لازم کر لینا جو اس پر لازم نہیں ہے۔

اللہ کے لیے نذر ماننا:

غیر اللہ کے لیے نذر ماننا (یہ شرک اکبر ہے):
جیسے کوئی صرف لفظاً غیر اللہ کی قسم کھا لے، یہ نذر منعقد نہیں ہو گی (یعنی اس کو پورا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کا کوئی کفارہ ہے، وہ بس اللہ کے حضور توبہ و استغفار کرے)۔

خاص نذر: جیسے کوئی کسی متعین چیز کی نذر مانے۔

عام نذر: اس میں ہر مسلمان داخل ہے ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (وہ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں) کیونکہ مسلمانوں نے اوامر بجالانے اور نواہی ترک کرنے کی نذر مانی ہے۔

نذر ماننے اور منعقد ہونے کے بعد:
یا تو اس کو پورا کرے یا قسم کا کفارہ ادا کرے۔

نذر ماننے اور منعقد ہونے سے قبل: اس کا حکم: یہ حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اگر اس میں خیر ہوتا تو نبی ﷺ نے خود بھی نذر مانی ہوتی۔

نذر طاعت کی ہو: اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور اگر پورا نہ کرے تو اس پر کفارہ لازم ہے (جیسے کوئی نفل نماز پڑھنے کی نذر مانے)۔

نذر معصیت کی ہو: اس کو پورا کرنا حرام ہے، اور واجب ہے کہ نذر توڑ کر کفارہ ادا کرے (جیسے کوئی حرام کام بطور مثال غیبت کرنے کی نذر مانے)۔

مباح ہو: اس کو اختیار ہے چاہے تو نذر پوری کرے (اور یہ اولی ہے) یا کفارہ ادا کرے (جیسے کوئی خاص کپڑا پہننے کی نذر مانے)۔

غصہ کی حالت میں مانی ہوئی نذر: یہ مباح نذر کی طرح ہے، جو قسم کے معنی میں لیا جائے گا (جیسے شہر چھوڑنے کی نذر مانے)۔

مکروہ نذر: اس نذر کو پورا کرنا مکروہ جبکہ اس کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا مستحب ہے (جیسے کوئی نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی نذر مانے)۔

نذر مطلق: کسی چیز کی تعیین کیے بغیر نذر مانے، تو اس میں کفارہ ہے (جیسے کوئی کہے: اللہ کی خاطر میں نذر مانتا ہوں، اور خاموش ہو جائے)۔

- نذر اگر اللہ کی خاطر ہو تو وہ منعقد ہو گا: اب یا تو اس کو پورا کرے یا پھر اسے توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔
- نذر اگر غیر اللہ کی خاطر ہو تو منعقد نہیں ہو گا: اس کو نہ تو پورا کرے اور نہ ہی اس کا کوئی کفارہ ادا کرے، بلکہ اللہ کے حضور توبہ واستغفار کرے (یادر ہے! ایسا کرنا شرک اکبر ہے)۔

مسائل:

پہلا: آیت مبارکہ ﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ﴾ (آپ کبھی اس (مسجد ضرار) میں (عبادت کے لیے) کھڑے نہ ہونا) کی تفسیر۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت و معصیت بعض اوقات زمین پر بھی اثر انداز ہوتی ہے (چونکہ اس زمین پر شرکیہ اعمال انجام دیے جا رہے تھے، لہٰذا مشرکین کی مشابہت سے بچنے کی خاطر ایسے عمل کو حرام قرار دیا گیا جس میں شرک کی مشابہت ہو).

تیسرا: کسی مشکل مسئلہ کو سمجھانے کے لیے واضح مسئلہ پیش کرنا چاہیے، تاکہ کوئی اشکال باقی نہیں رہے۔

چوتھا: بوقت ضرورت، مفتی سائل سے تفصیلات اور وضاحتیں طلب کر سکتا ہے (یا اسی طرح تفصیلی جواب دے سکتا ہے).

پانچواں: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خاص مقام کو منت اور نذر ماننے کے لیے مخصوص کرنے میں کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو (لیکن اگر یہ ڈر ہو کہ عوام یہ سمجھنے لگے گی کہ اس جگہ کی کوئی خاصیت ہے تو پھر ممنوع ہو گا).

چھٹا: جس مقام پر دور جاہلیت میں کوئی "وثن (بت)" رہا ہو، وہاں نذر پوری کرنا منع ہے، خواہ اب اسے وہاں سے ختم کر دیا گیا ہو۔

ساتواں: کسی ایسی جگہ پر بھی نذر پوری نہیں کی جاسکتی، جہاں مشرکین کا کوئی میلہ یا تہوار منایا جاتا رہا ہو، اگرچہ اب وہ سلسلہ بند ہی ہو چکا ہو۔

آٹھواں: اگر کسی نے مشرکین کے بت یا تہوار والے مقام کی نذر مانی ہو تو اسے پورا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ نافرمانی کی نذر ہے جو جائز نہیں۔

نواں: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تہوار میں بھی مشرکین کی مشابہت سے بچنا چاہیے، اگرچہ مشرکین کی مشابہت کرنا مسلمان کا مقصود نہ بھی ہو (شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا صریح فتویٰ ہے کہ مشابہت کے لیے قصد وارادہ شرط نہیں ہے، البتہ ایسا اگر قصدا کیا جائے تو زیادہ گنہگار ہو گا)۔

دسواں: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی نذر باطل ہے (مطلب یہ ہے کہ نذر منعقد تو ہو گی لیکن اسے پورا نہیں کیا جائے گا)۔

گیارہواں: جو امر انسان کی وسعت وطاقت میں نہ ہو اس کی نذر ماننا بھی ناجائز اور غلط ہے (یعنی اس کو پورا نہیں کیا جائے گا، اور جس پر انسان قدرت نہیں رکھتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

[۱] شرعی طور پر قدرت نہ رکھتا ہو: جیسے کوئی کہے کہ: میں اللہ کی خاطر یہ نذر مانتا ہوں کہ فلاں آدمی کے غلام کو آزاد کروں گا۔ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اسکی ملکیت میں نہیں ہے۔

[۲] طبعی طور پر قدرت نہ رکھتا ہو: جیسے کوئی کہے میں اللہ کی خاطر یہ نذر مانتا ہوں کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اڑوں گا۔ یہ نذر منعقد نہیں ہو گی کیونکہ وہ اسکی طاقت وقدرت سے باہر ہے)۔

اللہ کی خاطر نذر ماننے کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے:

- اس کو اختیار دیا جائے گا کہ: یا مسلم غلام آزاد کرے، یا دس مسکین کو کھانا کھلائے، یا دس مسکین کو کپڑا پہنائے۔
- اگر اس کی طاقت نہ ہو تو لگاتار تین دن تک روزہ رکھے۔

[۱۲] غیر اللہ کی نذر و نیاز ماننا شرک ہے

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں)۔

[۲] نیز ارشاد ہے: ﴿وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُهُۥ﴾ (اور تم (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) جو کچھ بھی خرچ کرو یا جو بھی نذر مانو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے)۔

دونوں آیتوں کی باب سے مناسبت یوں ہے کہ نذر ان اسباب میں سے ہے جن کی وفا کے ذریعہ نیکوکار جنت میں جائیں گے، اور چونکہ یہ عبادت ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ صرف اللہ کے لیے کی جائے اور غیر اللہ کے لیے اسے انجام دینا شرک ہے۔

تیسری دلیل:

اور صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ»، "جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت کی نذر مانے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے"۔

اللہ کی اطاعت، اللہ کی معصیت اور غیر اللہ کے لیے نذر ماننے میں فرق:

اللہ کی اطاعت کی نذر ماننا:	اللہ کی معصیت کی نذر ماننا:	غیر اللہ کی نذر ماننا:
جیسے اللہ کی قسم کھانا، یہ منعقد ہو گا (یعنی اس کو یا تو پورا کرے یا پھر کفارہ دے)۔ اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔	جیسے اللہ کی قسم کھانا، یہ منعقد ہو گا لیکن اس کو پورا کرنا حرام ہے، بلکہ اس کا کفارہ دے۔	جیسے غیر اللہ کی قسم کھانا، یہ منعقد نہیں ہو گا، ایسا شخص توبہ کرے، کیونکہ یہ شرک اکبر ہے۔

مسائل:

پہلا: نذر پوری کرنا واجب ہے (لیکن یاد رہے اطاعت کی نذر فقط جو اللہ کے لیے مانی گئی ہو)۔

دوسرا: جب یہ ثابت ہو چکا کہ نذر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے تو پھر اسے غیر اللہ کے لیے ماننا اور سر انجام دینا شرک ہے۔

تیسرا: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو نذر معصیت پر مبنی ہو، اسے پوری کرنا جائز نہیں (اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے)۔

ضروری نوٹ:

نذر اور قسم کے احکام لگ بھگ ایک جیسے ہیں، اور اسی لیے فقہاء ان دونوں کے مسائل "باب الأیمان والنذور" کے تحت ذکر کرتے ہیں۔

[۱۳] غیر اللہ سے پناہ طلب شرک ہے۔
(یعنی ایسی چیزوں میں جن پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے)

پہلی دلیل:

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلۡإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ ٱلۡجِنِّ فَزَادُوهُمۡ رَهَقًا﴾ (اور یہ کہ بعض لوگ جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے تو ان جنوں نے انسانوں کو مزید خوف میں مبتلا کر دیا)۔

- ﴿يَعُوذُونَ﴾: یعنی اس کی پناہ پکڑتے تھے، ''عیاذ'' کہتے ہیں ایسی چیز میں پناہ مانگنا جس سے ڈرا جائے، اور ''لیاذ'' کہتے ہیں ایسی چیز میں پناہ مانگنا جس کی امید ہو۔
- ﴿فَزَادُوهُمۡ رَهَقًا﴾: دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیتے تھے، ''رہق'' کہتے ہیں بدن میں ڈر سما جانے کو، غیر اللہ کی پناہ، پناہ مانگنے والے کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتی بلکہ اسے مزید خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔، اور چونکہ یہ شرک اکبر ہے، لہٰذا اس کے مقصود کے برعکس چیز کے ذریعے اسے سزا دی گئی۔

دوسری دلیل:

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ: (أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْحَلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذَلِكَ»، ''جو شخص کسی جگہ ٹھہرے اور یہ دعا پڑھ لے: (أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ) (میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ مانگتا ہوں) تو اس کے وہاں سے روانہ ہونے تک اسے کوئی چیز ضرر نہ پہنچا سکے گی''۔

- «مَنْزِلًا»: کسی جگہ دائمی قیام کی غرض سے اترنا یا وقتی (جیسے کشتی میں سوار ہونا)۔
- «أَعُوذُ»: میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں «بِكَلِمَاتِ اللهِ» اللہ کے کلمات کے ذریعے خواہ اللہ کے وہ کلمات کونی ہوں یا شرعی۔
- «التَّامَّـاتِ» (مکمل) کا مطلب ہے: [۱] وہ کلمات خبر دینے میں سچے ہیں [۲] وہ کلمات احکام میں عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔
- «شَرِّ مَـا خَلَـقَ»: شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شر کو حکمت کے تحت پیدا کیا ہے، اور یاد رہے مخلوق کے تئیں اللہ کی حکمتوں کی کئی قسمیں ہیں:

  [۱] جن میں صرف بھلائی ہی بھلائی ہے، جیسے: جنت، رسول اور فرشتے۔

  [۲] جن میں صرف برائی ہی برائی ہے، جیسے: جہنم اور ابلیس (وجودی اعتبار سے)، ورنہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے لہذا ان میں بھی خیر ہے۔

  [۳] جن میں بھلائی اور برائی دونوں ہیں، جیسے: انسان، جنات اور حیوانات۔
- «لَمْ يضره شَيْءٌ» (اسے کوئی چیز ضرر نہ پہنچا سکے گی): یہ ایسی خبر ہے جس سے دعا پڑھنے والے کو فائدہ نہ ہونا ناممکن ہے، کیونکہ یہ صادق مصدوق کا کلام ہے، لیکن اگر کبھی یہ (دعا) سود مند نہ ہو تو وہ کسی مانع کی بنا پر ہوگا سبب اور خبر (حدیث) میں کوئی کمی یا نقص کے سبب نہیں، مثلاً سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بیماری سے شفایابی کا سبب ہے لیکن کبھی کبھی انسان سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے لیکن مریض کو شفایابی نہیں حاصل ہوتی ہے (تو یہ کسی مانع کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ سبب میں کمی کی وجہ سے)۔

مسائل:

پہلا: سورۂ جن کی آیت کی تفسیر (﴿وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ ٱلْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا﴾) (اور یہ کہ بعض لوگ جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے تو (اس طرح) انکی سرکشی اور بڑھ گئی تھی)۔

دوسرا: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ غیر اللہ کی پناہ لینا شرک ہے (اور شرک سے مراد "شرک اکبر" ہے، یعنی ایسی چیزوں میں غیر اللہ کی پناہ طلب کرنا جن پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے)۔

تیسرا: مذکورہ بالا حدیث سے علماء سلف نے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات مخلوق نہیں ہیں، کیونکہ مخلوق سے پناہ مانگنا شرک ہے (اس طرح کے معاملات میں شرک "شرک اکبر" ہو گا، اور اگر یہ کلمات، اللہ کی مخلوق ہوتے تو رسول اکرم ﷺ ان سے پناہ طلب کرنے کی ہر گز رہنمائی نہ فرماتے)۔

چوتھا: اس سے اس دعا کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے، گرچہ یہ ایک مختصر سی دعا ہے (نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ: "جب تک اس جگہ رہو گے کوئی بھی چیز تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی")۔

پانچواں: کسی عمل سے کسی دنیاوی فائدہ کا حصول، مثلاً کسی کے شر سے تحفظ یا کسی منفعت کا حصول، اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عمل شرک نہیں (لہذا کسی چیز سے فائدہ کا حصول اس کے شرک ہونے کی نفی نہیں کرتا ہے، بلکہ عین ممکن ہے کہ فائدہ کے حصول یا شر سے بچاؤ کے باوجود بھی وہ شرک ہو)۔

دیگر فوائد:

حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت جب جاہلیت والے کسی امر کو باطل قرار دیتی ہے تو اس کی جگہ بہتر متبادل بھی بتاتی ہے، جیسے یہاں ہے کہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں جنوں سے پناہ مانگا کرتے تھے تو شریعت نے اس کو ان کلمات سے بدل دیا۔

اور یہ بہترین ہے جس کا خیال دعاۃ کو رکھنا چاہیے کہ وہ جب عوام میں پائی جانے والی کسی برائی کا دروازہ بند کریں تو حتی المقدور اس کے متبادل کوئی بہتر طریقہ بھی بتلائیں۔ اور اس طرح کی مثالیں کتاب و سنت میں بھری پڑی ہیں۔

[۱۴] غیر اللہ سے فریاد کرنا یا انہیں پکارنا شرک ہے

ایک سے لے کر پانچ تک دلائل:

[۱] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ ٱلظَّالِمِينَ ۝١٠٦ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ﴾ الآيَة. (اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ کچھ تمہارا بھلا کر سکے اور نقصان، اگر تم ایسا کروگے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تمہیں کوئی مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں)۔

[۲] نیز ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَٱبْتَغُوا۟ عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزْقَ وَٱعْبُدُوهُ﴾ الآيَة. (پس تم اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی بندگی کرو)۔

[۳] اور فرمایا اللہ ﷻ نے: ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُۥٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ﴾ الآيَتَيْن. (اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے)۔

[٤] اور فرمایا: ﴿أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ﴾ الآيَة. (جب کوئی بے قرار فریاد کرے تو کون ہے جو اس کی پکار اور فریاد کو سنے؟ اور (کون اس کی) تکلیف دور کرتا ہے؟)

[۵] اور طبرانی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ: نبی ﷺ کے زمانے میں ایک منافق، مومنین کو (بہت) ایذائیں دیا کرتا تھا، چنانچہ صحابہ نے مشورہ کیا کہ چلو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے گلو خلاصی کے لیے استغاثہ (فریاد) کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي، وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللهِ**». (دیکھو! مجھ سے استغاثہ (فریاد) نہیں کیا جاسکتا، بلکہ استغاثہ (فریاد و پکار) صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے)۔

- ﴿وَلَا تَدْعُ﴾ (نہ پکارو): اس سے مراد وہ دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ ہے جس پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے۔
- ﴿عِندَ ٱللَّهِ﴾ (اللہ کے نزدیک): جس کو مقدم ہونا چاہیے اس کو مؤخر کرنا حصر (اور اختصاص) کا فائدہ دیتا ہے، یعنی صرف اللہ ہی سے رزق طلب کرو کیونکہ حالت یہ ہے کہ رزق صرف اللہ ہی کے پاس ہے نہ کہ اس کے سوا کسی اور کے پاس، یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے رزقوں کے مالک نہیں ہیں، کیونکہ مالک ہے تو صرف اللہ ہے لہٰذا مالک حقیقی سے ہی روزی طلب کرو۔

- ﴿وَٱعۡبُدُوهُ﴾: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طلب رزق اور اس کے اسباب میں سے یہ ہے کہ بندہ عبادت کو لازم پکڑے۔
- ﴿وَٱشۡكُرُواْ لَهُۥٓ﴾: کیونکہ نعمت ایک طرح کی آزمائش ہے لہذا دل، زبان اور اعضاء وجوارح سے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔
- ﴿يُجِيبُ﴾: کسی ایسے شخص سے پریشانیوں کو دور کرنے اور ضرورتوں کے پوری کرنے کا سوال نہیں کیا جائے گا جو اس کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔
- ﴿مُنَافِقٌ﴾: منافق اس کو کہتے ہیں جو دل میں کفر چھپائے ہوئے باہری طور پر اسلام کا اظہار کرے، اور (مسلمانوں کو) ایذا پہنچانا اس کی فطرت ہوتی ہے۔

رزق کی قسمیں:

عام: یہ ہر مخلوق کے لیے (عام) ہے خواہ وہ حلال ہو یا حرام۔	**مومنوں کے ساتھ خاص:** یہاں اس سے مراد ایمان، تقویٰ اور عمل صالح ہے۔

مسائل:

پہلا: اس سے ثابت ہوا کہ دعا عام ہے اور استغاثہ خاص، لہذا استغاثہ کے بعد دعا کا ذکر کرنا "عطف العام علی الخاص" ہے۔

دوسرا: اس سے آیت مبارکہ ﴿وَلَا تَدۡعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ (کی تفسیر بھی معلوم ہوئی)۔

تیسرا: غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے فریاد کرنا شرک اکبر ہے۔

چوتھا: کوئی انتہائی نیک و برگزیدہ شخص بھی اگر غیر اللہ کو اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کی غرض سے پکارے تو وہ بھی ظالموں میں سے ہوگا۔ (نبی کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کی حالت دیکھتے ہوئے ان سے اس طرح کے فعل کے صدور کا گمان نہیں، تو بھلا جس سے اس طرح کے فعل کا صدور عین ممکن ہو وہ بدرجۂ اولیٰ اس میں داخل ہوگا)۔

پانچواں: اس سے آیت کریمہ (﴿وَإِن يَمۡسَسۡكَ ٱللَّهُ بِضُرّٖ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ﴾) کے بعد والی آیت مبارکہ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی کہ جب اللہ کے سوا کوئی پریشانیوں کو دور کرنے والا نہیں ہے تو عبادت اسی کے لیے ہو اور استغاثہ (فریاد) بھی۔

چھٹا: معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا کفر ہے اور یہ عمل دنیا میں بھی لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا (تو ایسا کرنے والا دنیا و آخرت دونوں جگہ خائب و خاسر ہوا)۔

ساتواں: اس تفصیل سے تیسری آیت مبارکہ (﴿فَٱبۡتَغُواْ عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزۡقَ وَٱعۡبُدُوهُ﴾) کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے۔

آٹھواں: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے روزی طلب نہیں کرنی چاہیے، جیسا کہ اس کے سوا کسی سے طالب جنت بھی نہیں ہونا چاہیے۔

نواں: اس سے چوتھی آیت (﴿وَمَنۡ أَضَلُّ مِمَّن يَدۡعُواْ مِن دُونِ ٱللَّهِ﴾) کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے۔

دسواں: جو شخص غیر اللہ کو پکارے، یا اس سے فریاد کرے، اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں (کیونکہ استفہام یہاں نفی کے معنی میں ہے)۔

گیارھواں: اللہ تعالیٰ کے سوا جنہیں پکارا جاتا ہے وہ پکارنے والے کی پکار سے بے خبر ہیں، وہ نہیں جانتے کہ انہیں کوئی پکار رہا ہے۔

بارھواں: اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کو پکارا جاتا ہے وہ اس پکار کے سبب قیامت کے دن پکارنے والے کا دشمن ہو گا۔

تیرھواں: غیر اللہ کو پکارنا در حقیقت اس کی عبادت کرنا ہے۔

چودھواں: جن کو پکارا جاتا ہے وہ قیامت کے دن اس پرستش کا انکار کر دیں گے (اس کا رد کرتے ہوئے انکار کریں گے)۔

پندرھواں: غیر اللہ کو پکارنے کے سبب ہی وہ شخص سب سے زیادہ گمراہ کہلاتا ہے ([۱] کیونکہ وہ ان کو پکار رہا ہے جو اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے [۲] جن کو وہ پکار رہا ہے وہ اس کی پکار سے غافل ہیں [۳] ان کی عبادت کی وجہ سے یہ کافر ٹھہرا)۔

سولھواں: اس سے پانچویں آیت (﴿أَمَّن يُجِيبُ ٱلۡمُضۡطَرَّ إِذَا دَعَاهُ﴾) کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے۔

سترھواں: حیران کن بات تو یہ ہے کہ بتوں کے پجاری (اور ان کو پکارنے والے بھی اعتراف کرتے ہیں کہ پریشان و بے قرار آدمی کی پکار کو صرف اللہ ہی سنتا ہے اور وہی نجات دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مشکلات میں وہ بھی خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

اٹھارھواں: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے مکمل طور پر چمن توحید کی حفاظت فرمائی اور (امت کو) اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی ادب واحترام کی تعلیم دی (چنانچہ آپ نے امت کو یہ تعلیم دی کہ شدائد کے وقت صرف ایک اللہ کی طرف ہی رجوع کریں اور استغاثہ (فریاد) بھی اسی ایک اللہ سے کریں)۔

دوسری قسم کا امتحان (۹ ابواب)

پہلا سوال: نذر کے مندرجہ ذیل اقسام کے مابین فرق ذکر کریں:

طاعت کی نذر	معصیت کی نذر	غیر اللہ کی نذر
....	....	....
....	....	....
....	....	....

دوسرا سوال: مندرجہ ذیل احکام کے لیے مناسب نمبر اختیار کرکے ہر ایک عمل کا حکم بیان کریں:
جائز (۱)، مکروہ (۲)، صغیرہ (۳)، کبیرہ (۴)، شرک اصغر (۵)، شرک اکبر (۶)، اس میں تفصیل ہے (۷)، واجب (۸)، مستحب (۹).

بیوی سے محبت کرنا	......	نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے محبت کرنا	......
اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور سے بھی محبت کرنا	......	اہل کتاب کے کفر میں شک کرنا	......
نظر بد دور کرنے کی خاطر قرآن چھونا	......	جس نے تانت لٹکایا اس کے حق میں بددعا کرنا	......
کسی متعین شخص پر لعنت کرنا	......	ویڈنگ رنگ پہننا	......
تعویذ لٹکانا	......	نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے حجرہ کو چھونا	......
ہڈی یا لید سے استنجاء کرنا	......	نذر کے لیے کسی جگہ کو خاص کرنا	......
قرآن کریم کی تلاوت سے تبرک حاصل کرنا	......	کفار کے تیوہاروں میں شرکت کرنا	......
مخلوق سے فریاد کرنا	......	جنات سے خوف کھانا	......
غیر اللہ کی نذر ماننا	......	قرآن کریم کی آیات لٹکانا	......
معصیت کی نذر	......	قرآنی آیات کی تعویذ لٹکانا	......
جوتا یا چیتھڑ الٹکانا	......	غیر عربی زبان میں دَم کرنا	......
زینت کی خاطر دھاگا لٹکانا	......	اللہ کے ناموں کو غیر عربی زبان میں ادا کرنا	......
حجر اسود کو چھونا	......	شفایابی کی نیت سے زم زم پینا	......
مصلحت کی خاطر مال تلف کردینا	......	مسجد ضرار کے محل وقوع کا پتہ لگانا	......
«ہم رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے استغاثہ کرینگے» کہنا	......		

تیسرا سوال: ☒ کی علامت مناسب جگہ میں لگائیں یا عبارت مکمل کریں:

۱. توحید کی تفسیر: ☐ دوسرے باب ☐ چھٹے باب ☐ مذکورہ دونوں باب میں ہے۔

۲. اس عنوان کی شرح اس باب سے لے کر: □ آخر کتاب تک □ آخر قسم تک ہے۔

۳. مؤلف رحمہ اللہ نے توحید کی تفسیر: □ اس کی ضد ذکر کرکے کی ہے □ واضح امور کے ذریعہ کی ہے □ مذکورہ سبھی۔

۴. کتاب کی دوسری قسم کتنے ابواب پر مشتمل ہے؟: □ ۵ □ ۹ □ ۷۔

۵. ﴿يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ﴾ یعنی: ....

۶. محبت کی اقسام: ۱-..................................اس کا حکم..................................

۲-.......................اور اس کا حکم ....۳-.....................اور اس کا حکم ....

۷. اللہ کے لیے محبت ان چیزوں میں ہوگی.............اور...........اور....................اور....................

۸. قرآنی تعویذ کی حرمت کے اسباب: ۱-...............................۲-..................................

۳-...۴-..

۹. جائز جھاڑ پھونک کی شرطیں: ۱-..

۲-...۳-..

۱۰. آیت کریمہ ﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا﴾ کا باب (لَا يُذْبَحُ للهِ بِمَكَانٍ يُذْبَحُ فِيهِ لِغَيْرِ اللهِ) میں ذکر کرنے کا سبب ....

۱۱. آیت کریمہ ﴿يُوفُونَ بِٱلنَّذْرِ﴾ کا باب (مِنَ الشِّرْكِ النَّذْرُ لِغَيْرِ اللهِ) میں ذکر کرنے کا سبب ....

۱۲. نذر کی شرعی تعریف: ....

۱۳. نذر منعقد ہوگی کا مطلب ہے: ....

۱۴. «فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ» یعنی: ....

۱۵. «بُوَانَة» یعنی: ....، «لَا يَجُوزُهُ» یعنی: ....

۱۶. مسجد ضرار کفر کے لیے بنائی گئی تھی اور.................، اور ....، اور..................

۱۷. جہاں غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جاتا ہو وہاں اللہ کے لیے ذبح کیوں نہیں کیا جائے گا؟ ۱ - ....

۲ - .... ۳- ....

۱۸. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا: «لَا يُسْتَغَاثُ بِي»؟ ....

۱۹. «آوَى» یعنی: ....، «مُحْدِثًا» یعنی: .... یا ....

۲۰. «لَعَنَ وَالِدَيْهِ» یعنی: .... یا..................................

۲۱. ﴿وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾ یعنی: .... یا.................................

۲۲. ﴿أَفَرَءَيْتُمُ﴾ یعنی: ....، ﴿ٱللَّٰتَ﴾ یعنی: ....

۲۳. ﴿وَٱلْعُزَّىٰ﴾ یعنی: ....، ﴿وَمَنَوٰةَ﴾ یعنی: .... یا...........

۲۴. «أَعُوذُ» یعنی: ....، «بِكَلِمَاتِ اللهِ» یعنی:.............................

۲۵. تبرک کی قسمیں ہیں: ۱- .... ۲- ....
اور ان کے مابین ہم اس طرح فرق کریں گے ....
۲۶. جہالت کی وجہ سے معذور سمجھے جانے والے لوگوں کی قسمیں: ۱- ....
۲- ....
۲۷. جو نماز پڑھتا ہے، زکاۃ دیتا ہے اور روزہ بھی رکھتا ہے مگر قبروں پر جا کر سجدہ بھی کرتا ہے، تو ایسا کرنا:
☐ کفر اکبر ہے ☐ کفر اصغر ☐ کبیرہ گناہ ہے ☐ وہ منافق ہے۔
۲۸. شرک اکبر کی قسمیں ہیں: ☐ ۳ قسمیں ☐ ۴ قسمیں ☐ دو قسمیں۔
۲۹. ذبح کی قسمیں ہیں: ☐ ۳ قسمیں ☐ ۴ قسمیں.
۳۰. ﴿إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُونَ ٢٦ إِلَّا ٱلَّذِي فَطَرَنِي﴾ ان آیات میں: ☐ "لا الہ الا اللہ" کا معنی موجود ہے۔
☐ کہ خالق ہی عبادت کا مستحق ہے ☐ بتوں کی عاجزی ☐ مذکورہ سبھی چیزیں ہیں.
۳۱. ﴿أَحۡبَارَهُمۡ﴾: ☐ ان کے علماء ☐ ان کے عبادت گزار بزرگان۔
۳۲. ﴿وَرُهۡبَٰنَهُمۡ﴾: ☐ ان کے عبادت گزار بزرگان ☐ ان کے علماء۔
۳۳. ﴿أَرۡبَابًا﴾ یہ: ☐ محبت میں ☐ طاعت میں: شریک ٹھہرانا ہے۔
۳۴. اسباب اختیار کرنے میں لوگوں کی اقسام: ☐ افراط و تفریط اور معتدل ☐ صحیح اور شرک اکبر و شرک اصغر۔
۳۵. نحر (قربانی) بدنی عبادتوں میں سب سے عظیم ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۳۶. گناہگار کو لعنت کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ ایسا کرنا عمومی طور پر ہو: ☐ صحیح ☐ غلط.
۳۷. مسلمان کو چاہیے کہ اپنی زبان کو ایک دوسرے پر لعن وطعن سے بچائے رکھے، اور یاد رہے لعنت اسی پر بھیجی جائے گی جو اس کا مستحق ہو گا یا تو نص ☐ عام کے ذریعہ جیسے کفار ☐ یا خاص کے ذریعہ جیسے سود خور ☐ مذکورہ سبھی۔
۳۸. وہ جگہیں جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کی خاطر تیار کی گئی ہوں، وہاں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، سوائے مسجد کے:
☐ صحیح ☐ غلط.
۳۹. ان جگہوں کو اگر طاعت والی جگہوں کے طور پر بدل دینا ممکن ہو تو بدل دیا جائے گا: ☐ صحیح ☐ غلط.
۴۰. مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی خاطر سفر کرنا صحیح ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۴۱. وہ جگہیں جہاں شرک انجام دیے جاتے تھے، اب ان جگہوں سے شرک کے آثار ختم ہو جانے کے بعد تذکیر اور یاد دہانی کی خاطر جانا صحیح ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۴۲. نبی ﷺ کی عبادت کا طریقہ معلوم کرنے کے لیے "غار حرا" جانا صحیح ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.
۴۳. "معراج" نبی ﷺ کے مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو کہتے ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط.
۴۴. جو شخص راستے کی ان نشانیوں کو مٹا دے جن سے لوگ راہ پاتے ہیں، تو وہ: ☐ ملعون ہے ☐ گناہگار ہے۔
۴۵. صالحین کی شان میں کمی اور ان کے فضل کا انکار کرتے ہیں: ☐ غلو کرنے والے ☐ جفا کرنے والے ☐ معتدل لوگ۔

چوتھا سوال: نذر کا حکم تفصیل کے ساتھ ذکر کریں:

اللہ کے لیے نذر ماننا: ....

غیر اللہ کے لیے نذر ماننا (یہ شرک اکبر ہے) ....

....

....

زبان سے ادا کرلینے کے بعد: ....

زبان سے ادا کرنے سے پہلے: ....

طاعت: ....

معصیت: ....

مباح: ....

غصہ کی حالت میں: ....

مکروہ: ....

مطلق: ....

پانچواں سوال: خانہ (ا) کے مناسب کلمات کو خانہ (ب) کے مناسب کلمات سے ملائیں:

نمبر	أ	ب
۱	نذر	اس کو "عزائم" بھی کہا جاتا ہے، دلیل سے ثابت ہے کہ جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو وہ جائز ہے۔
۲	منافق	وہ یہ گمان کرتے تھے کہ ایسا کرنے سے میاں بیوی کے مابین محبت بڑھتی ہے۔
۳	دَم اور جھاڑ پھونک	نظر بد سے بچنے کی خاطر بچوں کی گردنون میں لٹکایا جاتا ہے۔
۴	تولہ	اللہ کی طرف سے اس کا مطلب ہے: اللہ کی رحمت سے دور کر دینا۔
۵	تعویذ	مکلف کا اپنے اوپر غیر واجب چیز کو واجب کرلینا۔
۶	لعنت کرنا	جو کفر کو چھپائے رکھے اور اسلام ظاہر کرے، ایذا پہنچانا اس کی فطرت ہوتی ہے۔

تیسری قسم: اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا بطلان (۴ ابواب)

توحید کی تفسیر ذکر کرنے کے بعد مؤلف رحمہ اللہ علیہ نے بالترتیب چار ابواب کے ذریعے غیر اللہ کی عبادت کے بطلان کو دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔

- اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوقات کی عبادت کا بطلان حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنا بھی باطل ہے۔
- فرشتوں کی عبادت کا بطلان، جبکہ وہ انسانوں میں سے کچھ بہت ہی خاص لوگوں کو چھوڑ کر اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔
- غیر اللہ سے غیر شرعی شفاعت طلب کرنے کا بطلان کیونکہ شفاعت صرف اللہ کا حق ہے۔
- اللہ کے سوا کسی اور سے ہدایت کی توفیق طلب کرنے کا بطلان کیونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی اس کا مالک نہیں ہے۔

[۱۵] اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا﴾ الآيَةَ (کیا وہ ایسوں کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے کیونکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں) کا باب

- اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عاجزی کو بیان کیا ہے، نیز بطلان عبادت کے اسباب کو بھی ذکر کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

[۱] وہ کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کرتے ہیں، اور جو پیدا نہیں کرسکتا وہ عبادت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔
[۲] وہ عدم سے وجود میں لائے گئے اور پیدا کیے گئے ہیں، لہذا وہ خود دوسروں کے محتاج ہیں ابتدائی اور ہمیشگی دونوں طور پر، اور جو دوسروں کا محتاج ہو وہ داتا کیسے ہو سکتا ہے۔
[۳] وہ اپنے پکارنے والوں کی مدد نہیں کرسکتے   [۴] (بلکہ) وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔

دوسری دلیل:

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ﴾ الآيَةَ. (اور اللہ کو چھوڑ کر تم لوگ جن کو پکارتے ہو، وہ ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں ہیں)۔

- ﴿قِطْمِيرٍ﴾: یہ اس پتلی جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتی ہے۔

- اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا ہر ایک کی عبادت کو چند امور کے ذریعہ باطل قرار دیا ہے:

[۱] وہ کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ [۲] وہ سنتے نہیں ہیں۔

[۳] اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ سنتے ہیں تو وہ اس پکار کا جواب نہیں دے سکتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔

[۴] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو لے کر آئے گا جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی تھی تو وہ اپنے ساتھ کیے جانے والے شرک کا انکار کر دیں گے۔

تین سے چھ تک دلائل:

[۳] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ﴾ الآيَة. (اور اللہ کو چھوڑ کر تم لوگ جن کو پکارتے ہو، وہ ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں ہیں)۔

[۴] اور صحیح (بخاری) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: «شُجَّ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ، وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ»، "نبی ﷺ غزوۂ احد میں زخمی ہوگئے اور آپ ﷺ کے رباعی دانت شہید کر دیے گیے، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: «كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ؟» ("ایسی قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا ہے") تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ "(اے پیغمبر ﷺ!) اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں)"۔

[۵] اور صحیح (بخاری) ہی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ﷺ نے نماز فجر کی آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھایا تو «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کے بعد فرمایا: «اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا»، "یا اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما" تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ "(اے پیغمبر ﷺ!) اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں)"۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: "آپ ﷺ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بد دعا کر رہے تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ "(اے پیغمبر ﷺ!) اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں)"۔

[۶] اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ﴾، نازل ہوئی، تو آپ کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے: "اے قریش کی جماعت! یا اس

طرح کا کوئی اور کلمہ آپ نے فرمایا، اپنی جانوں کو خریدو (یعنی اپنے آپ کو بچالو) اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب! (اپنے آپ کو بچالو) اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آ سکوں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ! اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ! میرے مال سے جو چاہو مانگ لو، لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا"۔

- «شُجَّ»: الشَّجَّة: (شجۃ) خاص طور سے سر اور چہرے کے زخم کو کہتے ہیں۔
- «رَبَاعِيَتُهُ»: بیچ والے دونوں دانتوں کو "ثنایا" اور ان کے بعد والے دائیں اور بائیں طرف کے ایک ایک دانت کو رباعی کہا جاتا ہے۔
- اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ بشر (انسان) تھے اور ان کو بھی وہی (پریشانیاں) لاحق ہوتی تھیں جو ایک عام انسان کو لاحق ہوتی ہیں، اور جو پریشانیوں میں مبتلا ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا لہٰذا نبی ﷺ کی عبادت کرنا بھی باطل ہے۔
- اس میں عبرت پکڑنے والوں کے لیے عبرت ہے کہ کسی بھی انسان کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔
- «صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ، وَسُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو، وَالْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ»، ان تینوں (صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام) نے اسلام قبول کیا اور بڑی خوبی کے ساتھ اسلام پر جمے رہے، اس میں لمحۂ فکریہ ہے کہ عداوت کبھی بھی دوستی اور ولایت میں بدل سکتی ہے۔
- جس (بددعا) سے روکا گیا ہے، وہ:

[۱] نام کے ساتھ کسی کافر معین پر لعنت کرنا، لیکن عمومی طور پر ان پر لعنت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح کافروں پر اس طرح سے لعنت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم کہیں: اے اللہ! مسلمانوں کو ان سے راحت دے۔

[۲] عمومی طور پر سبھی کافروں کی ہلاکت کی بددعا کرنا، نبی ﷺ نے اس طرح سے عمومی طور پر کبھی ان پر بددعا نہیں فرمائی، اور اللہ نے ان کا باقی رہنا مقدر کیا (لکھ رکھا) تھا۔ (اور بعد میں انہیں میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا)۔

مسائل:

پہلا: دونوں آیتوں کی تفسیر (جن میں بتوں اور اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کا بطلان ہے)۔

دوسرا: جنگ احد کا تذکرہ (جس میں نبی ﷺ کی عبادت کا بطلان ہے تو دوسرے تو من باب اولی اس میں شامل ہیں کہ ان کی عبادت نہ کی جائے)۔

تیسرا: سید المرسلین ﷺ کا نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا اور آپ کے پیچھے بلند مرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آمین کہنا ثابت ہے (اس امت کا کوئی بھی شخص نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے مقابلے میں اللہ کے زیادہ قریب نہیں ہے، پھر بھی وہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، تو دوسرے لوگ اس عمل کے زیادہ محتاج ہیں کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں)۔

چوتھا: جن کے لیے بد دعا کی گئی وہ کافر تھے (اور نبی ﷺ ان کے کسی معاملے کا اختیار نہیں رکھتے تھے)۔

پانچواں: ان لوگوں نے ایسے ایسے کام سر انجام دیے جن کے کرنے سے دیگر کفار بھی قاصر رہے۔ مثلا ان کا اپنے نبی کو زخمی کرنا اور ان کے قتل کے درپے ہونا اور مسلمان شہداء کا مثلہ کرنا حالانکہ وہ (شہداء) ان کے رشتہ دار بھی تھے۔

چھٹا: ان کفار کی اس بدسلوکی اور نبی ﷺ کی بد دعا کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (جس کا مطلب ہے کہ سبھی امور اللہ ہی کے اختیار میں ہیں)۔

ساتواں: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کو معافی دیدے گا یا انہیں عذاب دے گا کیونکہ یہ لوگ ظالم ہیں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی دی اور وہ ایمان لے آئے۔

آٹھواں: اس سے نزول حوادث کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے (انہیں امور میں قنوت نازلہ پڑھنا مشروع ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہوں، جیسے زلزلہ)۔

نواں: جن پر بد دعا کی جا رہی ہے نماز میں ان کا اور ان کے آباء و اجداد کا نام لینا (جائز ہے)۔

دسواں: قنوت نازلہ میں کسی متعین شخص کا نام لے کر لعنت کرنا (پہلے جائز تھا پھر بعد میں اس سے روک دیا گیا)۔

گیارھواں: آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ کے نزول کے موقع پر آپ ﷺ کا اپنے خاندان کے لوگوں کو ڈرانا (یہ اللہ رب العالمین کے حکم کو عملی جامہ پہنانا تھا)۔

بارھواں: نبی ﷺ نے جب دعوت توحید دی تو آپ کو مجنوں کہا گیا۔ اسی طرح آج بھی اگر کوئی دعوت توحید دے تو اسے بھی ایسے ہی القاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے (لہذا حکمت کے ساتھ (بنا کسی کی پرواہ کیے) دعوت الی اللہ کا کام کرتے رہنا چاہیے)۔

تیرھواں: نبی ﷺ کا اپنے قریبی اور دور کے رشتہ داروں سے یہ فرمانا کہ **"اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا"** یہاں تک کہ یہی بات آپ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہی کہ **"اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا"** جب آپ سید المرسلین ہونے کے باوجود اپنی لخت جگر سارے جہاں کی عورتوں کی سردار فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا جبکہ انسان کا ایمان ہے کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، تو اب اس کی روشنی میں آج کل کے حالات کو دیکھیے کہ اس بیماری میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی مبتلا ہیں، غور کرنے والے پر صحیح توحید اور دین کی اجنبیت عیاں ہو جائے گی (نبی ﷺ کی نسبت اسی صورت میں فائدہ دے گی جب ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا اتباع کریں، پھر یہ بھی یاد رہے کہ مومن کا نبی ﷺ سے محبت کرنا ایسی طے شدہ بات ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کے باوجود کسی انسان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ جذباتی لگاؤ کی بنیاد پر فیصلہ کرے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کی پیروی کرے جس پر کتاب و سنت دلالت کرتی ہیں اور جس کی تائید شبہات اور شہوات سے پاک عقل صریح کرتی ہے)۔

[١٦]اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمۡ قَالُواْ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمۡۖ قَالُواْ ٱلۡحَقَّۖ وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ ٱلۡكَبِيرُ﴾ (یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے)

- یہ ان دلائل و براہین میں سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا مخلوقات میں سے کوئی بھی اس چیز کا مستحق نہیں کہ اسے اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے، کیونکہ بنی نوع انسان میں سے کچھ خاص لوگوں کو چھوڑ کر، اللہ کے سب سے زیادہ قریب فرشتے ہیں، اس کے باوجود جب وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں تو ان پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے، تو پھر اللہ کا شریک کیسے ہو سکتے ہیں، جب فرشتے قریب ہونے کے باوجود شریک نہیں ہو سکتے تو دیگر مخلوقات بدرجۂ اولیٰ۔

فرشتوں پر ایمان لانے میں کیا چیزیں شامل ہیں؟

- فرشتے: غیب کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے، وہ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں اور کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہ ذی روح ہیں اور جسم والے ہیں ان کے پاس دل اور عقل ہے، ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کی ان صفات پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جن کے بارے میں اللہ نے ہمیں ان کے تعلق سے بتایا ہے اور انہیں سپرد کردہ اعمال پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور جو بھی خبریں ان کے بارے میں آئی ہیں ہم ان پر اجمالی و تفصیلی طور پر ایمان رکھتے ہیں۔

- ﴿فُزِّعَ﴾: ان کے دلوں سے بدحواس کر دینے والا خوف دور کر دیا جاتا ہے ﴿وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ﴾: اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں [١] علو ذات، [٢] علو صفات، [٣] علو قہر جو تمام مخلوقات پر ہے۔

آیت سے ماخوذ فوائد:

- فرشتے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوۡقِهِمۡ﴾ (اور اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، کپکپاتے رہتے ہیں)۔
- اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کے پاس دل ہے، جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمۡ﴾ (یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے ڈر دور کر دیا جاتا ہے)۔
- اس بات کا ثبوت کہ فرشتہ جسم سے خالی صرف روح کا نام نہیں بلکہ ان کے پاس جسم بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿جَاعِلِ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ رُسُلًا أُوْلِيٓ أَجۡنِحَةٖ مَّثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَۚ﴾ (اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے)۔
- ان کے پاس عقل و سمجھ بھی ہے کیونکہ دل، عقل کی جگہ اور اس کا مسکن ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ”قول“ کا ثبوت، اور یہ اللہ کی مشیئت کے تابع ہے۔

- اس بات کا ثبوت کہ اللہ تعالیٰ کا قول برحق ہے، اور اللہ کے کلام کا برحق ہونے کا مطلب ہے کہ: [۱] اس کی ساری خبریں سچی ہیں [۲] اور اللہ کے سارے احکام عدل پر مبنی ہیں، جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان عالیشان ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ﴾ (اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے)۔

علوذات کے دلائل اجمالی طور پر پانچ ہیں:

کتاب (قرآن)	سنت	اجماع	عقل	فطرت

دوسری دلیل:

صحیح (بخاری) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اللہ کے فرشتے اللہ کے فرمان کے لیے تواضع اور فرماں برداری میں اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول کی آواز ان کے دلوں پر ایسی پڑتی ہے گویا چکنے اور سخت پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچ دی گئی ہو اور وہ فرمان ان فرشتوں تک پورے طور پر پہنچ جاتا ہے، حتیٰ کہ ”جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو (اللہ کے مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے جو کہا وہ برحق ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے“۔ اللہ کی اس بات کو شیاطین چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں، یہ شیاطین ایک دوسرے کے اوپر سوار ہوتے ہیں، اور اس کی کیفیت راویٔ حدیث سفیان (بن عیینہ رحمہ اللہ) نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کے اوپر انگلیوں کو پھیلاتے ہوئے بتلائی۔ سب سے اوپر والا شیطان جب کوئی بات سن لیتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو، یہاں تک کہ آخری شیطان وہ بات ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے۔ کبھی تو کان لگا کر چوری چھپے سننے والے شیطان کو شہاب ثاقب اپنا شکار بنا لیتا ہے اور کبھی وہ بچ نکلتا ہے تو بات نیچے تک پہنچ جاتی ہے اور تب کاہن شیطان کی بتائی ہوئی بات میں سو جھوٹ ملاتا ہے۔ اگر کوئی بات اسی طرح واقع ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ: فلاں روز اس ساحر یا کاہن نے ایسے ہی نہیں کہا تھا؟ چنانچہ صرف اس ایک بات کے سچ ہونے سے اس کاہن کو سچا سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ وہ بات تو آسمان سے سنی ہوئی ہوتی ہے“۔

- «صَـفْوَانٍ»: حدیث میں وارد عربی لفظ ”صفوان“ ٹھوس چکنے پتھر کو کہتے ہیں، اور جب اس پر زنجیر پڑتی ہے تو بڑی بھیانک آواز پیدا ہوتی ہے، مراد اس تشبیہ سے اس خوف کی حالت کو سمجھانا ہے جو اللہ کا کلام سننے کے بعد فرشتوں پر طاری ہوتا ہے۔
- «يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ»: یہ آواز فرشتوں کے اندر پوری طرح سرایت کر جاتی ہے۔

حدیث سے ماخوذ فوائد:

- اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے لیے صفت ”کلام“ کا ثبوت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ بھی صادر ہوتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے۔
- فرشتوں کے لیے پر، گفتگو اور عقل کا ثبوت، اور یہ کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کے سامنے خضوع اختیار کیے رہتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کی خاطر ان جناتوں کا آسمان تک پہنچنا ممکن بنادیا ہے۔
- جنوں کی بہتات اور یہ کہ ان کے جسم بہت ہلکے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے پرندوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں۔
- کاہن سب سے بڑا جھوٹا ہوتا ہے اسی لیے جنوں سے سنی ہوئی بات میں اپنی طرف سے بہت زیادہ جھوٹ کا اضافہ کر دیتا ہے۔
- جادوگر کبھی کبھی مسحور کو غیر حقیقی اور خیالی چیزوں کو اپنے جادو کے زور پر حقیقت باور کرا دیتا ہے، لہٰذا اس کے اس مکر سے بچنا واجب ہے۔
- چوری چھپے آسمان کی باتیں سننے والے جنوں کے مندرجہ ذیل مراحل ہیں:
  ۱. نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ بکثرت اس طرح کے کلام کو سن لیا کرتے تھے۔
  ۲. جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو آسمان پر پہرا لگا کر چوری چھپے سننے سے جنوں کو روک دیا گیا۔
  ۳. نبی ﷺ کی وفات کے بعد چوری چھپے سننے والے شیاطین پھر یہ کام کرنے لگے لیکن پہلے کے مقابلے میں اس میں کمی واقع ہوئی۔

تیسری دلیل:

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أَرَادَ اللهُ تَعَالَى أَنْ يُوحِيَ بِالأَمْرِ، تَكَلَّمَ بِالْوَحْيِ أَخَذَتِ السَّمٰوَاتِ مِنْهُ رَجْفَةٌ - أَوْ قَالَ: رِعْدَةٌ - شَدِيدَةٌ،

خَوْفًا مِنَ اللهِ ﷻ، فَإِذَا سَمِعَ ذَلِكَ أَهْلُ السَّمٰوَاتِ صَعِقُوا وَخَرُّوا للهِ سُجَّدًا، فَيَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ جِبْرَائِيلُ، فَيُكَلِّمُهُ اللهُ مِنْ وَحْيِهِ بِمَا أَرَادَ، ثُمَّ يَمُرُّ جِبْرَائِيلُ عَلَى الْمَلَائِكَةِ، كُلَّمَا مَرَّ بِسَمَاءٍ سَأَلَهُ مَلَائِكَتُهَا: مَاذَا قَالَ رَبُّنَا يَا جِبْرَائِيلُ؟ فَيَقُولُ جِبْرَائِيلُ: قَالَ الْحَقَّ، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَقُولُونَ كُلُّهُمْ مِثْلَ مَا قَالَ جِبْرَائِيلُ، فَيَنْتَهِي جَبْرَائِيلُ بِالْوَحْيِ إِلَى حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ ﷻ». "اللہ تعالیٰ جب کسی بات کی وحی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اس وحی کا تکلم فرماتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے تمام آسمانوں پر دہشت اور کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ جب آسمان والے اس آواز کو سنتے ہیں تو بے ہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں، سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی وحی میں سے جو چاہتا ہے ان سے گفتگو فرماتا ہے، پھر جبرئیل ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں: اے جبرئیل! ہمارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ تو جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں: اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ وبرتر ہے۔ پھر تمام فرشتے بھی یہی الفاظ پکارتے ہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام اس وحی کو جہاں اللہ عزوجل کا حکم ہوتا ہے پہنچا دیتے ہیں"۔

حدیث سے ماخوذ فوائد:

- اللہ تعالیٰ کے لیے ارادہ کا ثبوت، اور اس کی دو قسمیں ہیں:
  1. ارادہ شرعیہ۔
  2. ارادہ کونیہ۔
- مخلوقات گرچہ جمادات ہی کیوں نہ ہوں وہ اللہ کی عظمت کو محسوس کرتی ہیں۔
- آسمانوں کا کئی طبقات میں ہونے کا ثبوت، اور ان میں سے ہر ایک طبقہ کے لیے خاص فرشتے ہیں۔
- جبرئیل علیہ السلام کی فضیلت کہ وہ امین ہیں اور پوری امانت داری کے ساتھ وحی کو جہاں پہنچانے کا حکم ہوتا ہے، پہنچا دیتے ہیں۔
- اللہ رب العالمین کے لیے صفت عزت (قوت وغلبہ) اور صفت جلال کا ثبوت۔

«اس وحی کو جہاں اللہ عزوجل کا حکم ہوتا ہے پہنچادیتے ہیں » :

«عزَّ» : عربی زبان میں لفظ ''العزّۃ'' قوت اور غلبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
اور ''عزیز'' کے تین معنی ہیں:

«جلَّ» : عربی زبان میں لفظ ''الجلال'' اس عظمت اور سطوت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کے اوپر اور کوئی عظمت و سطوت نہ ہو۔

عزیز: ایسا غالب و مقتدر کہ کسی کے لئے اس کو نقصان پہنچانا محال و ممتنع ہو۔

عزیز: ایسا عظیم المرتبت کہ اس کے مقام و مرتبہ میں کسی کی شراکت نہ ہو۔

عزیز: بمعنی غلبہ و قہر والا

مسائل:

پہلا: سورۂ سباء کی آیت ۲۳ (﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمۡ قَالُواْ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمۡۖ قَالُواْ ٱلۡحَقَّۖ﴾) (یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟) کی تفسیر۔

دوسرا: اس آیت میں ابطال شرک کی دلیل ہے بالخصوص ایسے شرک کی کہ جس کا تعلق صالحین امت سے ہے اور اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ آیت دل سے شجرۂ شرک کی جڑوں کو کاٹ پھینکتی ہے۔

تیسرا: اس باب سے آیت کریمہ ﴿قَالُواْ ٱلۡحَقَّۖ وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ ٱلۡكَبِيرُ﴾ (کہتے ہیں حق فرمایا اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے) کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے۔

چوتھا: فرشتوں کے سوال کی وجہ بھی اس میں مذکور ہے **(کہ وہ شدت خوف کی وجہ سے ایسا پوچھتے ہیں)۔**

پانچواں: فرشتوں کے سوال پر جبرئیل علیہ السلام انہیں اللہ کا فرمان سناتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ فرمایا ہے)۔

چھٹا: اس میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ جب سب فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے حضرت جبرئیل سر اٹھاتے ہیں (جس سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے)۔

ساتواں: چونکہ ہر آسمان کے فرشتے جبرئیل سے سوال کرتے ہیں لہذا وہ سب کو جواب دیتے ہیں (جو فرشتوں کے

مابین حضرت جبرئیل کی اہمیت اور عظمت کو بیان کرتی ہے)۔

آٹھواں: بے ہوشی اور غشی تمام آسمان کے فرشتوں پر طاری ہوتی ہے۔

نواں: اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمان لرز جاتے ہیں (ایسا اللہ کی تعظیم میں ہوتا ہے).

دسواں: اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل اللہ کی وحی کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں (کیونکہ وہ امانت دار ہیں).

گیارہواں: شیاطین چوری چھپے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی کوشش کرتے ہیں۔

بارہواں: اس مقصد کے لیے وہ ایک دوسرے کے اوپر سوار ہو جاتے ہیں۔

بارہواں: ان شیاطین پر شہاب ثاقب چھوڑا جاتا ہے (جو چوری چھپے سننے والے شیاطین کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے).

چودہواں: بعض اوقات کاہن تک بات پہنچنے سے قبل ہی شہاب اس شیطان کو خاکستر کر دیتا ہے اور کبھی شہاب کے آنے سے پہلے پہلے یہ شیطان اپنے انسانی دوست (کاہن ونجومی) کو وہ بات بتا چکا ہوتا ہے۔

پندرہواں: بعض اوقات کاہن کی بات صحیح ثابت ہو جاتی ہے۔

سولہواں: کاہن اس ایک بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے (ایسا بر سبیل مبالغہ کہا گیا ہے نہ کہ سو کی تحدید مقصود ہے).

سترہواں: کاہن کی جھوٹی باتوں کو لوگ محض اس لیے سچ مان لیتے ہیں کہ اس کی ایک بات تو صحیح تھی، حالانکہ وہ بات آسمان سے سنی گئی ہوتی ہے۔

اٹھارہواں: نفوس انسانی باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں، اور کاہن کی صرف اس ایک بات کو مد نظر رکھتے ہیں اور اس کی سو غلط باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

انیسواں: شیاطین اس ایک بات کو ایک دوسرے سے حاصل کر کے یاد کر لیتے ہیں اور اس سے (دوسرے جھوٹوں کے صحیح ہونے پر) استدلال کرتے ہیں (کیونکہ اسی سے ان کا دھندا چلتا ہے، اگر ان کا دھندا سارا کا سارا جھوٹ پر ہی مبنی ہو تو پھر ان کا دھندا چلے گا ہی نہیں).

بیسواں: اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا بھی اثبات ہوتا ہے، بر خلاف اشاعرہ اور معطلہ کے کہ وہ اس کے منکر ہیں۔

اکیسواں: آسمانوں پر طاری ہونے والی کپکپی اور دہشت اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتی ہے۔

بائیسواں: تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں (اللہ کی عظمت کا تصور کرتے ہوئے اور جس سے وہ خوف کھا رہے ہوتے ہیں اس سے بچنے کی خاطر).

[۱۷]شفاعت کا بیان

مصنف رحمہ اللہ علیہ نے یہ باب کیوں قائم کیا ہے؟

- بتوں کے سفارشی ہونے کے بطلان کو ظاہر کرنے کے لیے، کیونکہ کفار یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے نزدیک ان کے سفارشی ہوں گے۔
- کیونکہ اللہ کا علم، قدرت اور بادشاہت کامل ہے نہ کہ ناقص جیسے دنیاوی بادشاہوں کی طرح سفارشی کی ضرورت محسوس ہو اور نہ ہی سفارشیوں کو اتنی جرأت ہے کہ وہ بغیر اس کی اجازت کے ہی کسی کے حق میں سفارش کرنا شروع کر دیں۔

ایک سے لے کر پانچ تک دلائل:

[۱] ارشاد الٰہی ہے:﴿ وَأَنذِرۡ بِهِ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحۡشَرُوٓاْ إِلَىٰ رَبِّهِمۡ لَيۡسَ لَهُم مِّن دُونِهِۦ وَلِيّٞ وَلَا شَفِيعٞ ﴾ (اور-اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم- آپ اس قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو نصیحت کریں جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کیے جائیں کہ ان کا اللہ کے سوا کوئی مددگار یا سفارشی نہ ہو)۔

[۲] اور فرمایا:﴿ قُل لِّلَّهِ ٱلشَّفَٰعَةُ جَمِيعٗاۖ ﴾ (-اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم- کہہ دیجیے کہ ہر قسم کی شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے)۔

[۳] نیز فرمایا:﴿ مَن ذَا ٱلَّذِي يَشۡفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذۡنِهِۦ ﴾ (کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟)۔

[۴] نیز ارشاد الٰہی ہے:﴿ وَكَم مِّن مَّلَكٖ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغۡنِي شَفَٰعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعۡدِ أَن يَأۡذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرۡضَىٰٓ ﴾ (اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لیے شفاعت کی اجازت دے اور پسند کرے)۔

[۵] مزید فرمایا: ﴿ قُلِ ٱدۡعُواْ ٱلَّذِينَ زَعَمۡتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَمۡلِكُونَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِي ٱلۡأَرۡضِ وَمَا لَهُمۡ فِيهِمَا مِن شِرۡكٖ وَمَا لَهُۥ مِنۡهُم مِّن ظَهِيرٖ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنۡ أَذِنَ لَهُۥۚ ﴾ (-اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین سے- کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے

سوا جن کو تم معبود سمجھتے ہو، انہیں پکار کر دیکھو، وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور زمین وآسمان (کی ملکیت، یا ان کی تخلیق) میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ شفاعت (سفارش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے)۔

- ﴿وَأَنذِرۡ بِهِ﴾: اِنذار کہتے ہیں ایسی خبر دینے کو جس میں خوف شامل ہو، اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان کو ڈرائیں۔
- ﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ﴾: یعنی: آسمان میں ملائکہ کی کثرت ہے اس کے باوجود ان کی شفاعت کسی کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں سفارش کی اجازت مرحمت فرمادے اور یاد رہے کہ سفارش کرنے والے اور جس کی سفارش کی جارہی ہے دونوں سے اللہ کا راضی ہونا ضروری ہے۔
- ﴿ٱدۡعُواْ﴾: یہ عاجزی بتلانے اور بطور تحدی (چیلنز) ہے بایں معنی کہ: انہیں حاضر کرو یا انہیں دعائے سوال کے ذریعہ پکارو۔
- ﴿مِن شِرۡكٍ﴾: یعنی وہ اس کی طاقت نہ تو انفرادی طور پر رکھتے ہیں اور نہ ہی شریک بن کر۔
- ﴿مِّن ظَهِيرٍ﴾ (یعنی مددگار): یہاں پر بتوں کو اللہ تعالیٰ کے شریک ومددگار ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

- ان بتوں سے ہر اس چیز کی نفی کر دی گئی جس کی امید ان کی عبادت کرنے والے لوگ رکھتے ہیں، کہ یہ کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں نہ ہی ذاتی وانفرادی طور پر، نہ ہی شریک وساجھی کے طور پر، اور نہ ہی معاون ومددگار کے طور پر کیونکہ کوئی اگر کسی کا مددگار بھی ہو گرچہ شریک نہ ہو پھر بھی وہ اس کا احسان مند ہو جاتا ہے اور اس کی محبت کی خاطر وہ کر گزرتا ہے جو وہ چاہتا ہے، اب جب کہ ان تینوں چیز کی نفی کر دی گئی تو اب صرف شفاعت ہی بچتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسے بھی باطل قرار دے دیا ہے، لہٰذا ان کی شفاعت انہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی۔
- یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت کے بارے میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "یہ وہ آیتیں ہے جو دل سے شرک کی جڑیں کاٹ دیتی ہیں"۔

شفاعت (کہتے ہیں: جلب منفعت یا دفع مضرت کے لیے کسی کو واسطہ بنانا، اس) کی قسمیں:

جائز شفاعت:

جس کو اللہ نے صرف اپنے لیے ثابت کیا ہے، اور مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ یہ اللہ سے طلب کی جائے گی:

- شفاعت کے لیے اللہ کی اجازت۔
- شفاعت کرنے والے، اور جس کی شفاعت کی جارہی ہے دونوں سے اللہ کی رضامندی۔

ناجائز شفاعت:

جس کو قرآن نے ناجائز قرار دیا ہے جیسے کہ غیر اللہ سے ایسی چیزوں کے لئے شفاعت طلب کرنا، جن پر صرف اللہ ہی قادر ہے۔

یہ شرک اکبر ہے۔

ان چیزوں میں شفاعت طلب کرنا جن پر مخلوق قادر ہو:

اس کی یہ چار شرطیں ہے:

- حاضر ہو۔
- زندہ ہو۔
- قادر ہو۔
- سبب ہو۔

﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغۡنِي شَفَٰعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعۡدِ أَن يَأۡذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرۡضَىٰٓ﴾

(اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے)۔

بلا شرکت غیرے صرف نبی ﷺ کے لیے خاص شفاعت:

- شفاعت عظمیٰ، اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے۔
- آپ ﷺ کا اپنے چچا ابو طالب کے لیے عذاب ہلکا کرنے کی شفاعت۔
- جنت کا دروازہ کھولنے کے لئے شفاعت۔

عام شفاعت جو تمام انبیاء و رسل، فرشتوں، موحدین اور نابالغ بچوں کے لیے ہوگی:

- موحدین کے حق میں رفع درجات کی شفاعت۔
- موحدین میں سے مستحقین عذاب کے لیے جہنم میں داخل نہ کرنے کی شفاعت۔
- جہنم میں داخل ہو چکے موحدین کو جہنم سے باہر نکالنے کی شفاعت۔

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ تمام مخلوق سے ان باتوں کی نفی کر دی جن سے مشرکین استدلال کرتے تھے۔ مثلاً اس بات کی نفی کی ہے کہ کسی کو زمین و آسمان میں کسی قسم کی قدرت واختیار کلی ہو، یا جزوی اختیارات ہوں، یا کوئی اللہ کا مددگار ہو، البتہ سفارش ہی باقی ہے، چنانچہ وہ بھی اسی کے لیے مفید ہوگی جس کے حق میں سفارش کی اجازت اللہ تعالیٰ خود دے گا، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ٱرْتَضَىٰ ﴾ (اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے بجز اس کے جس سے اللہ راضی ہو)

پس وہ سفارش جس کے مشرکین قائل ہیں، قیامت کے دن معدوم ہوگی (یعنی ان کو حاصل نہیں ہوسکے گی) جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی نفی کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: **”آپ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر فوراً سفارش کی بجائے پہلے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے اور اسکی حمد وثنا کریں گے، اس کے بعد آپ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھائیں اور بات کریں، آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کریں آپ جو مانگیں گے دیا جائے گا، آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول ہوگی“۔**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ): سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہے جو آپ کی سفارش کا حقدار ہوگا؟ آپ نے فرمایا: **”جس نے خلوص دل سے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا“**۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ سفارش اللہ کی اجازت سے صرف خلوص دل سے کلمہ پڑھنے والوں کو حاصل ہوگی اور مشرکین کو حاصل نہیں ہوگی۔

شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص اہل توحید پر اپنا خصوصی فضل فرمائے گا اور جن لوگوں کو سفارش کی اجازت دے گا، ان کی دعا سے اہل توحید کی مغفرت کرے گا، اس طرح وہ سفارش کر کے عزت اور قابل ستائش مقام حاصل کر پائیں گے۔

جس شفاعت کا قرآن نے انکار کیا ہے اس سے مراد وہ شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو، یہی وجہ ہے کہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اجازت سے شفاعت کا اثبات کیا ہے، اور نبی ﷺ نے صاف صاف فرمایا ہے کہ شفاعت صرف اہل توحید اور اہل اخلاص کے لیے ہی ہوگی۔ انتہی۔

مسائل:

پہلا: ان آیات قرآنیہ کی تفسیر (جن کی تعداد پانچ ہے).

دوسرا: ناقابل قبول شفاعت کی وضاحت (یعنی وہ شفاعت جس میں شرک کی آمیزش ہو).

تیسرا: قابل قبول شفاعت (یہ اہل توحید کی شفاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ، شفاعت کرنے والے اور جس کے حق میں شفاعت کی جارہی ہے دونوں سے راضی ہو).

چوتھا: شفاعت کبریٰ کا ذکر، جسے مقام محمود بھی کہتے ہیں (یہ میدان حشر میں فیصلہ کے انتظار میں کھڑے لوگوں کے حق میں فیصلہ کرنے کے سلسلے میں ہوگی).

پانچواں: **نبی ﷺ کی شفاعت کا انداز کہ آپ جاتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب سے پہلے آپ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے پھر اجازت ملنے پر شفاعت کریں گے** (اور یہ اللہ رب العالمین کی عظمت اور نبی ﷺ کے کمال ادب پر دلالت کرتا ہے)۔

چھٹا: (نبی ﷺ کی شفاعت کے حقدار) سب سے سعادت مند آدمی کا بیان (کہ وہ اہل توحید اور اہل اخلاص ہوں گے).

ساتواں: یہ سفارش مشرکین کو حاصل نہیں ہوگی۔

آٹھواں: شفاعت کی حقیقت کا بیان (کہ درحقیقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اہل اخلاص کے اوپر احسان ہوگا، کہ ان کے گناہوں کو سفارش کی وجہ سے معاف فرمادے گا اور جن کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی یہ ان کے لیے باعث تکریم اور لائق ستائش ہوگا)۔

[۱۸] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ الآية (آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے) کا بیان

پہلی دلیل:

صحیح (صحیحین) میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: (لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ، جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَعِنْدَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ وَأَبُو جَهْلٍ، فَقَالَ لَهُ: «**يَا عَمِّ، قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ**»، فَقَالَا لَهُ: أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَأَعَادَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَعَادَا، فَكَانَ آخِرَ مَا قَالَ: هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ)، کہ جب ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو ان کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کے پاس پہلے سے ہی عبد اللہ بن ابو اُمیہ اور ابو جہل بھی بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے ابو طالب سے کہا: "**اے میرے چچا جان! کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں، میں آپ کے لیے یہی کلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور دلیل پیش کروں گا، وہ دونوں** (عبد اللہ بن ابو اُمیہ اور ابو جہل) **بولے: کیا تم عبد المطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے؟ آپ ﷺ اور دونوں سردار بھی اپنی اپنی باتیں دہراتے رہے۔ آخری بات جو ابو طالب نے (مرنے سے پہلے) کہی کہ: وہ عبد المطلب کے مذہب پر قائم ہیں، اور انہوں نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے سے منع کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا جب تک مجھے روکا نہ جائے میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا**" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (نبی اور اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں)، اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ﴾ (-اے محمد ﷺ- آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)۔

ہدایت کی قسمیں:

ہدایت توفیق: اس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتا ہے۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾

(آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے)۔

ہدایت دلالت ورہنمائی: جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کی رہنمائی فرمائی۔

﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِيٓ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

(بیشک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں)۔

- مؤلف رحمہ اللہ نے اس باب کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ کوئی بھی شخص کسی کو بھی "ہدایت توفیق" نہیں دے سکتا، البتہ داعی کو چاہیے کہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانے میں کسی کوتاہی سے کام نہ لے اور اللہ تعالیٰ نے جو کرنے کا حکم دیا ہے اسے بجالاتا رہے۔
- ایک اشکال ہے: کہ نبی ﷺ ابو طالب سے کیوں محبت کرتے تھے جبکہ وہ کافر تھے؟

اس کا جواب: یا تو تقدیر کلام یوں ہے: [۱] کہ آپ ان کے ہدایت یاب ہو جانے کی شدید خواہش رکھتے تھے نہ کہ بذات خود اس شخص سے (اور یہ سب سے قوی قول ہے)، [۲] یا آپ ان سے فطری محبت کرتے تھے نہ کہ شرعی، اور یہ جائز ہے [۳] یا پھر یہ کہ کافروں سے محبت رکھنے کی ممانعت وارد ہونے سے پہلے آپ ان سے محبت رکھتے تھے۔

- «جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ»: کافروں کی زیارت کے مستحب ہونے کا ثبوت ہے جب ان کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو۔
- «يَا عَمِّ»: آپ نے یہ کنیت (اے چچا جان) اس لیے استعمال کی کہ اس سے محبت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ دعوت دیتے وقت حکمت اختیار کرنے کو بتلاتا ہے۔
- اس حدیث اور علماء کا یہ کہنا کہ "بستر مرگ پر پڑے (مسلم) شخص کو بنا "**کہو یا پڑھو**" کہے ہوئے کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنا سنت ہے"، کے مابین کیسے جمع کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو طالب کافر تھے، لہٰذا جب ان سے کہا گیا کہ: "کہو" اور انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو وہ اپنے کفر پر باقی رہے، گویا تلقین کا یہ انداز انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکا، بر خلاف مسلمانوں کے کہ ان کا معاملہ سنگین ہوتا ہے کیونکہ کہنے کا یہ انداز انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ (کہ شاید کوئی شخص موت کے وقت ایسا کہنے پر اگر لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دے تو وہ اسلام سے کفر میں چلا جائے گا)۔
- «حَضَرَتْ» یعنی موت کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو چکی تھیں مگر ابھی موت نہیں آئی تھی، ایسی صورت میں کیا اس کی توبہ مقبول ہوگی؟ صحیح یہ ہے کہ توبہ مقبول نہیں ہوگی [۱] کیونکہ آیت کریمہ ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ (ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ دے میں نے اب توبہ کی) اس حدیث کے بالکل موافق ہے۔

[۲] نبی ﷺ نے فرمایا: «أُحَاجُّ لَكَ» (میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے ذریعہ آپ کے لیے حجت قائم کروں گا)، آپ نے اس کی ضمانت نہیں لی کہ ابو طالب کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

[۳] یہ صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے کہ اپنے چچا کے کفر کے باوجود وہ ان کے حق میں دعا (شفاعت) کریں گے۔

([۴] یا علامات وفات ظاہر ہونے کے بعد اسلام پیش کرنے کا معاملہ ابو طالب کے ساتھ خاص ہے۔ از: مترجم۔)

- مسیب اور عبد اللہ بن امیہ رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا جبکہ ابو طالب اور ابو جہل نے نہیں۔
- «هُوَ عَلَى مِلَّةِ»: ضمیر (أنا: میں) کی جگہ (هو: وہ) کا استعمال کرنے سے، راویان حدیث کا توحید کے باب میں شدید احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔

مسائل:

پہلا: آیت کریمہ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ﴾ الْآيَةَ. کی تفسیر۔

دوسرا: آیت کریمہ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ الْآيَـةَ کی تفسیر (ان کی موت پر غم کا اظہار اور ان کی تعزیت کرنا حرام ہے)۔

تیسرا: نبی ﷺ کا فرمان «قُلْ: لَا إِلَـهَ إِلَّا اللهُ» آپ ”لا الہ الا اللہ“ کہئے، میں ان مدعیان علم کی تردید ہے جو محض دلی معرفت کو کافی سمجھتے ہیں۔(اگر اقرار ضروری نہ ہوتا تو آپ ﷺ کلمۂ توحید کہنے کا مطالبہ نہ فرماتے)۔

چوتھا: جب نبی ﷺ نے اپنے چچا سے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھنے کو کہا تو ابو جہل اور اس کے ساتھی جانتے تھے کہ آپ کی اس سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا برا کرے جن سے ابو جہل اصل دین (کلمۂ لا الہ الا اللہ) کو بہتر جانتا تھا۔

پانچواں: نبی ﷺ نے اپنے چچا کو مسلمان بنانے کی پوری اور انتہائی کوشش کی ([۱] قرابت دار ہونے کی وجہ سے، [۲] انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی جو بھلائی کی تھی، اس بنیاد پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں گرچہ کفر کی حالت میں مرنے کی وجہ سے گناہگار اور جہنمی ہیں)۔

چھٹا: جو لوگ عبد المطلب اور ان کے اسلاف کو مسلمان سمجھتے ہیں، حدیث میں ان کی تردید ہے (ابو طالب اور ان کے آباء واجداد کفر پر تھے)۔

ساتواں: نبی ﷺ نے ابو طالب کے لیے مغفرت کی دعا کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ ان کو معاف نہیں کیا، بلکہ آپ کو بھی مغفرت طلب کرنے سے روک دیا (یعنی تمام معاملات صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں)۔

آٹھواں: یہ بھی ثابت ہوا کہ برے لوگوں کی صحبت کا نقصان انسان کو اٹھانا پڑتا ہے۔

نواں: اپنے اسلاف واکابر کی تعظیم (میں غلو کرنا) نقصان دہ ہے (جب وہ باطل پر ہوں)۔

دسواں: باطل پرستوں کو اس میں ابو جہل کے استدلال کی وجہ سے مغالطہ ہوا۔

گیارہواں: نجات کا دارومدار آخری زندگی کے اعمال پر ہے، کیونکہ ابو طالب بوقت وفات کلمہ کا اقرار کر لیتے تو انہیں ضرور فائدہ ہوتا۔

بارہواں: گمراہ لوگوں کے دلوں میں راسخ اس بڑے مغالطے (آبا پرستی) کے بارے میں غور وفکر کرنا چاہیے، اس لیے کہ ابو طالب کے قصہ میں مذکور ہے کہ سرداران مکہ اسی مغالطے کی بنا پر ابو طالب کو دین حق سے روکتے رہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے مبالغے اور تکرار کے ساتھ (ابو طالب پر) کلمہ پیش کیا۔ اور وہ بھی تعظیم اسلاف میں غلو کرنے کے باعث کفر پر اڑے رہے۔

تیسری قسم سے امتحان (۴ ابواب)

پہلا سوال: اس قسم کے سبھی ابواب ذکر کریں اور مؤلف کا ان ابواب کو قائم کرنے کا مقصد بھی واضح کریں:

نمبر	عنوان	مؤلف کا اس باب کو لانے کا مقصد
۱	....	....
۲	....	....
۳	....	....
۴	....	....

دوسرا سوال: مندرجہ ذیل کے احکام بیان کریں:
جائز (۱)، ناجائز (۲)، شرک اکبر (۳)، مُستحب / سنت (۴)

مردے سے شفاعت طلب کرنا	.....	نبی ﷺ کی جاہ کا وسیلہ پکڑنا	.....
بیمار مشرک کی عیادت کرنا	.....	قریب المرگ شخص کو تلقین کرنا	.....
معین شخص پر لعنت کرنا	.....	کفار پر عمومی طور پر لعنت بھیجنا	.....

تیسرا سوال: ☒ کی علامت مناسب جگہ پر لگائیں یا عبارت مکمل کریں:

۱. کتاب التوحید میں تیسری قسم ہے: ☐ توحید کی تفسیر ☐ اللہ کے سوا تمام کی عبادتوں کا بطلان۔

۲. تیسری قسم میں: ☐ ۱۵ ابواب ہیں ☐ ۱۴ ابواب ہیں ☐ ۱۶ ابواب ہیں۔

۳. آیت کریمہ ﴿ أَيُشْرِكُونَ ﴾ میں استفہام انکار اور توبیخ کے لیے ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۴. اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿ أَيُشْرِكُونَ ﴾ میں بتوں کی عبادت کا بطلان اور ان کی عاجزی کتنے طریقوں سے بتائی ہے:
☐ ۴ ☐ ۳۔

۵. ﴿وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ﴾ یہاں دعا سے مراد ہے دعاء: ☐ عبادت ☐ مسئلہ ☐ دونوں۔

۶. ہم کسی بھی انسان کے بارے میں خواہ وہ کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں سوائے ان کے جو کافروں کے سرغنہ ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۷. مؤلف رحمہ اللہ کے اس قول کا مطلب کہ (جن پر بددعا کی گئی وہ کفار تھے)، ان کے کفر کے بارے میں خبر دینا ہے:
☐ صحیح ☐ غلط۔

۸. مؤلف رحمہ اللہ کے اس قول "سید المرسلین کا قنوت پڑھنا" کا مقصود ہے: ☐ قنوت کا جواز ☐ اس امت کا کوئی بھی شخص رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مقابلے میں اللہ کے زیادہ قریب نہیں ہو سکتا اسکے باوجود وہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۹. کافروں پر لعنت بھیجنے کا طریقہ؟ ....

۱۰. ﴿فُزِّعَ﴾: خوف (☐ بدحواسی والی ☐ دائمی) ان کے دلوں سے دور کر دی جاتی ہے۔

۱۱. (كَوْنُهُ يَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ) (پھر وہ اس میں سو جھوٹ ملا دیتا ہے) نبی ﷺ کا ایسا فرمانا: ☐ مبالغہ کے طور پر ہے ☐ تحدید کے طور پر ہے۔

۱۲. ﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ﴾ اس میں شفاعت کے تینوں شروط اکٹھے بیان کیے گیے ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۳. ہر وہ شفاعت جس میں شرک کی آمیزش ہو ایسی شفاعت: ☐ ناجائز ہے ☐ شرک ہے ☐ سبھی۔

۱۴. شفاعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی شفاعت کی جارہی ہے اس میں کسی طرح سے اللہ کی مدد کرنا، یہ ممنوع ہے (☐ صحیح ☐ غلط)، بلکہ اس کا مطلب ہے (☐ سفارش کرنے والے کی تکریم ☐ جس کی سفارش کی جارہی ہے اس کو نفع پہنچانا ☐ سبھی)۔

۱۵. وہ آیت کونسی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے وہ دل سے شجرۂ شرک کی جڑوں کو کاٹ ڈالتی ہے: ...

....

۱۶. ثابت ہدایت: ....، منفی ہدایت: ....

۱۷. آیت کریمہ ﴿إِنَّكَ لَا تَهۡدِي مَنۡ أَحۡبَبۡتَ﴾ یعنی آپ: ☐ جس کی ہدایت چاہتے ہیں ☐ اس سے فطری محبت رکھتے ہیں ☐ یہ کفار سے محبت کرنے کی نفی وارد ہونے سے پہلے کا معاملہ ہے ☐ سبھی۔

۱۸. «حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ» یعنی: ....، یا ....

۱۹. عبد المطلب کی ملت ہے: ☐ شرک اور بتوں کی عبادت ☐ عیسائیت ☐ مجوسیت۔

۲۰. «أُحَاجُّ» یعنی: ☐ اللہ کے پاس اس کو آپ کے لیے بطور حجت ذکر کروں گا ☐ آپ کی خاطر اللہ سے جھگڑا کروں گا۔

۲۱. قریب المرگ شخص کو "لا الہ الا اللہ" کی تلقین "کہو" یا "پڑھو" کے ذریعہ کرنا سنت ہے اور دلیل نبی ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ کیا گیا عمل ہے: ☐ صحیح ☐ غلط، اس بات اور علماء کا یہ کہنا کہ "بستر مرگ پر پڑے (مسلم) شخص کو بنا "کہو" یا "پڑھو" کہے ہوئے کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنا سنت ہے"، کے مابین کیسے جمع کریں گے: ....

....

۲۲. راوی نے یہ کیوں کہا کہ: «وہ ملت عبد المطلب پر ہے» اور: (میں ملت عبد المطلب پر ہوں) نہیں کہا؟ ....

....

۲۳. نبی ﷺ کا اپنے چچا ابو طالب کے اسلام قبول کر لینے کے لیے جد وجہد کرنے کا سبب ہے:
☐ قرابت داری ☐ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے ساتھ بھلائی کی تھی ☐ سبھی۔

۲۴. اسلاف اور اکابرین کی تعظیم مذموم ہے: ☐ مطلقاً ☐ جب وہ باطل پر ہوں۔

چوتھا سوال: شفاعت کی قسموں کو مکمل کریں:

........: اس کو اللہ نے صرف اپنے لیے ثابت کیا ہے، اور مندرجہ ذیل شروط کے ساتھ یہ اللہ سے طلب کی جائے گی: [۱]........................ [۲]........................ [۳]........................	........: یہی ہے جس کا قرآن نے انکار کیا ہے، اور یہ ....، اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ:	........: چند شروط کے ساتھ صحیح ہے: [۱]........................ [۲]........................ [۳]........................ [۴]........................

یہ صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے، ان میں سے یہ ہیں: ۱. .... ۲. .... ۳.	یہ عام ہے .... ان میں سے یہ ہیں: ۱. .... ۲. .... ۳. ....

چوتھی قسم: بنی آدم کے کفر کا سبب (۴ باب)

- بالترتیب چار ابواب میں مؤلف رحمہ اللہ نے اسباب کفر کو ذکر کیا ہے تاکہ ہم جانکاری حاصل کر سکیں اور بچ سکیں نیز اس کا جواب دینے کے لیے کہ بعض امتیں کفر میں کیوں پڑ گئیں؟ لہذا ابتدائی تین ابواب میں اس سوال کا جواب دیا ہے اور چوتھے باب میں یہ بتلایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک تک پہنچانے والے ہر دروازے یعنی وسائل شرک کو بند کر دیا ہے۔

[۱۹] بنی آدم کے کفر اور ترک دین کا بنیادی سبب بزرگوں کے بارے میں غلو ہے

- یہ سب سے بڑا اور سب سے خطرناک سبب ہے، اور روئے زمین پر سب سے پہلا شرک اسی غلو کی وجہ سے پنپا تھا۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَـٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ﴾ (اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو)۔

[۲] صحیح (بخاری) میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَقَالُواْ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدّٗا وَلَا سُوَاعٗا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسۡرٗا﴾ (اور انہوں نے کہا کہ: ہر گز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق نسر کو (چھوڑنا))، کے بارے میں کہتے ہیں کہ: (هٰذه أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ: أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ فِيهَا أَنْصَابًا، وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا، وَلَمْ تُعْبَدْ، حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَنُسِيَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ)، وَقَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ: (قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ السَّلَفِ: لَمَّا مَاتُوا عَكَفُوا عَلَى قُبُورِهِمْ، ثُمَّ صَوَّرُوا تَمَاثِيلَهُمْ، ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الأَمَدُ فَعَبَدُوهُمْ) یہ سب (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) قوم نوح کے صالح لوگ تھے، جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو سمجھایا کہ یہ نیک لوگ جہاں بیٹھا کرتے تھے، وہاں بطور یادگار پتھر نصب کر دو اور ان پتھروں کو ان کے ناموں سے موسوم کر دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن اس دور میں ان پتھروں کو پوجا نہ گیا، جب یہ لوگ مر گئے اور بعد والوں پر جہالت چھا گئی، علم جاتا رہا اور اصل بات بھول گئے، تو انہوں نے ان مجسموں کی پرستش شروع کر دی۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "متعدد اسلاف اہل علم نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مر گئے تو پہلے یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر ان کے مجسمے بنائے، پھر زمانہ دراز گزرنے پر ان کی عبادت کرنے لگے"۔

- ﴿يَـٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ﴾: اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاری ہیں۔ یہود کی آسمانی کتاب کا نام تورات اور

نصاریٰ کی آسمانی کتاب کا نام انجیل ہے۔

- ﴿لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ﴾: یعنی حد سے تجاوز نہ کرو خواہ مدح میں ہو یا قدح میں، نصاریٰ نے عیسی علیہ السلام کی مدح اور تعریف میں غلو کرتے ہوئے آپ کو اللہ کا بیٹا اور تین معبودوں میں سے ایک معبود قرار دیا، جبکہ یہودیوں نے آپ کی قدح اور مذمت میں غلو سے کام لیا۔
- «هَلَكُوا»: یعنی وفات پا گئے۔
- «أَوْحَى الشَّيْطَانُ»: شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا۔
- «أَنِ انْصِبُوا»: ہر وہ چیز جو نصب کی جائے خواہ وہ لاٹھی ہو یا پتھر، شیطان نے ان لوگوں کو ورغلاتے ہوئے کہا کہ: جب تم ان کو دیکھو گے تو عبادت میں نشاط پیدا ہو گا، لیکن ان لوگوں نے ایسا کر کے راہ شریعت کی خلاف ورزی کی، لہٰذا معلوم ہوا کہ صرف نیت کا اچھا ہونا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ عمل بھی شریعت کے دائرے میں ہو۔
- «حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ»: یعنی جن لوگوں نے بت نصب کیا تھا اور مجسمے بنایا تھا۔
- نوح علیہ السلام سے پہلے کی قوم نے تین کام کیے تھے:
  - «صَوَّرُوا»: بت بنائے اور مجسمے نصب کیے۔
  - «عَكَفُوا»: قبروں کی مجاوری کی۔
  - «طَالَ عَلَيْهِمُ الأَمَدُ»: جیسے جیسے عہد نبوت دور ہوتا گیا، علم کم ہوتا گیا اور بالآخر شرک اکبر وجود میں آ گیا، چنانچہ انہوں نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اپنے علم و عمل کا جائزہ لیتا رہے تاکہ ایسی صورت پیش نہ آئے۔

غلو کے مفاسد:

- جس کے سلسلے میں غلو سے کام لیا جا رہا ہے اگر ایسا اس کی تعریف میں ہے تو اس کو اس کے جائز مقام سے بڑھا دیا جاتا ہے اور اگر اس کی مذمت میں ایسا کیا جا رہا ہے تو اس کو اس کے جائز مقام سے گرا دیا جاتا ہے۔
- جس کے بارے میں غلو کیا جا رہا ہے بسا اوقات یہ اس کی عبادت پر منتج ہوتا ہے۔
- یہ اللہ کی تعظیم میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے، کیونکہ نفس یا تو حق کے ساتھ مشغول رہ سکتا ہے یا پھر باطل کے ساتھ۔
- جس کے بارے میں غلو سے کام لیا جا رہا ہے اگر وہ موجود ہے تو یہ اس کے لیے نقصان کا سبب ہے، بایں طور کہ غلو اگر تعریف میں ہو تو یہ اس کے اندر کبر و نخوت پیدا کر سکتا ہے، اور اگر مذمت میں ہو تو عداوت اور دشمنی پیدا کر سکتا ہے۔

صالحین کے بارے میں لوگوں کے کئی اقسام ہیں:

ان کی تعریف میں غلو سے کام لیتے ہیں: جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عیسائیوں کا برتاؤ۔	ان کی مذمت میں غلو سے کام لیتے ہیں: جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہودیوں کا برتاؤ۔	ان کے سلسلے میں افراط و تفریط کے بیچ اعتدال سے کام لیتے ہیں: جیسے اہل سنت والجماعت اور ان کے عقائد۔

تین سے پانچ تک کی دلیلیں:

[۳] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ»، **"تم میری تعریف کرنے میں حد سے نہ گزر جانا، جیسے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں نصاریٰ حد سے تجاوز کر گئے۔ میں تو ایک بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو"۔**

[۴] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ» **"غلو سے بچ کر رہو، تم سے پہلے لوگوں کو غلو (مبالغہ آرائی) ہی نے ہلاک کیا تھا"۔**

[۵] اور صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ»، **"تکلف کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے ہلاک ہو جائیں"**، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی۔

- «لَا تُطْرُونِي» : "اطراء" کسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لینے کو کہتے ہیں، یعنی ایسا غلو جو نصاریٰ کے غلو کے مشابہ ہو یا اس سے کم ہو۔
- «عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ» : یہ دونوں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بطور اتم موجود ہیں جو کہ آپ کے لیے شرف کا سبب ہیں۔
- «الْغُلُوَّ» : "غلو" کسی کی تعریف، عبادت یا کسی کام میں حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔
- غلو نے ان کی کن چیزوں کو برباد کیا؟ غلو نے برباد کیا: [۱] ان کے دین کو [۲] اور ان کے جسم کو۔

- غلو کی بہت ساری اقسام ہیں: عقیدہ، عبادت، معاملات اور عادات میں غلو سے کام لینا، جبکہ اللہ کا دین غلو وجفا کے مابین معتدل اور وسط ہے۔
- «الْـــمُتَنَطِّعُونَ»: متنطع، اعمال یا گفتگو میں بتکلف فصاحت، اور غلو سے کام لینے کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں غرور اور تکبر ہے، دین میں تنطع غلو کے مشابہ ہے، اور ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

مسائل:

پہلا: جو شخص زیر بحث باب اور اس کے بعد والے دو ابواب اچھی طرح سمجھ لے، اس پر اسلام کی، باقی ادیان سے جداگانہ حیثیت واضح ہو جائیگی اور دلوں کے پھیرنے میں اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب و غریب کرشمے نظر آئیں گے۔

دوسرا: روئے زمین پر رونما ہونے والا اولین شرک بزرگوں کے ساتھ حد درجے کی محبت اور ان کی عظمت میں غلو کے سبب ہوا۔

تیسرا: سب سے پہلی چیز جس کے ذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام کے دین میں تبدیلی ہوئی اس کی معرفت (جو کہ شرک تھا)، اور اس کا سبب کیا تھا؟ (صالحین کے بارے میں غلو سے کام لینا) اس کی معرفت کے باوجود کہ اللہ ہی نے انہیں مبعوث فرمایا تھا۔

چوتھا: لوگ بدعات و محدثات کو جلد قبول کر لیتے ہیں، حالانکہ شریعت اسلامیہ اور فطرت سلیمہ ان چیزوں کو قبول نہیں کرتی۔

پانچواں: شرک شروع ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حق اور باطل کو آپس میں خلط ملط کر دیا گیا تھا، جس کے دو واضح اسباب تھے: ایک تو بزرگوں کے ساتھ حد درجہ عقیدت و محبت تھی اور دوسرا یہ کہ بعض اہل علم ودین نے کچھ ایسے امور سرانجام دیے کہ جن میں ان کی نیتیں درست تھیں، مگر بعد والوں نے یہ سمجھا کہ ان اہل علم کی مراد کچھ اور تھی (جو دین کو بدعت کے ذریعہ تقویت پہنچانا چاہتا ہے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا نقصان فائدہ سے کہیں بڑھ کر ہے)۔

چھٹا: سورۂ نوح کی آیت کی تفسیر (جس میں ہے کہ وہ لوگ ایک دوسرے کو باطل کی وصیت کرتے تھے)۔

ساتواں: فطری طور پر انسان کا مزاج اور اس کی طبیعت ہی کچھ ایسی ہے کہ اس کے دل میں حق (آہستہ آہستہ) کم ہوتا جاتا ہے جبکہ باطل بڑھتا رہتا ہے (الا یہ کہ جن پر اللہ کا فضل واحسان ہو)۔

آٹھواں: اس سے، اسلاف اہل علم کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ بدعات، کفر کا سبب بنتی ہیں (اور کوئی بعید نہیں کہ اسباب ایک سے زائد ہوں)۔

نواں: شیطان ابلیس بدعت کے انجام سے خوب آگاہ ہے (کہ یہ کس طرح انسان کو تباہ کر دیتی ہے) اگرچہ بدعت جاری کرنے والے کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

دسواں: اس باب سے ایک اور قاعدہ اور اصول ثابت ہوتا ہے کہ غلو سے قطعی طور پر اجتناب کرنا چاہیے (کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا)۔ اور جو غلو کی طرف مائل کرے اس کے متعلق بھی علم ہونا چاہیے۔

گیارہواں: قبر پر کسی صالح عمل کی انجام دہی کے لیے بیٹھنا انتہائی نقصان دہ ہے (یہ اہل قبر کی عبادت کا سبب بنتا ہے)۔

بارہواں: مجسموں کی ممانعت اور ان کے مٹا ڈالنے کی حکمت کا پتہ چلتا ہے (کہ یہ سد ذریعہ کے طور پر ہے)۔

تیرہواں: اس تفصیل سے جہاں یہ (وقوع شرک کا) عظیم واقعہ معلوم ہوتا ہے، وہاں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا جاننا ضروری ہے، لیکن اکثر مسلمان اس سے غافل اور لاعلم ہیں۔

چودھواں: افسوس کی بات تو یہ ہے کہ لوگ یہ واقعہ کتب تفسیر وحدیث میں پڑھتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہوا تھا پھر بھی سمجھتے ہیں کہ قوم نوح علیہ السلام کا یہ عمل (قبر پرستی) بزرگوں کی غایت درجہ تعظیم، قبروں پر مجاور بننا وغیرہ افضل ترین عبادت ہے اور وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس بات سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ ایسا کفر ہے جو کسی کی جان ومال کو مباح کرتا ہے۔

پندرہواں: اس تفصیل میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان (بتوں کو پوجنے والوں) کا ارادہ صرف یہ تھا کہ یہ بزرگ ہمارے سفارشی ہیں (اس کے باوجود وہ لوگ شرک میں پڑ گئے)۔

سولہواں: بعد والے مشرکین نے گمان کیا کہ سابق اہل علم نے ان بزرگوں کی تصویریں کسی خاص وجہ سے بنائی تھیں (کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے، جبکہ یہ گمان فاسد تھا)۔

سترہواں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک «لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ» (کہ تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا تھا) میں (مسلمانوں کے لیے) کھلا بیان اور عظیم نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے واضح طور پر تبلیغ کا حق ادا فرمادیا۔ (آپ نے تعریف میں غلو اور مبالغہ آرائی سے منع فرمایا، اور حال یہ ہے کہ اس امت کے کچھ لوگ اسی میں واقع ہو گئے، بلکہ معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہے)۔

اٹھارہواں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نصیحت فرمائی ہے کہ تکلف کرنے (اور) حد سے تجاوز کرنے والے ہمیشہ ہلاک ہوتے ہیں۔ (آپ نے ایسا کرنے سے ڈرانے کی خاطر ایسا فرمایا ہے)۔

انیسواں: اس سے علم کی اہمیت اور علم نہ ہونے کے نقصان کا بھی پتہ چلتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام میں علم ختم ہونے کے بعد ہی بتوں کی پوجا پاٹ شروع ہوئی تھی۔

بیسواں: علماء کا دنیا سے رخصت ہونا فقدان علم کا سبب ہے (یہ سب سے بڑا سبب ہے، اسی طرح غفلت اور علم سے اعراض، دنیاوی کاموں میں مشغول ہو جانا اور علم کے تئیں لاپرواہ ہو جانا)۔

[۲۰] کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ناجائز اور سنگین جرم ہے، چہ جائیکہ خود اس مرد صالح کی عبادت کی جائے۔

دین کی عدم معرفت، لوگوں کی توحید سے دوری اور صالحین کی قبروں کے پاس اللہ کی عبادت کرنے کی ممانعت شریعت میں وارد ہوئی ہے تاکہ یہ شرک کا ذریعہ نہ بنے، یہ بتانے کے لیے مصنف رحمہ اللہ اس باب کو لائے

پہلی دلیل:

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک کلیسا اور اس میں موجود تصویروں اور مجسّموں کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ کی سرزمین میں دیکھا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**أُولَئِكِ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، أَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولَئِكِ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ**»، فَهَؤُلَاءِ جَمَعُوا بَيْنَ الفِتْنَتَيْنِ: فِتْنَةِ الْقُبُورِ، وَفِتْنَةِ التَّمَاثِيلِ) "**ان لوگوں میں جب کوئی بزرگ فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجدیں بنالیتے اور اس میں یہ تصاویر (مجسمے) بنادیتے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں**"۔ ان لوگوں نے دو فتنوں کو یکجا کر دیا: ایک قبروں (کو عبادت گاہیں بنانے) کا، اور دوسرا (ان میں) مجسمے اور تصویریں بنانے کا۔

- «فَهَؤُلَاءِ جَمَعُوا بَيْنَ الفِتْنَتَيْنِ» (ان لوگوں نے دو فتنوں کو یکجا کر دیا): یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے، اس کو فتنہ اس لیے کہا ہے کہ یہ لوگوں کو دین سے روکنے کا سبب ہے۔
- قبرستانوں کے بارے میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسے آبادی سے باہر بنانا چاہیے تاکہ یہ شرک تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔
- قبروں کا فتنہ، مجسّموں اور بتوں کے فتنہ سے بھی خطرناک ہے، کیونکہ:
    - مقابر ہر جگہ ہوتے ہیں برخلاف مجسموں اور بتوں کے۔
    - قبر کے پاس ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں، جو دوسری جگہوں پر نہیں پائی جاتیں، جیسے: (دل میں) خوف کا پیدا ہو جانا۔

دوسری دلیل:

اور صحیحین ہی میں (دوسرے مقام پر) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپ اپنے چہرہ مبارک پر چادر اوڑھ لیتے اور جب دم گھٹتا تو چادر ہٹا لیتے، اسی عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبور أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»؛ **"یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے انبیاء کرام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا تھا"**۔ اس سے آپ کا مقصد اپنی امت کو ایسے طرز عمل سے روکنا تھا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر بھی (عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح) کھلی جگہ پر ہوتی۔

تیسری دلیل:

اور صحیح مسلم میں حضرت بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ یوم قبل میں نے آپ کو کہ فرماتے ہوئے سنا: «إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيلٌ؛ فَإِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا؛ لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبور أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبور مَسَاجِدَ، فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ» **"میں اللہ کے سامنے اس بات سے برأت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا دوست (خلیل) ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے، جیسا کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔ اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنانا چاہتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ خبردار! تم سے پہلے لوگ انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا میں تمہیں اس طرز عمل سے منع کرتا ہوں"**۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل شنیع سے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں منع فرمایا، پھر آپ نے موت وحیات کی کشمکش میں ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ (معلوم ہوا کہ اگر) قبر پرستی نہ بھی ہو تب بھی قبر کے پاس نماز پڑھنا منع ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول: («خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»، فَإِنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يَكُونُوا لِيَبْنُوا حَوْلَ قَبْرِهِ مَسْجِدًا) (اس کا ڈر تھا کہ آپ کی قبر کو مسجد نہ بنالیا جائے) کا مطلب بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے توقع نہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مسجد بنائیں کیونکہ جس جگہ نماز پڑھنا مقصود ہو وہ مسجد ہی ہے، بلکہ ہر وہ جگہ جہاں نماز ادا کی جائے اسے مسجد کا نام دیا جاتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا» **"تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور ذریعہ طہارت بنایا گیا ہے"**

- «لَـمَّا نُـزِلَ بِرَسُـولِ الله ﷺ»: اس سے مراد ملک الموت ہیں جو نبی ﷺ کی روح قبض کرنے لیے اترے تھے۔
- «خَمِيصَة»: "خمیصہ" چادر یا دھاری دار کپڑے کو کہتے ہیں۔
- «لَعْنَةُ الله» (اللہ کی لعنت): یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور دھتکار، اس بنیاد پر یہ اللہ کی طرف سے خبر ہے کہ یہ لوگ ملعون ہیں، نیز اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ان کے اوپر نبی ﷺ کی بددعا ہے۔
- «اتَّخَذُوا قُبور أَنْبيَائِهِمْ مَسَـاجِدَ»: یا تو وہ لوگ قبروں پر سجدہ کیا کرتے تھے یا پھر ان کے اوپر باضابطہ مسجد قائم کر لیا تھا۔
- «لأُبْـرِزَ قَـبْرُهُ»: یعنی نبی ﷺ کی قبر مبارک کھلی جگہ پر ہوتی اور آپ اپنے حجرہ مبارک سے باہر کہیں مثلا بقیع میں دفن کیے جاتے۔

نبی ﷺ کو حجرہ کے اندر کیوں دفن کیا گیا کہ جہاں قبر کی مٹی کو تو دور کوئی آپ کے حجرہ کو بھی نہیں دیکھ پاتا؟

- نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے: «مَا قُبِضَ نَبِيٌّ إِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ» (جہاں نبی کی روح قبض کی جاتی ہے وہیں ان کا مدفن ہوتا ہے)۔
- «خَشِـيَ»: (خا کے زبر کے ساتھ کا مطلب ہے) نبی ﷺ ڈرتے تھے کہ کہیں آپ کی قبر کو وثن (بت) نہ بنالیا جائے۔
- «خُشِـيَ»: (خا کے پیش کے ساتھ کا مطلب ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈرتے تھے کہ کہیں نبی ﷺ کی قبر کو وثن (بت) نہ بنالیا جائے۔ اور ان کا ایسا کرنا توحید کے تمام پہلوؤں کی حفاظت کی خاطر تھا۔

ہم ان پر کیسے رد کریں گے جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی قبر مسجد کے اندر ہے؟

أ. **اجمالی رد:** کہ یہ متشابہ میں سے ہے، اور واجب کتاب و سنت کے محکمات پر عمل کرنا ہے، اور آپ محکمات کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں لہذا ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے۔

ب. **تفصیلی رد:**

1. مسجد قبر کے اوپر نہیں بنائی گئی بلکہ مسجد کی تعمیر تو نبی ﷺ کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی۔
2. نبی ﷺ کو مسجد میں دفن نہیں کیا گیا بلکہ آپ کو آپ ﷺ کے گھر میں دفن کیا گیا جو مسجد سے باہر تھا۔
3. حجرات کو مسجد میں داخل کرنے کا عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق رائے سے نہیں ہوا تھا، بلکہ ایسا ان میں سے اکثر کے وفات پا جانے کے بعد ہوا تھا، اور جو لوگ بقید حیات تھے انہوں نے اس کی مخالفت کی بھی تھی، جیسا کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے بھی اس عمل کی مخالفت ثابت ہے۔

۴. قبر مسجد کے اندر نہیں ہے بلکہ ایک مستقل حجرے میں ہے اور مسجد اس حجرے کے اوپر تعمیر نہیں ہوئی ہے اور مزید یہ کہ اس قبر کو تین دیواروں سے گھیر دیا گیا ہے اور وہ دیواریں قبلہ سے منحرف زاویہ میں بنائی گئی ہیں تاکہ نماز پڑھتے وقت وہ نمازی کے عین سامنے نہ ہو۔

۵. مسجد نبوی کی اپنی الگ خصوصیت ہے کہ اس کے لیے رخت سفر باندھا جاتا ہے، اس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے، لہذا یاد رہے کہ سفر مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے ہو نہ کہ قبر کی زیارت کی نیت سے۔

تنبیہ: خُلت (خلیل (دوست) بنانا) محبت کی سب سے اعلی قسم ہے اور جہاں تک میری معلومات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے صرف دو کے لیے اسے ثابت کیا ہے اور وہ دونوں ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس سے آپ ان کی جہالت جان سکتے ہیں جو کہتے ہیں کہ: ابرہیم، خلیل اللہ ہیں اور محمد، حبیب اللہ ہیں (یہ سمجھتے ہوئے کہ حبیب، خلیل سے اعلی درجہ ہے، جبکہ) یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کمی کرنا ہے کیونکہ ایسا کہنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو ابراہیم علیہ السلام کے درجہ سے کمتر گردانا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر عام لوگوں کے مابین کوئی فرق نہیں کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو احسان کرنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے، لہذا جو یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں وہ غلطی پر ہے۔ واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل اللہ کے مقابلے میں حبیب اللہ کہنا غلط اور شان مصطفی میں گستاخی ہے، ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب اور محبوب ہیں۔

چوتھی دلیل:

مسند احمد میں جید سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ: «إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ، وَالَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْقُبور مَسَاجِدَ» ”سب سے بدترین لوگوں میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنہیں بقید حیات ہوتے ہوئے قیامت پائے گی، اور وہ بھی ان بدترین لوگوں میں ہیں جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں“۔ ابو حاتم (ابن حبان) نے بھی اسے اپنی صحیح میں رایت کیا ہے۔

- «شِرَارِ النَّاسِ»: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برائی میں بھی لوگوں کے درجات ہوتے ہیں کہ بعض بعض کے مقابلے میں زیادہ برے ہوتے ہیں۔

باب کا خلاصہ:

شرک اور اس کے وسائل سے دوری اختیار کرنا واجب ہے، اور جو شخص کسی نیک آدمی کی قبر کے پاس اللہ کی عبادت جیسے نماز وغیرہ کرنا چاہے تو اس سے سختی سے نپٹا جائے گا، اب جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اس قبر والے کے پاس صدقہ کرنا دیگر جگہ کے مقابلے میں افضل ہے تو وہ قبر کو مسجد بنانے والوں کی مانند ہے۔

مسائل:

پہلا: کسی بزرگ کی قبر کے پاس مسجد تعمیر کرنے والوں کے لیے وعیدیں وارد ہیں، گرچہ مسجد بنانے والے کی نیت صحیح ہی ہو (یہ ایسا عمل ہے جس میں نیت کی حاجت نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق مجرد فعل سے ہے، اور اس میں مشرکین کی مشابہت بھی ہے)۔

دوسرا: تصاویر و مجسمے بنانے کی حرمت اور اس پر شدید وعید (خصوصاجب یہ تصاویر ایسے لوگوں کی ہو جن کی تعظیم کی جاتی ہے، خواہ عادتا جیسے سرداران یاباپ یاشرعا جیسے اولیاءاور صالحین)۔

تیسرا: اس عمل کی مذمت کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ کی تاکید اور تشدید سے عبرت حاصل ہوتی ہے کہ پہلے تو آپ نے اس کام سے ویسے منع فرمایاہی دیا تھا، پھر بھی آپ آخر عمر میں وفات سے پانچ روز قبل مزید تنبیہ فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے جانکنی کے عالم میں ایک بار پھر سختی سے منع فرمایا۔

چوتھا: نبی ﷺ نے اپنی قبر پر بھی اس عمل سے منع فرمادیا، حالانکہ ابھی آپ کی قبر موجود نہ تھی۔

پانچواں: انبیاء وصلحاء کی قبروں پر مساجد بناکر ان میں عبادت کرنا، یہود ونصاری کا طرز عمل ہے۔

چھٹا: اس عمل پر آپ ﷺ نے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی۔

ساتواں: اس طرز عمل کی وجہ سے یہود ونصاریٰ پر آپ ﷺ کی لعنت بھیجنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر کے ساتھ ایسابرتاؤنہ کریں۔

آٹھواں: آپ ﷺ کی قبر کو کھلی جگہ میں نہ بنانے کی وجہ (کہ کہیں آپ کی عبادت نہ کی جانے لگے اس بات کا ڈر، اور نبی جہاں وفات پاتے ہیں وہیں ان کی قبر بنتی ہے)۔

نواں: قبروں کو مسجد بنانے کے معنی کی وضاحت (کہ اس پر مسجدیں تعمیر کرنا اور اسی طرح تعمیر مسجد کے بغیر وہاں نمازیں ادا کرنا)۔

دسواں: نبی ﷺ نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور جن لوگوں پر قیامت قائم ہوگی، دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے، گویا آپ نے کفریاشرک کے واقع ہونے سے قبل ہی اس کے اسباب اور انجام کا ذکر فرمادیا ہے۔

گیارھواں: نبی ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل اپنے خطبہ میں ان دو گروہوں پر رد فرمادیا جو اہل بدعت میں سے سب سے زیادہ برے ہیں، بلکہ بعض اہل علم نے تو انہیں بہتر (۷۲) گروہوں سے بھی خارج کردیا ہے۔ ان دو گروہوں میں سے ایک رافضہ اور دوسرا جہمیہ ہے۔ خصوصاروافض کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبر پرستی کی ابتدا ہوئی اور انہیں روافض نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد بنانے کا سلسلہ شرع کیا۔

بارھواں: آپ ﷺ کو نزع کے وقت بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

تیرھواں: آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

چودھواں: خلیل ہونے کا درجہ صدیق (دوست) ہونے سے اونچا ہے۔

پندرھواں: اس کی صراحت کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں (ایمان اور عمل صالح کی افضلیت نسب کی افضلیت سے بڑھ کر ہے، اسی وجہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہوئی)۔

سولھواں: اس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

[۲۱]اس بات کا بیان کہ صالحین کی قبروں کے بارے میں غلو کرنا ان قبروں کو وثن(بت)بنانا ہے۔

- شرک پہنچنے کا یہ تیسرا سبب ہے، کہ غلو کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ قبر کی یا قبر والے کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں، اور غلو کہتے ہیں تعریف یا مذمت میں حد سے تجاوز کر جانے کو۔
- قبر کے بارے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں افراط، تفریط اور اعتدال: **افراط** کرنے والوں نے اس کی عبادت اور اس پر قبے تعمیر کرکے اس میں غلو سے کام لیا، **تفریط** کرنے والوں نے مُردوں کا واجبی احترام نہ کرکے ان کی قبروں کے ساتھ بے حرمتی کی، اور حق پرست **معتدل** لوگ ان دونوں کے مابین ہیں، چنانچہ وہ ان کی حرمت کا پاس ولحاظ کرتے ہیں اور ان کے سلسلے میں اس قدر غلو نہیں کرتے کہ معاملہ ان کی عبادت تک پہنچ جائے۔

ایک سے لے کر چار تک دلیل:

[۱]امام مالک رحمہ اللہ نے "موطا" میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ، اشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قبور أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ**» "**اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کردیں۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اور قہر نازل ہو جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا تھا**"۔

[۲] ابن جریر رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ ﴿أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ﴾ کی تفسیر میں اپنی سند سے سفیان سے، انہوں نے منصور سے اور انہوں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہم سے روایت کیا ہے کہ: "لات" حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ فوت ہوگیا تو لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے۔

[۳]ابو الجوزاء نے بھی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ: (كَانَ يَلُتُّ السَّوِيقَ لِلْحَاجِّ) "لات" حجاج کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔

[۴]حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: «**لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ، وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ**» "**رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے اور چراغاں کرتے ہیں**"۔(اس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے)۔

- «اشْـتَدَّ غَضَـبُ اللهِ»: ”غضب“ یہ اللہ تعالیٰ کی ثابت شدہ حقیقی صفت ہے، البتہ اللہ کا غضب مخلوق کے غضب کی مانند نہیں ہے۔
- «اتَّخَذُوا قُبورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»: (**انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا**) ان پر سجدہ کرکے یا پھر باضابطہ ان پر مسجدیں تعمیر کرکے۔
- کیا اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی یہ دعا قبول کرلی تھی کہ آپ کی قبر کو ایسا وثن (بت) نہ بننے دے جس کی اللہ کے سوا پوجا کی جانے لگے، یا اللہ کی حکمت اس کے برخلاف تھی؟ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمالیا، لہٰذا ایسا کبھی نہیں سنا گیا کہ آپ کی قبر کو وثن (بت) بنالیا گیا ہو اور اس کی باضابطہ عبادت ہونے لگی ہو، بلکہ آپ ﷺ کی قبر کو تین دیواروں سے گھیر دیا گیا ہے جن سے مذکورہ خدشہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، چنانچہ اسی بات کو انہوں نے مندرجہ ذیل شعر میں بیان کیا ہے:

فَأَجَابَ رَبُّ الْعَالَمِينَ دُعَاءَهُ *** وَأَحَـاطَهُ بِثَلَاثَةِ الْجُدْرَانِ

اللہ رب العالمین نے آپ کی دعا کو قبول فرمالیا اور آپ کی قبر کو تین دیواروں سے گھیر دیا۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ کچھ لوگ آپ کی قبر کے سلسلے میں غلو کرتے ہیں لیکن معاملہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ آپ کی قبر کو وثن (بت) بناکر اس کی عبادت کرنے لگے ہوں۔

- ﴿أَفَرَءَيْتُمُ﴾: ان بتوں کی ان بڑی نشانیوں سے کیا نسبت ہے جو آپ نے معراج کی رات دیکھا تھا۔
- «السَّـوِيقَ»: (ستو) جَو کو بھون یا سوکھا کر، پھر اس کو پیس کر بعد ازاں کھجور کے ساتھ ملا کر جو چیز بنتی ہے اسے ”سویق“ کہتے ہیں، جو وہ حجاج کو پیش کرتے تھے۔
- «السُّـرُجَ»: (چراغ) سراج کی جمع ہے، رات و دن اس پر چراغاں کیا جاتا ہے یا تو اس کی تعظیم میں یا پھر غلو کرتے ہوئے۔
- عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اسی طرح قبروں کو مساجد بنالینا اور اس پر چراغاں کرنا بھی، کیونکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے، اور لعنت بھیجا جانا گناہ کبیرہ ہونے کی علامت ہے۔
- **قبروں کی زیارت کی اقسام:** [۱] شرعی زیارت: قبروں کے لیے رختِ سفر باندھے بغیر آخرت کی یاد اور اپنے لیے اور مُردوں کے لیے دعا کی نیت سے زیارت کرنا [۲] اگر نیت مُردوں سے دعا مانگنے کی ہو تو یہ زیارت شرکیہ ہے [۳] اور اگر نیت ان قبروں کے پاس جاکر اللہ سے دعا مانگنا ہو تو یہ بدعی زیارت ہے۔

مسائل:

پہلا: اوثان کی تشریح وتوضیح (کہ وثن ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے خواہ وہ بت ہو یا قبر ہو یا کچھ اور)۔

دوسرا: عبادت کی تفسیر اور اس کا معنی ومفہوم (عبادت کہتے ہیں: معبود کے سامنے خضوع اور فروتنی وخاکساری اختیار کرنا اس کی تعظیم کرتے ہوئے، اس سے محبت رکھتے ہوئے، اس کے عذاب سے خوف کھاتے ہوئے اور اس کی نعمتوں کی امید رکھتے ہوئے)۔

تیسرا: رسول اللہ ﷺ نے صرف اسی چیز سے پناہ مانگی، جس کے واقع ہونے کا آپ ﷺ کو اندیشہ تھا۔

چوتھا: جہاں آپ ﷺ نے یہ دعا کی کہ: "یا اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے"، وہیں آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ: "پہلے لوگوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا"۔

پانچواں: نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایسے کام کرنے والوں پر اللہ کا شدید قہر وغضب نازل ہو۔

چھٹا: ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ "لات" جو عرب کے چند سب سے بڑے بتوں میں سے ایک تھا، اس کی عبادت کس طرح شروع ہوئی تھی۔

ساتواں: یہ بات معلوم ہوئی کہ "لات" ایک بزرگ کی قبر تھی۔

آٹھواں: "لات" صاحب قبر کا نام ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ بھی مذکور ہے۔

نواں: آپ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔

دسواں: نبی ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر بھی لعنت فرمائی۔

- **ایک اہم مسئلہ:** بزرگوں اور صالحین کی قبروں میں غلو کرنا اس کو وثن (بت) بنادیتا ہے، جیسا کہ "لات" کی قبر کے ساتھ پیش آیا۔
- **مسئلہ:** عورت جب مسجد نبوی میں "روضہ" میں نماز پڑھنے کے لیے جائے تو چونکہ نبی ﷺ کی قبر قریب ہی ہوتی ہے لہذا اس کا کھڑے ہو کر آپ پر سلام بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں بہتر یہ ہے کہ وہ بھیڑ بھاڑ اور مردوں کے ساتھ اختلاط سے دور رہے، نیز اس لیے بھی تاکہ کوئی اس کو دیکھ کر یہ نہ سمجھے کہ عورتوں کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ قصداً قبروں کی زیارت کے لیے جانا جائز ہے۔

[۲۲] نبی مصطفی ﷺ کا توحید کے تمام گوشوں کی حفاظت فرمانا اور ذریعۂ شرک بننے والی ہر راہ کو بند کرنا۔

اس باب کو یہ بیان کرنے کے لیے لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے توحید کے تمام گوشوں کی حفاظت کے لیے مضبوط دیوار قائم کی اور شرک کا کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں چھوڑا بلکہ ہر ان وسائل کا سدباب کیا جو شرک تک پہونچانے میں معاون بنتے ہوں۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولٞ مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ عَزِيزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ﴾ الآیَة. (تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے، تمہاری تکلیف اسے شاق گزرتی ہے)۔

[۲] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا، وَصَلُّوا عَلَيَّ؛ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ» **"اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو میلہ (گاہ) بناؤ، اور تم جہاں بھی رہو مجھ پر درود (وسلام) پڑھتے رہو، تمہارے درود وسلام مجھے پہنچ جائیں گے"۔** (اس کو ابو داود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)۔

- ﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ﴾: تین تاکیدات کے ذریعے مؤکد کیا گیا ہے: قسم مقدر، لام اور قد۔
- ﴿مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ﴾: یعنی [۱] تمہاری ہی جنس میں سے ایک بشر ہیں، لیکن انہیں تمہارے اوپر فوقیت وحی کی وجہ سے دی گئی ہے۔

  [۲] ایک قراءت میں: «مِنْ أَنْفَسِكُمْ» فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس وقت آیت کا معنی ہوگا کہ: وہ تم میں سب سے زیادہ شریف اور متقی ہیں۔
- ﴿عَزِيزٌ عَلَيۡهِ﴾: جو تمہارے اوپر شاق ہو وہ انہیں بھی پریشان کرتی ہے، اسی لیے آپ کو آسان ونرم دین حنیف دے کر مبعوث کیا گیا۔
- ﴿حَرِيصٌ عَلَيۡكُم﴾: تمہاری رشد وہدایت کے حریص ہیں۔

- ﴿بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ رَءُوفٞ رَّحِيمٞ﴾: جس کو بعد میں لانا تھا اسے پہلے لانا حصر کا فائدہ دیتا ہے، یعنی غیر مومنوں پر آپ سخت ہیں، اور اہل ایمان کے لیے نہایت ہی مہربان اور شفیق ہیں ﴿مُّحَمَّدٞ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ﴾ (محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں)۔
- ﴿فَإِن تَوَلَّوۡاْ﴾: یعنی اعراض کریں، یہ نہیں کہا: فإن تولّیتم؛ [۱] کیونکہ نبی ﷺ کے اوصاف کی اس قدر وضاحت کے بعد ان سے اعراض کرنا انتہائی ناپسندیدہ حرکت ہے [۲] قاری کو متنبہ کرنے کی خاطر، ضمیر کو (حاضر کے بجائے غائب سے) بدل دیا تاکہ قاری متنبہ ہو جائے۔
- ﴿فَقُلۡ حَسۡبِيَ ٱللَّهُ﴾: یعنی ان کا اعراض کرنا، آپ کو پریشان نہ کرے اور آپ پر اثر انداز نہ ہو، بس آپ اپنی زبان اور دل سے یہ کہتے رہیں: ﴿حَسۡبِيَ ٱللَّهُ﴾ (میرے لیے اللہ کافی ہے)۔
- «بُيوتَكُمْ قُبورا»: یعنی: [۱] اس میں نماز پڑھنا نہ چھوڑیں، [۲] اس میں مردے دفن نہ کریں۔
- «عِيدًا»: یعنی: میری قبر پر وقت کی تعیین کے ساتھ بار بار آنا اپنی عادت نہ بنالیں، خواہ یہ عادت اور وقت معین سالانہ، ماہانہ یا ہفتہ وارانہ ہی کیوں نہ ہو، بلکہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کسی سبب کی وجہ سے کریں، مثلاً کوئی سفر سے واپس لوٹنے یا آخرت کو یاد کرنے کی خاطر ایسا کرے۔
- «وَصَلُّوا عَلَيَّ»: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی پر "صلاۃ" کا مطلب ہے فرشتوں کے بیچ آپ کی تعریف کرنا۔
- «تَبْلُغُني»: کیونکہ نبی ﷺ کا ایک دوسرے مقام پر فرمان ہے: «إِنَّ لله مَلائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الأَرْضِ يُبَلِّغُونِي عَنْ أُمَّتِي السَّلامَ» "اللہ تعالیٰ کچھ خاص فرشتے زمین میں گھومتے رہتے ہیں جو مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں"، لہٰذا آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بھیڑ لگانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

تیسری دلیل:

زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ نے ایک شخص کو نبی ﷺ کی قبر کے گرد بنی دیوار میں ایک شگاف سے اندر داخل ہو کر قبر کے پاس دعا کرتے ہوئے دیکھا تو اسے روک دیا اور کہا: کیا میں تجھے وہ حدیث نہ بتاؤں جو میرے باپ (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) نے میرے دادا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی! آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا، وَلَا بُيُوتَكُمْ قُبورا؛ فَإِنَّ تَسْلِيمَكُمْ يَبْلُغُنِي أَيْنَ كُنْتُمْ» **"میری قبر کو بار بار پلٹنے کی جگہ نہ بنانا اور تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنالینا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا، اس لیے کہ تم جہاں بھی ہو گے، تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا"**۔ اس حدیث کو ضیاء مقدسی نے "مختارہ" میں روایت کیا ہے۔

- «فَيَدْعُو»: یہ گمان کرنا کہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس دعا کرنے کی اہمیت ہے، یہ شرک کے دروازہ کو کھولنا اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ بن سکتا ہے۔
- «أَيْنَ كُنْتُمْ»: اس سے مراد ہے کہ: تم جہاں کہیں بھی رہو میرے اوپر درود پڑھتے رہو میری قبر کے پاس آکر ہی میرے اوپر درود و سلام پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ برأت (توبہ) کی آیت ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ کی تفسیر۔

دوسرا: نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کو حدود شرک سے بہت دور رہنے کی ہدایت اور حکم (اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ...)

تیسرا: آنحضرت ﷺ کا ہم (یعنی اپنی امت) پر نہایت شفیق و مہربان اور ہماری رشد و ہدایت پر انتہائی حریص ہونے کا ذکر (سورۂ برأت والی آیت)۔

چوتھا: آپ ﷺ نے مخصوص انداز میں اپنی قبر کی زیارت سے منع فرمایا ہے، حالانکہ آپ کی قبر کی زیارت انتہائی فضیلت والے اعمال میں سے ہے (آپ ﷺ کے قبر کی زیارت کے وقت آپ کو سلام کیا جائے گا، اور آپ کا حق دوسرے کے مقابلے میں زیادہ بڑا ہے)۔

پانچواں: نبی ﷺ نے بار بار زیارت قبر کے لیے جانے سے منع فرمایا ہے۔

چھٹا: آپ ﷺ نے نفلی نماز گھر میں بجالانے کی ترغیب دی ہے۔

ساتواں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات مسلم اور معروف تھی کہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

آٹھواں: صلوٰۃ و سلام کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ آدمی کا درود و سلام مجھے پہنچ جاتا ہے، خواہ وہ دور ہی ہو، لہٰذا اس غرض سے قریب آنے کی ضرورت نہیں (زین العابدین علی بن حسین نے فرمایا: تمہارے اور جو اندلس میں ہے دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں)۔

نواں: اس میں یہ بھی بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ برزخ میں ہیں اور امت کے اعمال میں سے درود و سلام آپ پر پیش کیے جاتے ہیں۔

پانچویں قسم: ان لوگوں کی تردید جو کہتے ہیں کہ: اس امت میں یا جزیرہ عرب میں شرک واقع نہیں ہو سکتا (ایک باب)

[۲۳] امت محمدیہ ﷺ کے بعض افراد کا بت پرستی میں مبتلا ہونا

- اس باب کے ذریعہ ان لوگوں کے دلائل کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں: اس امت میں شرک واقع نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ امت نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے «**إِنَّ الشَّيْطَانَ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ**» "**شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے لوگ اس کی عبادت کریں**"، معصوم ہے۔
- **ان کے اس شبہہ کا اجمالی جواب یہ ہے کہ:** یہ محکم نصوص کو چھوڑ کر متشابہ نصوص کے پیچھے پڑنا ہے، **اور تفصیلی جواب یوں ہے:**
  1. شیطان کے مایوس ہو جانے کے بارے میں خبر دینا شرک کے عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے۔
  2. شیطان نمازیوں (موحدین) سے مایوس ہو چکا ہے غیر نمازیوں سے نہیں۔
  3. یہ فہم کتاب وسنت کے بہت سارے نصوص سے متصادم ہے۔
  4. صحابہ کرام نے جزیرہ عرب میں مرتدین سے ان کے شرک کی وجہ سے جنگ لڑی۔
  5. یہ معاملہ حقیقت اور واقع کے خلاف ہے، کیونکہ جزیرۂ عرب میں آج بھی بعض لوگ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔
  6. یہ بات شیطان کے دل میں آئی لیکن اس کے باوجود اس نے بنی آدم کو بھٹکانے کی کوشش نہیں چھوڑی۔
  7. جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے تو یہ چیز پیش آئی۔
  8. علماء نے ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن کی بنیاد پر بہت سارے لوگ مرتد ہیں گرچہ وہ جزیرۂ عرب میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں۔
- جس نے یہ دعوی کیا کہ مسیلمہ (کذاب) نبی ہے وہ کافر ہے اور کلمہ شہادت اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، تو جو تیجانی (اور ان جیسے لوگوں) کو اللہ کے برابر قرار دے، کیا وہ کافر نہیں ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے!!

مؤلف رحمہ اللہ نے ان آیات کو اس باب میں کیوں ذکر کیا ہے جبکہ بظاہر باب سے اس کی کوئی مطابقت نظر نہیں آتی؟

- لیکن مؤلف کی مراد حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ والی حدیث سے واضح ہوتی ہے، کہ یہ آیات باب کے بالکل موافق ہیں۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَـٰبِ يُؤْمِنُونَ بِٱلْجِبْتِ وَٱلطَّـٰغُوتِ ﴾ (کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو بت اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں)۔

[۲] وَقَوْلِـــهِ: ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ ٱلطَّـٰغُوتَ ۚ﴾ (کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برا اجر پانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنادیا اور جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی)۔

- ﴿ أَلَمْ تَرَ ﴾: یہ استفہام بطور تقریر (اثبات) اور تعجب ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس خطاب کا مستحق ہو سکتا ہے۔
- ﴿أُوتُوا۟ ﴾: أُعطـــوا، (دیا گیا) کے معنی میں ہے، انہیں مکمل کتاب نہیں دی گئی تھی، کیونکہ انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اس سے محروم کردیا گیا تھا۔
- ﴿يُؤْمِنُونَ بِٱلْجِبْتِ وَٱلطَّـٰغُوتِ ﴾: ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کا انکار کرنے کے بجائے ان کو ثابت کرتے ہیں۔

پہلی آیت سے ماخوذ فوائد:

۱. بڑی عجیب بات ہے کہ انسان کو کتاب کا کچھ حصہ دیا جائے اس کے باوجود وہ بت اور معبودان باطلہ پر ایمان رکھے۔
۲. علم ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عالم سے گناہ سرزد نہیں ہوگا۔
۳. بت اور معبودان باطلہ کا انکار واجب ہے، کسی بھی صورت میں اس کا اقرار جائز نہیں۔
۴. اس امت کے بھی کچھ لوگ بت اور معبودان باطلہ پر ایمان لائیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل میں تھا۔

- ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم ﴾: یہ خطاب نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ہے ان یہودیوں پر رد کرنے کے لیے جنہوں نے دین اسلام کو لہو ولعب اور ہنسی کھیل بنالیا تھا، اور استفہام یہاں تقریر واثبات اور شوق ورغبت پیدا کرنے کے لیے ہے۔

دوسری آیت سے ماخوذ فوائد:

٢. مخالفین کے خلاف ایسے دلائل کا ذکر کرنا جن کا انکار کرنا ان کے لیے ممکن نہ ہو، چونکہ یہودی جانتے تھے کہ ان کے اندر ایک ایسی قوم تھی جس پر اللہ کا غضب اور لعنت نازل ہوئی تھی اور ان میں سے کچھ کو بندر اور سور بنا دیا گیا تھا، اب جب وہ اس بات کے اقراری ہیں اور اس کے باوجود مسلمانوں کا مذاق بناتے ہیں، تو ہم ان سے کہیں گے: جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا (یعنی یہود) وہ مذاق بنائے جانے کے زیادہ حقدار ہیں۔

٣. اللہ کے نزدیک لوگوں کے مختلف مراتب ہیں ان کے ایمان کی زیادتی ونقصان اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کی بنیاد پر۔

٤. یہودیوں کی برے یحالت کا بیان کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے بطور سزا لعنت کی اور ان کی صورتیں مسخ کر دیں، اور یہ کہ یہودیوں نے معبودان باطلہ کی عبادت کی۔

٥. اللہ تعالیٰ کے لیے اختیاری افعال ثابت کرنا یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ لعنت بھیجنا بھی ایک صفت فعلیہ ہے۔ اسی طرح اللہ کے لئے غضب اور قدرت ثابت کرنا۔

٦. نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ لِمَسْخٍ نَسْلًا وَلَا عَقِبًا» (اللہ تعالیٰ نے مسخ شدہ اقوام کی نسلوں سے نہ تو بچے پیدا کیے اور نہ ہی ان کی نسلیں باقی رہیں)، لہٰذا بندر کی نسلیں پہلے سے ہی موجود تھیں۔

٧. سزا 'من جنس العمل' (عمل کے جنس سے) ہوتی ہے، کیونکہ یہود نے ایسا کام کیا جو بظاہر تو جائز تھا (یعنی سنیچر کے دن مچھلی کے شکار کے سلسلے میں ان کی حیلہ سازی) لیکن درحقیقت حرام تھا۔

تیسری دلیل:

ارشاد ربانی ہے: ﴿قَالَ ٱلَّذِينَ غَلَبُواْ عَلَىٰٓ أَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِم مَّسۡجِدٗا﴾ (جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے آس پاس مسجد بنا لیں گے)۔

- ﴿قَالَ ٱلَّذِينَ غَلَبُواْ﴾: حاکموں نے یہ بات قسم کھاتے ہوئے تاکیدی طور پر کہی۔

١. اصحاب کہف کے قصے میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت پر دلالت کرنے والی آیات اور نشانیاں ہیں۔

٢. قبروں پر مساجد کی تعمیر کے اسباب میں سے ایک سبب قبر والوں کے بارے میں غلو کا شکار ہونا ہے۔

٣. قبروں کے بارے میں غلو کرنا گرچہ اس کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو کبھی کبھی یہ اس سے بڑے گناہ حتیٰ کہ شرک اکبر تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

چوتھی دلیل:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"تم پہلی امتوں کی پیروی کرتے ہوئے اس طرح ان کے برابر ہو جاؤ گے، جیسے تیر کا پر دوسرے تیر کے مساوی ہوتا ہے (ورنہ نشانہ خطا کر جائے گا۔ اور اس سے مراد مکمل مشابہت ہے)، یہاں تک کہ اگر وہ ضب (گوہ، سانڈا) کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی جا گھسو گے"۔** «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ، حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوهُ»، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"اور کون"۔**
(بخاری اور مسلم نے اس کو روایت کیا ہے)۔

پانچویں دلیل:

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ: الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ، وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ، وَأَنْ لَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا، حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا، وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا» **"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین اس حد تک سمیٹ دی کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے اور میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے زمین سمیٹ کر دکھائی گئی۔ اور مجھے دو خزانے، ایک سرخ اور دوسرا سفید عطا کیے گیے۔ اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے یہ دعا کہ وہ عام قحط سالی سے اسے ہلاک نہ کرے۔ اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن مسلط نہ کرے جو انہیں تباہ کر کے رکھ دے۔ میرے رب نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جب کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ میں آپ کی امت کے بارے میں آپ کی یہ دعا قبول کرتا ہوں کہ میں انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن بھی مسلط نہیں کروں گا جو انہیں تباہ کر کے رکھ دے، اگرچہ سارے دشمن ان کے خلاف متحد اور مجتمع کیوں نہ ہو جائیں۔ البتہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور قیدی بھی بنائیں گے"۔**

اور اسے حافظ برقانی نے بھی اپنی کتاب (الصحیح) میں روایت کیا ہے اور مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

«وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ، وَإِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ،

وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَلْحَقَ حَيٌّ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلَاثُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةً، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى» "مجھے اپنی امت کے بارے میں صرف گمراہ پیشواؤں کا خدشہ ہے اور جب ان میں ایک دفعہ تلوار چل پڑے گی تو قیامت تک بند نہیں ہوگی۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ میری امت کی ایک جماعت مشرکین سے نہ جا ملے اور میری امت کے بہت سے گروہ بت پرستی نہ کرنے لگیں اور میری امت میں تیس دجال ہوں گے، وہ سب کے سب نبوت کا دعویٰ کریں گے حالانکہ میں خاتم الانبیا (آخری نبی) ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ (قیامت تک) حق پر رہے گا اور ان کی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مدد کی جائے گی اور انہیں چھوڑ جانے والے (مراد مخالفین) ان کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (یعنی قیامت) آ جائے"۔

- «سَنَنَ» سین کے فتحہ کے ساتھ "سنن" کا معنی راستہ ہے اور سین کے ضمہ کے ساتھ طریقہ۔
- «حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ»: قُذۃ، تیر کے پر کو کہتے ہیں، اس میں کنایہ ہے شدت مشابہت سے:

۱- اس امت کے کچھ لوگ بتوں کی عبادت کریں گے، کیونکہ یہ ہم سے پہلے لوگوں کا راستہ ہے، اور یہ ان کے راستے کی پوری طرح پیروی کریں گے۔

۲- سابقہ لوگوں کے ان طریقوں کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے جن سے بچنا لازم ہے تاکہ ان سے بچا جا سکے،، کیونکہ اللہ کی معصیت میں ہم ان کی تابعداری نہیں کریں گے۔

۳- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ بات بڑی تعجب خیز تھی کہ ہم (ان کے بعد والے) لوگ ہدایت آ جانے کے بعد بھی اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کریں گے۔

۴- جیسے جیسے لوگوں اور عہد رسالت کے درمیان دوری بڑھتی جائے گی، زمانہ حق سے دور ہوتا چلا جائے گا۔

- «زَوَى»: جمع کیا اور اکٹھا کیا «الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ»: سونا اور چاندی، یعنی قیصر و کسریٰ کے خزانے۔
- «وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي»: نبی ﷺ نے تین چیزوں کا سوال کیا تھا جن میں سے دو عطا کی گئیں اور تیسری سے منع فرما دیا گیا:

۱- آپ کی امت کو عام قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کرے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ساری امت پر بالعموم قحط سالی میں مبتلا نہیں کرے گا۔

۲- بالعموم ساری امت اسلامیہ پر کفار مسلط نہیں ہوسکتے۔
۳- یہ امت آپسی خانہ جنگی کا شکار نہ ہو، اس آخری دعا کو قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا۔

- «الأَئِمَّة الْـمُضِلِّين»: آپ ﷺ نے اپنے خوف اور ڈر کا محور گمراہ اماموں کو قرار دیا، اور امام یا تو:

ا. خیر میں ہوگا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے)۔

۲. یا شر میں ہوگا: ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ﴾.

- «وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ»: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے آج تک یہی معاملہ چلا آرہا ہے۔
- «وَحَتَّى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِنْ أُمَّتِي الأَوْثَانَ»: یہاں تک کہ میری امت کی کئی جماعتیں بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔
- «كَذَّابُونَ ثَلَاثُونَ»: یہ یا تو من باب الزیادہ ہے یا من باب الحصر ہے (یعنی یا تو آپ کے فرمان کے مطابق پورے تیس کذاب ہوں گے جو نبوت کا دعوی کریں گے، یا پھر اس سے مراد تیس عدد کی تحدید نہیں بلکہ ان کی

مسائل:

پہلا: سورۂ نساء کی آیت (﴿يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾) کی تفسیر۔
دوسرا: سورۂ مائدہ کی آیت (﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ﴾) کی تفسیر۔
تیسرا: سورۂ کہف کی آیت (﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا﴾) کی تفسیر۔ چونکہ سابقہ امتوں نے بتوں اور اوثان کی عبادت کی لہذا اس امت میں بھی ایسے لوگ پائے جائیں گے جو بتوں اور اوثان کی عبادت کریں گے۔
چوتھا: سب سے اہم بات، جبت (بت) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان لانے کے معنیٰ و مفہوم کا بیان ہے کہ کیا اس سے مراد قلبی اعتقاد ہے یا ان سے نفرت اور ان کے بطلان کا اعتقاد رکھتے ہوئے بظاہر ان کی موافقت؟ ([۱] اگر اس کو صحیح مانتے ہوئے اس کی موافقت کرے تو کافر ہوگا۔ [۲] اگر اس کو صحیح نہ مانتے ہوئے اس کی موافقت کرے تو کافر نہیں ہوگا)۔
پانچواں: اس سے یہود کی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہودیوں کا کفار (مکہ) کے متعلق جن کا کفر وہ جانتے تھے، یہ کہنا کہ یہ لوگ مومنوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں، کفر وارتداد ہے (یعنی ایسا کہنا کفر وارتداد ہے، ایمان پر کفر کو ترجیح دینے کی وجہ سے)۔
چھٹا: ایک اہم مسئلہ جو اس باب کا مقصود وعنوان ہے، کہ ایسے کچھ لوگ ہر زمانہ میں پائے جائیں گے جن میں

وہی برائیاں پائی جائیں گی جو گزشتہ امتوں میں تھیں، جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا بیان موجود ہے (لہذا اس سے ڈرتے رہنا چاہیے)۔

ساتواں: اس بات کی تصریح کہ اس امت کے بہت سے گروہ بت پرستی میں مبتلا ہوں گے۔

آٹھواں: تعجب تو اس بات پر ہے کہ مختار ثقفی جیسا شخص نبوت کا دعویٰ کرنے لگا، حالانکہ وہ توحید ورسالت کا اعتراف اور اس امت کا فرد ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور یہ بھی مانتا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برحق اور قرآن مجید سچی کتاب ہے اور اس قرآن میں یہ بھی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔ اس کی باتوں میں اس قدر واضح تضاد کے باوجود بہت سے لوگ اس کی تصدیق کرتے رہے، یہ شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں ظاہر ہوا اور بہت سے گروہوں نے اس کی پیروی کی۔ ((مختار سے مراد مختار بن ابو عبید ثقفی ہے))۔

نواں: یہ بشارت بھی ہے کہ امت محمدیہ کلی طور پر ختم نہیں ہوگی، جیسا کہ سابقہ زمانوں میں ہوتا رہا ہے، بلکہ ایک جماعت قیامت تک حق پر رہے گی (یعنی اس امت کی ایک جماعت ہوگی جس کی قیامت تک مدد کی جاتی رہے گی)۔

دسواں: اہل حق کی ایک بڑی نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو چھوڑ جانے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

گیارہواں: اہل حق کا وجود (قُرب) قیامت تک رہے گا۔

بارہواں: مذکورہ بالا حدیث میں مندرجہ ذیل عظیم نشانیاں ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے زمین کے مشارق ومغارب سمیٹ دیے اور جو کچھ آپ نے فرمایا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ بخلاف شمال وجنوب کے (کہ آپ نے ان کا ذکر ہی نہیں فرمایا)۔ آپ کا یہ خبر دینا کہ امت کے بارے میں آپ کی پہلی دو دعائیں قبول ہوگئی ہیں۔ اور یہ فرمانا کہ آپ کی تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔ آپ کا یہ خبر دینا کہ میری امت میں اگر تلوار چل نکلی تو قیامت تک نہ رکے گی۔ آپ کا یہ خبر دینا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک اور قید کریں گے، اور آپ کا اپنی امت پر گمراہ کرنے والے پیشواؤوں کا خوف کھانا۔ آپ کا یہ خبر دینا کہ اس امت میں نبوت کے دعویدار جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک طائفہ منصورہ موجود رہنے کی خبر دینا اور یہ تمام امور حرف بحرف آپ کی پیشین گوئی کے مطابق پورے ہوئے، حالانکہ عقلی طور پر ان تمام امور کا واقع ہونا بہت مشکل اور بعید ہے۔

تیرہواں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے صرف گمراہ پیشواؤں سے خطرہ محسوس کیا۔

چودھواں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت اوثان (بت پرستی) کے معنی ومفہوم کی وضاحت فرمائی ہے (یہ صرف سجود ورکوع کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس میں گمراہ لوگوں کا اتباع بھی شامل ہے)۔

چوتھی اور پانچویں قسم سے امتحان (۵ ابواب)

پہلا سوال: ان دونوں قسموں کے تمام ابواب اور ہر ایک باب کی کتاب سے مناسبت ذکر کریں:

نمبر	باب کا عنوان	مصنف کا اسے اس باب میں ذکر کرنے کا سبب
۱	....	....
۲	....	....
۳	....	....
۴	....	....
۵	....	....

دوسرا سوال: (☒) کی علامت مناسب جگہ میں لگائیں یا عبارت مکمل کریں:

۱- زمانہ قدیم اور عصر حاضر میں بھی شرک کی اصل بنیاد صالحین کے بارے میں غلو کرنا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۲- غلو کہتے ہیں: ....، اور اس کے مفاسد میں سے ہے: ....

۳- قبر کا فتنہ بت کے فتنہ کی طرح ہے، بلکہ اس سے سنگین ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۴- قبروں کو سجانا، اس پر چراغاں کرنا، اس کو چونا گچ کرنا، اس پر کتبے نصب کرنا، قبے تعمیر کرنا، اس کی حد بندی کرنا، اس کی زیارت کے لیے آنے والوں کی خدمت کرنا، اور مجاورین کو نقدی وغیرہ دینا: ☐ واجب ہے ☐ حرام ہے۔

۵- مؤلف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا سب سے افضل اعمال میں سے ہے. ☐ صحیح ☐ غلط.

۶- نبی ﷺ کے آثار کا تتبع اور کھوج بین کرنا: ☐ مستحب ہے ☐ اس میں تفصیل ہے ☐ حرام ہے۔

۷- نبی ﷺ نے اپنی امت پر خوف کو اس چیز میں سمیٹ دیا ہے: ....

۸- مصنف رحمہ اللہ کا تین آیتوں کو "اس امت کے بعض لوگ بتوں کی عبادت کریں گے" باب کے تحت ذکر کرنے کا سبب: ☐ کوئی مناسبت نہیں ہے ☐ حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے ☐ یہ بعض نساخ کی غلطی ہے۔

۹- صالحین کے بارے میں لوگوں کی اقسام: ☐ افراط و تفریط اور اعتدال ☐ غلو اور جفا۔

۱۰- صالحین سے محبت کا اظہار ہو گا، ان کے لیے دعا، ان کا دفاع اور ان سے حصول علم کے ذریعہ: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۱- صالحین کے بارے میں غلو سے کام لینا شرک میں پڑنے کا اکیلا سبب نہیں ہے، لیکن یہ سب سے خطرناک ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۲- کیا عبادات میں غلو داخل ہو سکتا ہے؟ ☐ ہاں ☐ نہیں۔

۱۳- بندہ اگر اللہ کو صالحین کے دیکھنے کے بعد ہی یاد کرے تو، ایسی عبادت قاصر ہے یا معدوم ہے ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۴- «**عبد اللہ ورسولہ، (اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)**» یہ نبی ﷺ کے لیے سب سے سچی اور شرف والی صفت ہے. ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۵- الاِطراء (غلو) کہتے ہیں: ....، اس کی مثال: ....

۱۶- «لَاتُطْرُونِي (مجھے میرے مقام سے نہ بڑھاؤ)» اس میں نصاری کی طرح غلو یا اس سے کم سبھی شامل ہیں. ☐ صحیح ☐ غلط.

۱۷- غلو ہوتا ہے: ☐ تعریف میں ☐ عبادت میں ☐ عمل میں ☐ مذکورہ سبھی۔

۱۸- «الْـــــــــــــــــــــــمُتَنَطِّعُونَ (حد سے تجاوز کرنے والے لوگ)»؟ کون ہیں: ....

۱۹- «أَهْلَكَ (ہلاک کردیا)» سے مراد: ☐ دین میں ہلاکت ☐ جسم میں ہلاکت ☐ مذکورہ سبھی۔

۲۰- اللہ کا دین جفاء وغلو سے پاک ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

۲۱- تنطع ہوتا ہے: ☐ کلام میں ☐ گفتگو میں ☐ مذکورہ سبھی۔

۲۲- امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا ایک سر تھا جبکہ درحقیقت ان کے پاس پانچ سر تھے ☐ صحیح ☐ غلط.

۲۳- روئے زمین کا سب سے پہلا شرک قوم: ☐ آدم ☐ نوح ☐ ابراھیم علیہم السلام میں پیدا ہوا۔

۲۴- انبیاء کے دین کو سب سے پہلے جس چیز کے ذریعہ بدل دیا گیا وہ شرک تھا اور سبب اس کا صالحین کے بارے میں غلو سے کام لینا تھا: ☐ صحیح ☐ غلط.

۲۵- دین کو بدعت کے ذریعہ تقویت پہنانے کی کوشش کا نقصان اس کے فائدہ سے کہیں بڑھ کر ہے ☐ صحیح ☐ غلط.

۲۶- ہر وہ چیز جس کو عید بنالیا جائے بایں طور کہ ہر ہفتہ یا ہر سال اس کو دہرایا جائے، تو ایسا کرنا: ☐ بدعت ہے ☐ جائز ہے ☐ سنت ہے۔

۲۷- کفر کا سبب بدعت ہے: ☐ صحیح ☐ غلط ہے، کیونکہ کفر باللہ کے متعدد اسباب ہیں۔

۲۸- علم کے فقدان کا سبب ہے: ☐ علماء کی موت ☐ غفلت ☐ اس سے اعراض کرنا ☐ دنیا کی محبت ☐ مذکورہ سبھی۔

۲۹- قبروں کی زیارت: ☐ شرعی ہے ☐ بدعی ہے ☐ شرک ہے ☐ مذکورہ سبھی۔

۳۰- ایسی زیارت جس کا مقصد مردوں کو نفع پہنچانا اور عبرت حاصل کرنا ہو (☐ صحیح ہے ☐ غلط ہے) اور ایسی زیارت جس کا مقصد شرعی طور پر مردوں سے نفع حاصل کرنا ہو تو (☐ صحیح ہے ☐ غلط ہے)۔

۳۱- ہر وہ چیز جو انسان کو دین سے روکنے کا سبب بنے وہ: ☐ فتنہ ہے ☐ بدعت ہے ☐ خرافات ہے۔

۳۲- «لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ (یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو)»: ☐ یہ ان پر بددعا ہے ☐ یہ اللہ کے لعنت کی خبر دینا ہے ☐ دونوں کا احتمال ہے۔

۳۳- قبروں کو مساجد بنانا: ☐ اس پر سجدہ کرکے ☐ اس پر مسجد تعمیر کرکے ☐ مذکورہ سبھی۔

۳۴- «خُشِيَ (بمعنی لوگوں کو ڈر ہوا)» "پیش" کے ساتھ پڑھنے پر مطلب ہوگا کہ ڈرنے والے: ☐ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے ☐ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

۳۵- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اس لیے ظاہر نہیں کی گئی کہ: ☐ خُشِيَ (لوگوں کو ڈر تھا) ☐ خَشِيَ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈر تھا) ☐ نبی جہاں وفات پاتے ہیں ان کو وہیں دفن کیا جاتا ہے ☐ مذکورہ سبھی۔

۳۶- آپ کی قبر ظاہر کی گئی کا مطلب ہے: ....

۳۷- یہ کہنے کا حکم کہ نبی ﷺ "حبیب اللہ" ہیں: ☐ جائز ہے ☐ یہ آپ کی شان کو گھٹانا ہے ☐ مستحب ہے۔

۳۸- یہ کہنا کہ ابراہیم علیہ السلام "خلیل اللہ" اور محمد ﷺ "حبیب اللہ" ہیں: ☐ جائز ہے ☐ مستحب ہے ☐ ناجائز ہے۔

۳۹- خُلّت ثابت ہے صرف: ☐ ابراھیم ☐ ابراھیم و محمدؐ دونوں ☐ ان دونوں کیلیے اور ان کے علاوہ کے لیے بھی۔

۴۰- کسی نے اگر مسجد میں قبر بنالی تو: ☐ قبر کو اکھاڑ دیا جائے گا ☐ مسجد منہدم کر دی جائے گی جبکہ قبر باقی رہے گی۔

۴۱- نماز جائز نہیں ہے، قبر (☐ کی طرف ☐ پر ☐ میں ☐ مذکورہ سبھی)۔

۴۲- لوگوں کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے: ☐ خیر میں ☐ شر میں ☐ مذکورہ سبھی۔

۴۳- سب سے برے وہ لوگ ہیں: ☐ جن پر قیامت قائم ہوگی ☐ جو قبروں کو مساجد بناتے ہیں ☐ مذکورہ سبھی۔

۴۴- دور رہنا واجب ہے: ☐ شرک سے ☐ اس کے وسائل سے ☐ مذکورہ سبھی۔

۴۵- قبر کے پاس صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہاں پر صرف نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ☐ صحیح ☐ غلط۔

۴۶- مشرکین کی مشابہت اس وقت گناہ کبیرہ ہوگی جب: ☐ مشابہت مقصود ہو ☐ خواہ وہ مقصود ہو یا نہ ہو۔

۴۷- نبی ﷺ نے قبروں کو مساجد بنانے سے منع فرمایا تھا: ☐ اپنی زندگی میں ہی ☐ اپنی وفات سے پانچ روز قبل ☐ جان کنی کے عالم میں ☐ مذکورہ سبھی۔

۴۸- ایمان اور عمل صالح کی فضیلت نسب کی فضیلت سے بڑھ کر ہے ☐ صحیح ☐ غلط۔

۴۹- «لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا (میری قبر کو بت نہ بنانا)»: ☐ نبی ﷺ کی یہ دعا مقبول ہوئی ☐ اللہ کی حکمت اس کے برخلاف تھی۔

۵۰- عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا، کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵۱- نبی ﷺ نے: ☐ جناب توحید کی حمایت کی ☐ ہر اس ذریعہ کو بند کر دیا جو شرک تک لے جاتا ہو ☐ مذکورہ سبھی۔

۵۲- «بُيُوتَكُمْ قُبُورًا (اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ)» یعنی: ☐ اس میں مردے دفن نہ کرو ☐ اس میں نماز پڑھنا نہ چھوڑو ☐ مذکورہ سبھی۔

۵۳- ہم نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی خاطر نہ تو رخت سفر باندھیں اور نہ ہی بار بار آپ کی قبر پر آئیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵۴- نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجا جائے گا: ☐ آپ کی قبر کے پاس، لہذا مدینہ آنے والے مسافر کو آپ کی قبر کے پاس ان کی جانب سے درود و سلام بھیجنے کی نصیحت کی جائے گی ☐ کسی بھی جگہ سے (تم اور اندلس میں رہنے والا دونوں برابر ہیں)۔

۵۵- «قَبْرِي عِيدًا (میری قبر کو عید گاہ)» یعنی: ....

۵۶- اس امت میں شرک کا واقع ہونا ناممکن ہے، کیونکہ یہ امت اس سے محفوظ ہے۔ ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵۷- ﴿أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَـٰبِ﴾ (جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے) انہیں مکمل کتاب نہیں دی گئی بلکہ ان کی معصیت کے سبب اس سے محروم کر دیا گیا۔ ☐ صح ☐ غلط۔

۵۸- علم، عالم کو معصیت سے نہیں بچاتا ہے۔ ☐ صحیح ☐ غلط۔

٥٩- کیا یہ بندر اور سور وہی مسخ شدہ اقوام ہیں؟ ☐ ہاں ☐ نہیں۔

٦٠- قبروں کے سلسلے میں غلو کرنے کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو، اکثر بڑے امور کی طرف پہنچا دیتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

٦١- اس امت میں پائی جانے والی معصیت کا سرا اگلی امتوں سے جاملتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

٦٢- امت جب متفرق ہوگئی اور ایک نے دوسرے کو ہلاک کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو مسلط کر دیا۔ ☐ صحیح ☐ غلط.

٦٣- امام یا تو: ☐ صرف خیر میں ہوگا، یا ☐ خیر اور شر دونوں میں.

٦٤- اس امت پر سب سے زیادہ خوف کھایا جاتا ہے وہ: ☐ برے امام کا ☐ یہود ونصاریٰ کے طریقوں کی پیروی کا۔

٦٥- نبی ﷺ کی یہ دو دعائیں مقبول ہوئیں: ١-................. ٢-...........................
اور یہ تیسری مقبول نہیں ہوئی: ....

چھٹی قسم: شیطانی اعمال (۷ ابواب)

[۲۴] جادو کا بیان

- بغیر شرک کئے ہوئے جادو ممکن نہیں ہے، کیونکہ شیطان انسان کو اپنی ذاتی مصلحت کے لیے استعمال کرتا ہے لہذا انسان کو بھٹکا کر شرک و معاصی کے دلدل میں دھکیل دیتا ہے۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَقَدۡ عَلِمُواْ لَمَنِ ٱشۡتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنۡ خَلَٰقٖ﴾ (اور وہ خوب جانتے تھے کہ اسے (جادو) حاصل کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے)۔

[۲] نیز ارشاد فرمایا: ﴿يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡجِبۡتِ وَٱلطَّٰغُوتِ﴾ (وہ بتوں اور شیطانوں کو مانتے ہیں)، قَالَ عُمَرُ: (الجبتُ: السِّحْرُ، وَالطَّاغُوتُ: الشَّيْطَانُ)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جبت: جادو کو، اور طاغوت: شیطان کو کہتے ہیں۔ وَقَالَ جَابِرُ: (الطَّوَاغِيتُ: كُهَّانٌ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فِي كُلِّ حَيٍّ وَاحِدٌ). اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: طاغوت وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتا تھا اور ہر محلے کا الگ کاہن ہوتا تھا۔

- ﴿ٱشۡتَرَىٰهُ﴾: یعنی سیکھا تھا۔
- «الطَّاغُوتُ: الشَّيْطَانُ»: یہ مثال کے ذریعہ تفسیر کرنا ہے کیونکہ شیطان طاغوت سے عام ہے۔

کیا بالکلیہ "خلاق" (نصیب) کی نفی ہے یا بعض کی؟

پہلا قول: وعید والی آیات جس طرح وارد ہیں اسی پر محمول کی جائیں گی اور وعدوں والے نصوص - جن میں مغفرت کا ذکر ہے - کے ساتھ جمع کرنے کی کوشش نہ کی جائے، تاکہ ان کی شان میں کوتاہی نہ ہو اور نہ ہی وعید والے نصوص کے شان میں کمی واقع ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَمَا نُرۡسِلُ بِٱلۡأٓيَٰتِ إِلَّا تَخۡوِيفٗا﴾ (ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجنے کا مقصد ڈرانا اور دھمکانا بیان فرمایا ہے۔

دوسرا قول: وعید والے نصوص کو وعدہ والے نصوص کے ساتھ جمع کیا جائے گا، اس بنیاد پر "نصیب" کی نفی میں تفصیل ہے:

- **مکمل کی نفی ہوگی:** اگر جادو کے لیے شیطان کا استعمال کیا گیا ہو۔
- **بعض کی نفی ہوگی:** اگر جادو کے لیے دوا اور جڑی بوٹی کا استعمال کیا گیا ہو۔

تیسری دلیل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: «الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ» "سات مہلک کاموں سے بچ کر رہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ سات کام کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ جادو کرنا۔ کسی کو ناحق قتل کر ڈالنا۔ سود خوری۔ یتیم کا مال کھانا۔ کفار سے مقابلے کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔ پاکدامن اور عفیفہ اہل ایمان عورتوں پر تہمت لگانا"۔

- «اجْتَنِبُوا»: یعنی: اس سے دوری اختیار کیے رہو، بایں طور کہ وہ ایک سرے پر ہو اور تم دوسرے سرے پر۔
- «السَّبْعَ»: صرف سات ہی کی "حصر و تحدید" مراد نہیں ہے، کیونکہ ان کے علاوہ بھی مہلکات ہیں۔
- «وَأَكْلُ الرِّبَا»: سود کھانے کا مطلب سود لینا ہے، خواہ کھانے کی شکل میں ہو یا بستر وغیرہ کی شکل میں، اور ربا (سود) کہتے ہیں: معاملہ میں کوئی ایسی چیز جس میں برابری واجب ہے اس کو بڑھا چڑھا کر لینا، اور جس عقد میں اشیا کو فوری طور پر قبضہ میں لینا واجب ہے اس میں تاخیر کرنا، اس کی دو قسمیں ہیں: [۱] ربا فضل (زیادتی) [۲] ربا نسیئہ (تاخیر)۔
- «وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ»: یتیم کہتے ہیں جس کا باپ بلوغت سے قبل وفات پا گیا ہو، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔
- «وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ»: یعنی جب کفار سے جنگ کے لیے صف بندی ہو چکی ہو وہاں سے بھاگ کھڑا ہونا۔
- «وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ»: آزاد مومنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

«وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ» (کسی کو ناحق قتل کر ڈالنا) جس کا قتل کرنا حرام ہے، یہ چار ہیں:

مومن کو:	ذمی کو:	مُعاھد کو:	مستامَن کو:
اس کے ایمان کی وجہ سے۔	جزیہ دینے کی وجہ سے۔	مسلمان اور اسکے مابین قتل وغارت نہ کرنے کے عہد وپیمان کی وجہ سے۔	ہمارے اور اس کے مابین تجارت اور دعوت اسلام کے لیے امن معاہدہ کی وجہ سے۔

«إِلَّا بِالْحَقِّ» (سوائے حق کے) یعنی جن کا قتل کرنا حلال ہے، اور یہ تین ہیں:

جان کے بدلے جان	شادی شدہ زناکار	دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جانے والا باغی (مرتد)

تین صورتوں میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا جائز ہے

﴿مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ (لڑائی کے لیے پینترا بدلنے کی خاطر): جیسے کوئی اس لیے پلٹے کہ اپنی حالت درست کرے اور اسلحہ تیار کرے، یا پھر اس لیے کہ دوسری جہت سے پلٹ کر وار کرے۔

﴿مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ﴾ (اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو): کسی ضرورت کے تحت دوسرے گروپ سے مل جائے بشرطیکہ اس سے لشکر کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں دوگنے سے زیادہ ہوں: ایسی صورت میں راہ فرار اختیار کرنا جائز ہے۔

چار سے سات تک دلیلیں:

[۴] حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ: "جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ: درست بات اس حدیث کا موقوف ہونا ہے)

[۵] اور صحیح بخاری میں بجالہ بن عبدۃ سے روایت ہے کہ: "عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پروانہ جاری کیا کہ: ہر جادوگر کو، خواہ مرد ہو یا عورت قتل کر دو، چنانچہ ہم نے تین جادوگرنیوں کو قتل کیا"۔

[۶] اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اس لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جس نے ان پر جادو کر دیا تھا، چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔

[۷] اسی طرح حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی ایک واقعہ منقول ہے، امام احمد فرماتے ہیں: (جادوگروں کو قتل کرنا تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے)۔

ساحر (جادوگر) کا حکم کیا ہے؟

پہلا قول (محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کا): سحر اور جادو کی تمام صورتیں کفر ہیں، اور جادوگر کو مطلقا قتل کیا جائے گا، اس کے توبہ کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

دوسرا قول (امام شافعی رحمہ اللہ کا): اور اسی کو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے:

- شیاطین کی مدد سے جادو کرنے والا: کافر ہے جس سے توبہ کروایا جائے گا، اگر توبہ کر لے تو اسے بطور حد (شرعی سزا) قتل کیا جائے گا ورنہ کافر و مرتد ہونے کی وجہ سے۔
- ادویہ اور جڑی بوٹی کے ذریعہ جادو کرنے والا: سرکشی اور دوسروں پر زیادتی کرنے والے کے مانند ہے، اور اسے حدّاً قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ مسلم ہے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ بقرہ کی آیت ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ﴾ کی تفسیر۔

دوسرا: سورۂ نساء کی آیت ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ کی تفسیر۔

تیسرا: جبت اور طاغوت کا معنیٰ اور ان کے مابین فرق (**جبت** کہتے ہیں: ہر اس چیز کو جس میں کوئی خیر نہ ہو جیسے جادو وغیرہ، **طاغوت** کہتے ہیں: ہر اس چیز کو جس کے ذریعہ بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے خواہ وہ معبود ہو یا پیشوا یا حاکم)۔

چوتھا: یہ بھی ثابت ہوا کہ طاغوت جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی (جب مطلقا طاغوت بولا جائے تو اس سے مراد شیطان جن ہوتے ہیں، اور کاہن بولا جائے تو اس سے مراد شیطان انس ہوتے ہیں)۔

پانچواں: اس سے ان سات کاموں کا بھی پتہ چلا جو انتہائی مہلک اور خاص طور پر ممنوع ہیں۔

چھٹا: جادوگر کافر ہے۔

ساتواں: جادوگر توبہ کرائے بغیر قتل کر دیا جائے۔ (حد، جب امام تک پہنچ جائے تو پھر صاحب معاملہ کو توبہ نہیں کرایا جائے گا بلکہ ہر حال میں اسے قتل کیا جائے گا، لیکن جہاں تک کافر کا معاملہ ہے تو اس سے توبہ کروایا جائے گا)۔

آٹھواں: جادوگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی موجود تھے، تو اس کے بعد کے دور کا کیا حال ہوگا؟!

بادشاہ وقت کا جادوگر کو قتل کرنے کا فتویٰ شرعی قواعد کے عین موافق ہے، کیونکہ وہ (جادوگر) زمین میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے، بلکہ اس کا یہ عمل فساد کی سب سے بری صورت ہے، لہٰذا امام کے اوپر اس کا قتل کرنا واجب ہے، اور امام کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے قتل میں آنا کانی سے کام لے، کیونکہ ایسے لوگ اگر چھوڑ دیے گئے تو حالت یہ ہوگی کہ ان کا فساد سرحدوں کو پھلانگتا ہوا پھیلتا چلا جائے گا، اور اگر قتل کر دیے گئے تو لوگ ان کے شر سے محفوظ رہیں گے، اور لوگوں کے دلوں میں جادو کو سیکھنے اور جادو کرنے کو لے کر خوف پیدا ہوگا۔

[۲۵] جادو کی چند اقسام

جادو کی حقیقت اور اس کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کی اقسام کا ذکر کر رہے ہیں تا کہ آپ ان سے بچ سکیں۔

ایک سے لے کر پانچ تک دلیل:

[۱] امام احمد بن حنبل محمد بن جعفر سے روایت کرتے ہیں، وہ عوف سے، وہ حیان بن علاء سے، وہ قطن بن قبیصہ سے اور وہ اپنے والد قبیصہ سے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «**إِنَّ الْعِيَافَةَ، وَالطَّرْقَ، وَالطِّيَرَةَ؛ مِنَ الْجِبْتِ**» "پرندوں کو اڑا کر فال لینا، زمین پر خطوط کھینچنا (علم رمل) اور کسی چیز کو دیکھ کر بدفالی لینا، یہ سب جادو کی اقسام ہیں"، عوف کہتے ہیں: (الْعِيَافَةُ: زَجْرُ الطَّيْرِ، وَالطَّرْقُ: الْخَطُّ يُخَطُّ بِالأَرْضِ) "عِیافہ: پرندوں کو اڑا کر فال بد لینا اور الطرق سے مراد: زمین پر خطوط کھینچنا ہے (یعنی علم رمل)"، وَالْجِبْتُ -قَالَ الْحَسَنُ-: (رَنَّةُ الشَّيْطَانِ) اور حسن بصری کہتے ہیں: شیطانی چیخ و پکار اور آہ و بکا "جبت" ہے۔ اس کی سند جید ہے، اور ابو داؤد، نسائی اور ابن حبان نے اپنی "صحیح" میں اس کو مسند روایت کیا ہے (یعنی حسن بصری رحمہ اللہ کا قول، جبکہ عوف رحمہ اللہ والا قول صرف مسند احمد میں ہے)۔

[۲] اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ النُّجُومِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ؛ زَادَ مَا زَادَ**» **"جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا، اس نے اسی قدر جادو سیکھا، جتنا زیادہ سیکھتا جائے اتنا ہی زیادہ اس کی وجہ گناہ میں اضافہ ہوتا جائے"**۔ اس کو ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[۳] اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: «**مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيهَا فَقَدْ سَحَرَ، وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ**» "جس شخص نے گرہ باندھ کر اس پر پھونک ماری، یقیناً اس نے جادو کیا، اور جس نے جادو کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ اور جس شخص نے کوئی چیز (نظر بد وغیرہ سے بچنے کی خاطر) لٹکائی، اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے"۔

[۴] اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**أَلَا هَلْ أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ؟ هِيَ النَّمِيمَةُ؛ الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ**» **"کیا میں تمہیں "العضہ" کے متعلق بتاؤں کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ چغلی ہے، جس سے لوگوں میں فتنہ اور لڑائی ہو جائے"**۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

[۵] اور بخاری اور مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا**» **"بعض بیان میں بھی جادو (کا سا اثر) ہوتا ہے"**۔

- «الْعِيَافَةَ»: فال بد یا فال نیک کی خاطر چڑیا اڑانا۔
- «وَالطَّرْق»: جادو یا کہانت کی خاطر زمین یا ریت پر خط کھینچنا۔
- «الطِّيَرَة»: کسی معلوم چیز کے ذریعہ بدفالی لینے کو کہتے ہیں، خواہ اس کا تعلق دیکھنے سے ہو یا سننے سے، جگہ ہو یا وقت۔
- «رَنَّةُ الشَّيْطَانِ»: یعنی: شیطانی چیخ و پکار اور آہ و بکا۔
- «الْعَضْهُ»: کاٹنے اور جدائی ڈالنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جادو کے باب میں اس کو ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ یہ بتلانا مقصود ہے کہ پھوٹ ڈالنا ہی چغل خور اور جادوگر کا ہدف ہوتا ہے، بلکہ چغل خور جادوگر کے مقابلے میں زیادہ فساد برپا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

علم نجوم کی دو قسمیں ہیں:

علم تاثیر: احوال فلکیہ کے ذریعہ حوادث ارضیہ پر استدلال کیا جائے۔

- **شرک اصغر ہے:** اگر یہ اعتقاد رکھے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے لیکن ستارے صرف سبب ہیں تو یہ شرک اصغر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سبب نہیں بنایا ہے۔
- **شرک اکبر ہے:** اگر یہ اعتقاد رکھے کہ ستارے بذات خود اثر انداز ہوتے ہیں، اور یہ نفع پہنچانے یا نقصان دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو یہ شرک اکبر ہے۔

علم تسییر: اس کے ذریعہ جہات، اوقات اور جہت قبلہ کا تعین کیا جائے۔

- **جائز ہے:** اگر اس کا استعمال زمان و مکان کی تعیین کے لیے کیا جائے ﴿وَعَلَٰمَٰتٍۚ وَبِٱلنَّجۡمِ هُمۡ يَهۡتَدُونَ﴾ (اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں)۔
- **واجب ہے:** جس کے ذریعہ واجب مکمل ہوتا ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے، جیسے کوئی صحرا یا چٹیل میدان میں ہو اور نماز کے لیے جہت قبلہ کی تعیین کرنا چاہتا ہو۔

- «**الْبَيَان**»: تام اور مکمل فصاحت جو عقلوں کو مسخر کرلے اور افکار بدل ڈالے، اس کی قسمیں ہیں:
  1. قابل ستائش ہے: اگر اس سے حق کا اثبات اور باطل کا رد مقصود ہو۔
  2. قابل مذمت ہے: اگر اس سے باطل کا اثبات اور حق کا رد مقصود ہو۔
- **بیان کا جادو سے کیا تعلق ہے؟** کیونکہ باطل بیان اور جادو دونوں کا مشترکہ ہدف حقائق کو پلٹ دینا ہوتا ہے۔

مسائل:

پہلا: عیافہ، طرق اور طیرہ سب جادو ہی کی اقسام ہیں۔

دوسرا: ان تینوں کی مکمل وضاحت اور تفصیل بھی سامنے آچکی ہے۔

تیسرا: علم نجوم (علم تاثیر) جادو ہی کی ایک قسم ہے۔

چوتھا: گرہ لگانا اور پھونک مارنا بھی جادو ہی ہے۔

پانچواں: چغلی کرنا بھی جادو کی ایک شکل ہے (کیونکہ یہ بھی جادو کی طرح لوگوں کے مابین پھوٹ ڈالنے کا کام کرتی ہے)۔

چھٹا: بعض لوگوں کا فصیح وبلیغ کلام بھی بعض اوقات جادو کا اثر رکھتا ہے (کیونکہ فصیح وبلیغ انسان بسا اوقات لوگوں کو کسی کام پر آمادہ کردیتا ہے یا کسی کام سے پھیر دیتا ہے)۔

[۲٦] کاہنوں (نجومیوں) اور ان جیسے دیگر لوگوں کا بیان

مؤلف کی ترتیب سے بہتر ترتیب ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ جادو اور اس کے کچھ اقسام کا ذکر کرنے کے بعد کاہن، رمال (جوتشی، علم رمل کا جاننے والا) اور نجومی کے پاس جانے کی کیفیت اور جانے والے کا حکم بیان کر رہے ہیں۔

ایک سے لے کر چار تک دلیل:

[۱] امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ؛ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ يَوْمًا» "جس شخص نے کسی کاہن و نجومی کے پاس جا کر کچھ دریافت کیا اور پھر اس کی کہی ہوئی کسی بات کی تصدیق کی تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی"۔ (صحیح مسلم میں "فصدقہ" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ شاید یہ مؤلف کا سبق قلم ہے۔ اور بعض ازواج مطہرات سے مراد: حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ از: مترجم)۔

[۲] اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ؛ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ» "جو شخص کسی نجومی کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد (ﷺ) پر اتارا گیا"۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

[۳] اور سنن اربعہ اور حاکم (اور حاکم نے کہا ہے کہ: اس کی سند بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ؛ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ» "جس شخص نے کسی نجومی یا کاہن کے پاس جا کر اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی، اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد (ﷺ) پر اتارا گیا"۔

- «مَنْ أَتَى»: اس کے پاس آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس جا کر بیٹھے، یا فون پر رابطہ کرے، یا کسی شخص کو اس کے پاس بھیجے، یا نامہ اور خط بھیجے، یا اس کا چینل دیکھے، یا اس کے ویب سائٹس پر سرچ کرے، یا اس کے جرائد و رسالے خاص طور پر جس میں برجوں کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہو خریدے، یا اس کی کہی ہوئی باتوں کو سنے، یقیناً اس کا فساد اور بگاڑ بڑا سنگین اور خطرناک ہے۔
- «لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ»: نجومیوں کے پاس جا کر ان سے احوال دریافت کرنے کا گناہ چالیس دنوں کی نماز کے ثواب کو برباد کر دیتا ہے۔ (یہ تصدیق کیے بنا صرف آنے کی سزا ہے)۔

- «فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ»: یعنی قرآن اور جو کچھ اس میں ہے﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ﴾ (کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا)، لہٰذا جو غیب دانی کے دعویٰ میں کاہن کی تصدیق کرے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا تو وہ کافر حقیقی ہے، اور اگر وہ جاہل ہو اور یہ اعتقاد نہ رکھتا ہو کہ قرآن میں جھوٹ کی آمیزش ہے تو وہ کفر اصغر کا مرتکب ہو گا، اور کبھی کبھی وہ فوراً اس کی تصدیق نہیں کرتا ہے بلکہ جب اس کی کہی ہوئی کوئی بات بظاہر سچ نظر آتی ہے تو پھر اس کی تصدیق کر بیٹھتا ہے۔
- «عَرَّافًا»: "عرّاف" عام طور سے کاہن، نجومی اور رمّال وغیرہ جو بھی کن ہی خاص مقدمات اور طریقہ کے ذریعہ غیب دانی کا دعویٰ کرے ان سبھی کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی یہ لفظ اس طرح کا دعویٰ کرنے والے سبھی کو شامل ہے۔

پانچویں دلیل:

اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ؛ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ» **"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو فال نکالے، یا نکلوائے، کہانت کرے یا کرائے، جادو کرے یا کرائے۔ اور جو شخص کسی کاہن کے پاس جا کر اس کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا"**۔ اس کو بزار نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

چھٹی دلیل:

اور یہی حدیث امام طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، تاہم اس میں «وَمَنْ أَتَى ...» سے آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "العراف" وہ ہے جو چند تمہیدی باتوں اور گرد و پیش کے حالات جان کر معاملات کے علم کا دعویٰ کرے اور ان کی روشنی میں مسروقہ اور گم شدہ اشیاء کی نشاندہی کرے، وغیرہ۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ: "عراف" "کاہن" ہے اور "کاہن" وہ ہے جو مستقبل میں ہونے والے امور کے متعلق خبر دیتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ: "کاہن" وہ ہے جو دل کی بات بتادے۔

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "عراف" ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق کاہن، نجومی، رمال اور اس قسم کے تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو ان طریقوں سے بعض امور و واقعات کی اطلاع دیتے ہیں۔

- «مَنْ تَطَيَّرَ»: جو خود اپنے لئے موہوم طریقوں سے (چڑیا اڑا کر ہو یا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر کے) فال نکالے یا دوسروں کو فال نکالنے کے کہے۔
- «أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ»: یعنی: اس بات کا حکم دے کہ اس کے لیے بدفالی لیا جائے، یا اس بات سے راضی ہو کہ اس کے لیے بدفالی لی جائے۔
- «سُحِرَ لَهُ»: کیونکہ اس طرح کا کام کرنے والے کچھ لوگوں کے پاس جب کوئی شوہر اپنی بیوی یا بیوی اپنے خاوند کی شکایت لے کر آتی ہے تو وہ کہتا ہے: جو کروں گا میں کروں گا، آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جس سے شکایت لے کر آنے والا شخص سمجھتا ہے کہ اس کے اوپر اس کا کوئی گناہ نہیں۔

ساتویں دلیل:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”جو لوگ ”اباجاد“ (حروف ابجد) لکھ کر حساب کرتے ہیں، اور نجوم (ستاروں) سے رہنمائی لیتے ہیں، میرے نزدیک ایسا کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے“۔

اباجاد، سیکھنے کی دو قسمیں ہیں:

۱. **جائز:** اگر ہم اس کو مجموعی حساب اور اس جیسی دیگر حاجتوں کے لیے سیکھیں، اور یاد رہے کہ علماء ہمیشہ سے اس کا استعمال کرتے ہوئے تاریخ لکھتے آئے ہیں۔
۲. **حرام:** اگر اس کا سیکھنا ستاروں کی چال، اس کی حرکت، اور طلوع و غروب معلوم کرنے سے مربوط ہو۔

عرّاف وغیرہ سے سوال کرنے کا حکم:

مجرد سوال کرنا:	سوال مع تصدیق:	پرکھنے کی خاطر سوال کرنا:	اس کو جھٹلانے اور عاجز کرنے کی خاطر سوال کرنا:
کبیرہ گناہ ہے، نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اس فرمان کی وجہ سے: «لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ يَوْمًا».	کفر اکبر ہے، کیونکہ اس سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے۔	جائز ہے، تاکہ اس کے جھوٹ میں سے سچ کا پتہ لگائے، نہ کہ اس لیے کہ اس کی باتوں کو سیکھ کر خود یہ سب کرنے لگ جائے۔	یہ مطلوب یا واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنے اندر اس کی اہلیت رکھتا ہو۔

جادوگر کی نشانیاں:

۱- شرعی جھاڑ پھونک کے شرائط کی مخالفت کرتا ہو۔

۲- گرہ لگا کر ان میں پھونک مارتا ہو۔

۳- نامکمل حروف اور غیر مفہوم جملے لکھتا ہو۔

۴- دلوں کو پھیرنے یا جوڑنے کے لیے، عمل کرتا ہو۔

۵- ستاروں کی چال (علم تاثیر) پڑھ کر قسمت کا حال بتلاتا ہو۔

۶- ہتھیلی کی لکیریں اور پیالی پڑھ کر قسمت کا حال بتلاتا ہو۔

۷- ماں کا نام معلوم کرتا ہو۔

۸- علم غیب کا دعوی کرتا ہو۔

۹- مریض کو شریعت کے خلاف کام کرنے کا حکم دیتا ہو، جیسے حرام کاموں کا ارتکاب کروائے یا نماز ترک کرنے کا حکم دے یا بغیر بسم اللہ کے جانور ذبح کرنے کی تعلیم دے۔

۱۰- مریض کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے بجائے خود سے جوڑتا ہو۔

۱۱- وہ شیطان کا دوست ہوتا ہے۔

مسائل:

پہلا: قرآن پر ایمان لانا اور کاہن کی بات کی تصدیق کرنا، یہ دونوں باتیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں (کیونکہ یہ کفر کی بڑی بُری صورت ہے)۔

دوسرا: اس بات کی تصریح ووضاحت کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے۔

تیسرا: کہانت کروانے والے کا تذکرہ (یعنی: وہ کاہن کی طرح ہے کیونکہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دونوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے)۔

چوتھا: فال نکلوانے والے کا تذکرہ۔

پانچواں: جادو کروانے والے کا تذکرہ (جو اپنے لیے ایسا کروائے وہ سزا میں کرنے والے کے ہی مانند ہے)۔

چھٹا: ابا جاد سیکھنے والے کا حکم (اس میں تفصیل ہے)۔

ساتواں: کاہن اور عراف کے مابین فرق کی وضاحت۔

[٢٧] جادو ٹونا کے ذریعے جادو کے علاج کی ممانعت

جادو کی حقیقت، اس کی چند اقسام اور جادوگروں کے پاس جانے کا حکم بیان کرنے کے بعد جادو سے جادو کا علاج کرنے کا حکم بیان کر رہے ہیں جو کہ حرام اور شرعاً ممنوع امر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر مسحور (جادو زدہ) سے سحر (جادو) کو شرعی طریقے سے دور کرنا ایک امر ممدوح اور شرعاً مطلوب ہے اور اس میں بڑی فضیلتیں ہیں۔

پہلی دلیل:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ (یعنی جادو کا علاج جادو کے ذریعے) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: «**هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ**» "**یہ شیطانی عمل ہے**"۔ اس کو احمد نے – جید سند کے ساتھ – اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

دوسری دلیل:

(امام ابو داؤد رحمہ اللہ علیہ) کہتے ہیں: امام احمد سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سب کاموں کو ناپسند سمجھتے تھے"۔

- «**النُّشْـــــــرَةِ**»: یعنی وہ "نشرہ" جو زمانۂ جاہلیت میں معروف تھا، جس کا لوگ زمانۂ جاہلیت میں استعمال کرتے تھے۔
- «**مِنْ عَمَلِ الشَّـيْطَانِ**»: شیطان کی طرف اس کی نسبت کرنے سے اس کی انتہا درجے کی برائی بیان کرنا اور اس سے نفرت دلانا مقصود ہے۔
- «**يَكْرَهُ هٰذا**»: متقدمین ائمہ کے نزدیک مکروہ سے مراد حرام ہوتا ہے۔
- «**يَكْـرَهُ هٰـذا كُلَّـهُ**»: اس سے مراد وہ نشرہ ہے جو شیطانی عمل ہے، یعنی جادو کا علاج جادو کے ذریعے کرنا۔

تیسری دلیل:

بخاری کی روایت ہے، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: رَجُلٌ بِهِ طِبٌّ أَوْ يُؤَخَّذُ عَنِ امْرَأَتِهِ؛ أَيُحَلُّ عَنْهُ أَوْ يُنَشَّرُ؟ قَالَ: (لَا بَأْسَ بِهِ، إِنَّمَا يُرِيدُونَ بِهِ الإِصْلَاحَ، فَأَمَّا مَا يَنْفَعُ فَلَمْ يُنْهَ عَنْهُ) انْتَهَى. ”اگر کسی پر جادو ہو، یا کوئی ایسا ٹونہ جس کے سبب وہ اپنی بیوی کے قریب نہ آ سکتا ہو تو کیا اس کا دفعیہ کرنا، یا اس کو باطل کرنے کے لیے نشرہ یعنی منتر استعمال کرنا درست ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس سے جادو کرنے والوں کا مقصد اصلاح ہی ہے، نفع مند اور مفید شئے کے استعمال کی ممانعت نہیں“۔

- «طِبٌّ»: یعنی جادو، یہ بات معلوم ہے کہ ”طِب“ بیماری کے علاج کو کہتے ہیں، لیکن جادو کو ”طِب“ نیک فال (اچھا کلمہ) لیتے ہوئے کہا جاتا ہے، جیسے ”اللدیغ“ (زہریلے جانور کے ڈسے ہوئے) کو ”سلیم“ (صحت یاب) اور ”کسیر“ (ہڈی ٹوٹے ہوئے شخص) کو ”جبیر“ (ہڈی جڑا ہوا) کہا جاتا ہے۔
- «يُؤَخَّذُ عَنِ امْرَأَتِهِ»: یعنی اس کو روک دیا جائے کہ اپنی بیوی سے جماع نہ کر پائے، اور ایسا کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ یہ جادو کی ایک قسم ہے۔

چوتھی دلیل:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: (لَا يَحُلُّ السِّحْرَ إِلَّا سَاحِرٌ) ”جادو کو جادوگر ہی اتار سکتا ہے“۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”سحر زدہ سے جادو کو دور کرنا نشرہ کہلاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ یہ کہ جادو کو جادو ہی سے دور کیا جائے۔ یہ شیطانی عمل ہے اور ناجائز ہے، اس صورت میں جادو دور کرنے والا اور جس پر جادو ہوا ہو، دونوں شیطان کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے پسندیدہ کام کرتے ہیں اور ایسے اعمال بجالاتے ہیں جن سے شیطان خوش ہو کر سحر زدہ سے اپنا اثر ہٹالیتا ہے۔ حسن بصری کا قول اسی صورت پر محمول کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ (شرعی) دم، تعوذات، جائز ادویات اور دعاؤں کے ساتھ جادو کا علاج کیا جائے، یہ جائز ہے۔

جادو کا علاج جادو سے کرنے کو جائز کہنے والوں پر رد:

۱. جادو کا علاج جادو سے کرنا، قرآن وسنت، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔
۲. اس میں قرآن کریم اور ادعیہ ماثورہ کے ذریعہ علاج کرنے کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔
۳. اس میں جادو اور جادوگروں کی ہمت افزائی ہے اور انہیں لوگوں کی نگاہوں میں معزز بنانا ہے۔
۴. اس میں قرآن کریم اور ادعیہ ماثورہ کے یقینی علاج سے، جادو جیسے ظنی اور باطل علاج کرنے کی طرف پھیرنا ہے۔
۵. جادو کا علاج جادو سے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جادوگر اور مریض دونوں شیطان کی من پسند چیزوں کے ذریعہ اس کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ مریض سے جادو کے اثر کو زائل کردے۔
۶. مسحور (جادو کا مریض) اگر صبر کرے تو اس کے لیے جنت ہے، جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے۔
۷. جادو کا علاج جادو سے کرنے میں، مسحور کے اوپر جادو کا مزید اضافہ کرنا ہے۔
۸. نبی ﷺ کے اوپر بھی جادو کیا گیا تھا، لیکن آپ نے اس کا علاج جادو سے نہ کرکے رقیہ شرعیہ کے ذریعہ کیا۔

مسائل:

پہلا: جادو کا علاج جادو سے کرنے کی ممانعت ہے۔

دوسرا: حرام اور جائز علاج میں ایسا واضح فرق ہے جس سے اشکال اور شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

(جنہوں نے جادو کا علاج کرنے کی اجازت دی ہے ان کی مراد شرعی جھاڑ پھونک، تعوذات، مباح ادویہ اور دعاؤں کے ذریعہ علاج کرنا ہے، اور جنہوں نے جادو کا علاج کرنے سے منع کیا ہے ان کی مراد جادو کا علاج جادو کے ذریعہ کرنا ہے، دونوں اقوال کے بیچ جمع و تطبیق کی یہ بہترین صورت ہے، واللہ اعلم)۔

[۲۸] بدفالی اور بد شگونی

- بدفالی لینا توحید کے منافی امور میں سے ہے: [۱] کیونکہ بدفالی لینے والا اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ پر توکل کرنے لگتا ہے۔
[۲] کیونکہ اس نے ایسی چیز سے تعلق قائم کیا جو حقیقی نہیں ہے بلکہ ایک وہمی اور تخیلاتی شئے ہے، جبکہ توحید، عبادت اور استعانت (مدد طلب کرنے) کا نام ہے۔
- «التَّطَيُّــر» **یعنی**: بدشگونی لینا خواہ وہ کسی دیکھی جانے والی (مرئی) چیز سے ہو یا سنی جانے والی (مسموع) آواز اور کلمات سے، یا ایک متعین جگہ سے ہو یا وقت سے۔
۱. دیکھنے والی جیسے کسی نے کالا یا وحشت زدہ پرندہ دیکھنے کے بعد بدفالی لی۔
۲. سنائی دی جانے والی جیسے کسی نے کسی کام کا ارادہ کیا تھا لیکن کسی کو کہتے ہوئے سن لیا: اے گھاٹا اٹھا لینے والے، تو بدفالی لیتے ہوئے اس کام کا ارادہ ترک کر دے۔
۳. متعین شئے: جیسے کسی متعین دن، مہینہ، سال یا جگہ سے بدفالی لینا۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد الٰہی ہے: ﴿أَلَآ إِنَّمَا طَـٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ وَلَـٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ﴾ (خبردار! ان کی بد شگونی (نحوست) اللہ کے ہاں (مقدر) ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے)۔
[۲] نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿قَالُواْ طَـٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡ﴾ الآيـة. (رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے)۔

- ﴿طَـٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ﴾: یعنی جس قحط اور خشک سالی کا وہ سامنا کرتے ہیں وہ ان کے لیے اللہ کی جانب سے مقدر ہے، اس کا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کا وجود باعث خیر و برکت ہے۔
- ﴿طَـٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡ﴾: یعنی وہ تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہیں، تمہیں جو مصیبتیں پہنچ رہی ہیں وہ تمہاری ذات اور تمہارے اعمال کی وجہ سے ہیں، جن کا سبب تم خود ہو۔

- **دونوں آیتوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے:** پہلی آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ان چیزوں کو مقدر کرنے والا اللہ ہی ہے، اور دوسری آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس کا سبب تم خود ہو نہ کہ کوئی اور، درحقیقت ان کی بدشگونی اور نحوست انہیں کے ساتھ ہے یعنی ان سے لگی ہوئی ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل:

[۳] حضرت أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**لَا عَـدْوَى، وَلَا طِـيَرَةَ، وَلَا هَامَةَ، وَلَا صَفَرَ**»، أَخْرَجَاهُ، زَادَ مُسْلِمٌ: «**وَلَا نَوْءَ، وَلَا غُولَ**» "**کوئی بیماری متعدی نہیں، بدشگونی وبدفالی کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ نہ الو (کا بولنا کوئی اثر رکھتا) ہے، اور نہ ماہ صفر (منحوس) ہے**"، اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، اور صحیح مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: "**نچھتر اور بھوتوں کا بھی کوئی وجود نہیں**"۔:

[۴] بخاری اور مسلم کی ہی روایت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَيُعْجِبُنِي الْفَأْلُ**» قَالُوا: وَمَا الْفَأْلُ؟ قَالَ: «**الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ**» "**کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ بدشگونی وبدفالی کی کچھ حقیقت ہے، اور مجھے (نیک) فال پسند ہے**"، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: فال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "**عمدہ اور بہترین بات**"۔

- «**لَا عَدْوَى**»: زمانۂ جاہلیت والے اس عقیدہ کو رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے تھے کہ وبائی بیماری بذات خود اثر انداز ہوتی ہے، یا پھر حدیث کا معنی ہے کہ: متعدی بیماری بذات خود منتقل نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ کے حکم سے دوسروں تک منتقل ہوتی ہے۔
- «**وَلَا هَامَةَ**»: "ہامۃ" ایک پرندہ ہے جو الو کے مشابہ ہوتا ہے یا پھر الو کو ہی "ہامۃ" کہتے ہیں، جس سے وہ لوگ بدشگونی لیتے تھے۔
- «**وَلَا صَفَرَ**»: اس سے مقصود یا تو:
  ۱. ماہ صفر ہے، کیونکہ عرب اس مہینہ کو منحوس سمجھتے تھے، خاص طور پر شادی بیاہ کے معاملے میں۔
  ۲. یا پھر اونٹ کے پیٹ میں ہونے والی بیماری ہے، جو ایک اونٹ سے دوسرے میں منتقل ہو جاتی ہے۔
  ۳. یا پھر "نسئ" (تاخیر) ہے، کیونکہ وہ لوگ حرمت والے مہینہ کو ماہ صفر تک مؤخر کر دیتے تھے، تاکہ حرمت والے مہینہ مُحرَّم میں جنگ کر سکیں۔

- «وَلَا نَـوْءَ»: چاند کی منزلوں کو کہتے ہیں، ہر منزل کا ایک مخصوص ستارہ ہوتا ہے، عرب اس سے نیک فال اور بدفالی لیتے ہوئے کہا کرتے تھے: ''یہ ستارہ منحوس ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور یہ ستارہ خیر وبرکت والا ہے اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے'' اس حدیث میں ''لا نوء'' کے ذریعہ اس کی نفی کی گئی ہے۔
- «وَلَا غُـولَ»: عرب جب سفر کرتے تھے تو شیطان ان کے سامنے رنگ بدل بدل کر آتا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا، جس سے وہ غمگین ہو کر اسے منحوس خیال کرتے ہوئے جدھر جانے کا ارادہ ہوتا ادھر کا ارادہ ترک کر دیتے تھے لہذا اس کی نفی کی گئی ہے۔
- رسول اللہ ﷺ نے اس کے تاثیر اور مؤثر ہونے کی نفی فرمائی ہے اس کے وجود کی نہیں، بندۂ مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ جہاں جانے کا ارادہ کرتا ہے، اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے انشراح صدر کے ساتھ نکل پڑتا ہے، وہ اللہ سے بدگمانی نہیں رکھتا۔
- ان نصوص اور نبی ﷺ کے اس فرمان: «إِنْ كَانَ الشُّـؤْمُ فِي شَيْءٍ...» کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ:

۱. یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، جبکہ بدشگونی کی مذمت اور اس کے شرک ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث محکمات میں سے ہیں۔
۲. بدشگونی لینے کی تمام قسمیں مذموم ہیں، نفع پہنچانے اور نقصان دور کرنے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔
۳. اسباب اپناتے ہوئے اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف راہ فرار اختیار کرنا بندے کے لیے مشروع ہے، جبکہ بدشگونی لینا نہیں۔
۴. اس حدیث میں وارد نحوست کا مطلب یہ ہے کہ، یہ اس شخص کو لاحق ہوگی جو بدشگونی لے، لیکن جو اللہ پر بھروسہ رکھے اور بدفالی نہ لے اسے کچھ نہیں ہوگا۔
۵. جو غیر اللہ سے کسی چیز کا خوف کھاتا ہے اس پر وہی چیز مسلط کر دی جاتی ہے، جیسے جو شخص اللہ کے ساتھ ساتھ غیر اللہ سے بھی محبت رکھتا ہے تو اسے اسی کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا، اور جو اللہ کے علاوہ کسی اور سے امیدیں لگاتا ہے وہ اسی کی جانب سے شرمندگی اٹھاتا ہے۔ (اس کو ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے)۔

پانچویں دلیل:

سنن ابو داود میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کے پاس بدفالی کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اس میں سب سے بہتر نیک فال (اچھا کلمہ بولنا) ہے، اور بدشگونی کسی مسلمان کو اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یہ دعا کرے ''یا اللہ تیرے سوا کوئی بھلائیاں نہیں لا سکتا اور تیرے سوا کوئی برائیوں کو دور نہیں کر سکتا۔ اور تیری توفیق کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت ہے اور نہ برائی سے باز رہنے کی ہمت''۔: «أَحْسَنُهَا: الْفَأْلُ، وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ؛ فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْـحَسَنَاتِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ».

فال (نیک) اور	بدشگونی کے مابین فرق
ہر وہ دِکھنے والی یا سنائی دی جانے والی چیز جو انسان کو اچھے اور قابل ستائش قول و فعل پر آمادہ کرے۔	دِکھنے والی یا سنائی دی جانے والی یا کوئی متعین جگہ یا وقت جو انسان کو کر گزرنے یا رک جانے پر آمادہ کرے۔
توکل میں اضافہ کرتا ہے۔	توکل کمزور کر دیتا ہے۔
اس کا حکم: یہ مستحب ہے۔	[۱] اگر یہ اعتقاد رکھے کہ سبب ہے تو شرک اصغر ہے۔ [۲] اگر یہ اعتقاد رکھے کہ بذات خود مؤثر ہے تو شرک اکبر ہے۔
اس میں اللہ سے حسن ظن ہے۔	اس میں اللہ سے سوئے ظن ہے۔
مومن و موحد کی یہی حالت ہوتی ہے۔	یہ حالت منافق اور کافر کی ہوتی ہے۔
یہ بلا تکلف اور بلا ارادہ ہوتا ہے۔	یہ کبھی قصدا ہوتا ہے، جیسے چڑیا کو اڑا کر بدفالی لینا۔
کچھ کر گزرنے یا رک جانے پر آمادہ نہ کرے، بلکہ فرحت انبساط محسوس کرنے کا سبب بنے۔	کچھ کر گزرنے یا رک جانے پر آمادہ کرے، اور یہ اس کا سبب بن جائے۔
اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔	بدشگونی لی جانے والی چیزوں سے تعلق کو کو مضبوط کرتا ہے۔

- مثال ۱: کسی نے شادی کا ارادہ کیا اور لڑکی کا نام پوچھا، کہا گیا: ہناء (مبارک)، تو شادی کے لیے رضامند ہو جائے، اور کسی دوسرے کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ: صخرہ (سخت)، تو اس نے انکار کر دیا، ہر دو صورتیں بدشگونی لینے کی قبیل سے ہیں، کیونکہ بدشگونی کہتے ہی اس چیز کو ہیں جو آپ کو کچھ کرنے پر آمادہ کرے یا روک دے۔
- مثال ۲: کسی نے شادی ہو جانے کے بعد لڑکی کا نام پوچھا، کہا گیا: سعاد (نیک بخت) تو اس کو بطور بشارت لیا، تو یہ (نیک) فال کی قبیل سے ہے کیونکہ اس نے اس کو کچھ کرنے پر آمادہ نہیں کیا یا کچھ کرنے سے روکا نہیں، بلکہ معاملات طے ہو جانے کے بعد اس نے اسے بطور نیک فال اور بشارت لیا۔
- کچھ لوگ فال اور شگون لینے کی خاطر قرآن کھول کر دیکھتے ہیں، نگاہ اگر جہنم کے ذکر پر پڑی تو بدشگونی لیتے ہیں اور اگر جنت کے ذکر پر پڑی تو کہتے ہیں: یہ نیک فال ہے، ایسا کرنا ٹھیک ویسا ہی ہے جیسا زمانہ جاہلیت میں لوگ ازلام (تیر) کے ساتھ شگون نکالتے تھے۔
- «عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ»: صحیح "عروۃ بن عامر" ہے۔
- «وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا»: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جسے بدفالی اپنی حاجت سے روک دے وہ مسلم نہیں ہے۔
- «وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»: "با" یہاں: [۱] "فی" (میں) کے معنی میں ہے [۲] یا "استعانت" (مدد طلب کرنا) کے معنی میں ہے [۳] یا "سببیت" اور وجہ بتانے کے لیے ہے۔

فال کے ساتھ لوگوں کا تعامل:

یہ ان کو اپنی حاجت سے نہیں روکتی ہے بلکہ وہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے جو کرنا چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے موحد کا یہی حال ہوتا ہے، اور یہی اصل اور بنیادی چیز ہے۔	وہ رک جاتا ہے اور بدشگونی لینے پر عمل کرتے ہوئے اپنے ارادہ سے باز آجاتا ہے: یہ شرک اصغر ہے اگر یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ سبب ہے، اور شرک اکبر ہے اگر یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ بذات خود مؤثر ہے۔	وہ جو کرنا چاہ رہا ہوتا ہے کر گزرتا ہے، لیکن ایک بے چینی، غم اور قلق اسے لاحق ہوتا ہے، وہ ڈر رہا ہوتا ہے کہ کہیں یہ بدشگونی اپنا اثر نہ دکھا دے: ایسا شخص گنہگار ہے۔

چھ سے آٹھ تک دلائل:

[٦] عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ:۔ «**الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، وَمَا مِنَّا إِلَّا؛ وَلَكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ**»، ر "**بدفالی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں (جسے بتقاضائے بشریت ایسا وہم نہ ہوتا ہو) مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اس کو ختم کر دیتا ہے**"۔ اس حدیث کو امام ابو داود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا اور آخری جملہ کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔

[٧] مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: «**مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهِ؛ فَقَدْ أَشْرَكَ**» "**بدفالی نے جس شخص کو اس کے کام سے روک دیا، اس نے شرک کیا**"، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اس کا کفارہ کیا ہے؟ "آپ نے فرمایا: **اس کا کفارہ یہ دعا پڑھنا ہے**": «**اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ**». "**یا اللہ! تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں، اور تیرے مقدر کردہ نصیب کے علاوہ کوئی اور نصیب نہیں، اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں**"۔

[٨] اور مسند احمد ہی میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: «**إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ أَوْ رَدَّكَ**» "**بدشگونی وہ ہے جو تجھے کسی کام کو کرنے پر آمادہ کر دے یا روک دے**"۔

- «وَمَا مِنَّا إِلَّا»: ہم میں سے ہر شخص (بدفالی لیتاہے) مگر: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس لفظ کا ذکر قبیح ہو اسے چھوڑ دیا جائے، ساتھ ہی ساتھ شرکیہ الفاظ سے دوری اور الفاظ کے انتخاب میں بھی تحقیق توحید کے خیال رکھنے پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے، جبکہ نقل کفر کفر نہ باشد۔
- «التَّوَكُّل»: جائز اسباب اختیار کرتے ہوئے نفع کے حصول اور نقصان کے دور کرنے میں اللہ ہی پر خالص اعتماد اور بھروسہ کرنا۔

بدشگونی کا علاج کیسے ممکن ہے؟

١. تحقیق توحید کے ذریعے: کیونکہ اللہ تعالیٰ توکل کے ذریعے اس بدشگونی کو دور فرما دیتا ہے، اور انسان مطمئن ہو کر اپنا کام کرتا ہے۔
٢. نبی ﷺ سے ثابت دعا: «اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ...» کے ذریعے۔
٣. فال نیک لینے اور فال بد سے اجتناب کے ذریعے، کوشش کرے کہ اپنے ذہن میں بدشگونی کا خیال ہی نہ آنے دے۔
٤. مسلسل جدوجہد اور لگاتار کوشش کے ذریعے، کسی کام میں اگر مصلحت نظر آرہی ہو تو پہلے ہی مرحلے میں کوشش ناکام ہو جانے پر تھک ہار کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے، بلکہ مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان اور مکمل کر دے۔

قرعہ اندازی	ازلام (تیروں) کے ذریعہ فال لینا
اس کا حکم: یہ جائز ہے۔	کبیرہ گناہ ہے، اور یہ "مَیسِر" میں داخل ہے۔
اس سے مقصود شرعی حاصل ہوتا ہے۔	اس سے مقصود شرعی حاصل نہیں ہوتا۔
اس کا استعمال ان دو جھگڑنے والوں کے حق کی تعیین کے لیے ہوتا ہے جن کا کسی شئے پر برابر حق ہو۔	اس کا استعمال شر سے خیر کی تعیین کے لیے ہوتا ہے، اور یہ خط کھینچ کر غیب دانی کا دعویٰ کرنے کے مشابہ ہے۔
یہ اہل توحید کا عمل ہے۔	یہ اہل شرک کا عمل ہے۔
مثال: اذان اور پہلی صف کے لیے قرعہ اندازی کرنا۔	معدنی نقود کو پھینکنے یا گننے کا اختیار دینا۔
صاحب حق کی تمیز ہوتی ہے۔	اس سے غیر مستحق کی تمیز ہوتی ہے۔

مسائل:

پہلا: اس میں آیت ﴿أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ﴾، کو آیت ﴿طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡۚ﴾ سے ملا کر سمجھا جائے (ان دونوں کے بیچ کوئی تعارض نہیں ہے)۔

دوسرا: اس میں امراض کے متعدی ہونے کی نفی ہے (یعنی بذات خود اس کے مؤثر ہونے کی نفی ہے، اس بات کی نفی نہیں ہے کہ یہ اثر انداز ہونے کا سبب بنتا ہے)۔

تیسرا: بدفالی کی بھی نفی ہے (اس کے مؤثر ہونے کی نفی ہے، اس کے وجود کی نفی نہیں ہے)۔

چوتھا: الو کی آواز سے بدفالی لینے کی نفی ہے (ہامۃ، الو کو یا الو سے مشابہ پرندہ کو کہتے ہیں)۔

پانچواں: ماہ صفر کی نحوست کے عقیدہ کی نفی ہے (زمانے کا اللہ کی تقدیر پر اور اس کے مؤثر ہونے میں کوئی دخل نہیں، ماہ صفر بھی دوسرے مہینوں کی ہی طرح ہے، اس میں بھی دوسرے مہینوں کی طرح ہی خیر اور شر دونوں ہوتا ہے، بعض لوگ جب ماہ صفر میں کچھ لکھنے سے فارغ ہوتے ہیں تو اخیر میں یوں لکھتے ہیں: یہ صفر خیر (خیر والا مہینہ صفر) میں مکمل ہوا، یہ بدعت کا علاج بدعت سے اور جہالت کا علاج جہالت سے کرنا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مہینہ نہ تو خیر والا مہینہ ہے اور نہ ہی شر والا)۔

چھٹا: نیک فال (لینا) منع نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

ساتواں: اس میں فال کے مفہوم کی وضاحت ہے۔ (فال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو قابل ستائش کام کرنے پر آمادہ کرے)۔

آٹھواں: اگر نہ چاہتے ہوئے بدفالی کے وساوس وخیالات دل میں پیدا ہو جائیں تو وہ مضر نہیں بلکہ اللہ پر توکل اور اعتماد کی وجہ سے ختم کیا جاسکتا ہے۔

نواں: جس شخص کے دل میں بدفالی کے وسوسے پیدا ہو جائیں، وہ ان کو دور کرنے کے لیے زیر بحث باب میں مذکور دعا (اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّا خَیْرُکَ ....) پڑھے۔

دسواں: اس بات کی صراحت ہے کہ بدفالی شرک ہے (تفصیل کو یاد رکھتے ہوئے: اگر یہ اعتقاد رکھے کہ یہ بذات خود مؤثر ہے تو شرک اکبر ہے، اور اگر یہ اعتقاد رکھے کہ سبب ہے تو شرک اصغر ہے)۔

گیارہواں: مذموم بدفالی کی تفصیل مذکور ہے (جو کسی کام پر آمادہ کرے یا کسی کام کے ارادے سے روک دے)۔

[۲۹]علم نجوم کا شرعی حکم

- یہ نہیں کہا کہ (یہ شرک ہے) کیونکہ اس میں تفصیل ہے، علم تاثیر اور علم تسییر۔
- علم تاثیر: یعنی ستاروں کی حرکات، ایک دوسرے سے ان کے قرب وبعد یا ان کے طلوع وغروب سے زمینی حوادث پر استدلال کرنا، اور ستاروں اور برجوں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا، یہ گناہ کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔
- علم تسییر: ستاروں کی رفتار وحرکات سے قبلہ اور آوقات یا موسموں وغیرہ کی تعیین کرنا، یہ جائز ہے۔

ایک سے تین تک دلائل:

[۱] امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: (خَلَقَ اللهُ هٰـذِه النُّجُومَ لِثَلَاثٍ: زِينَةً لِلسَّمَاءِ، وَرُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ، وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدَى بِهَا، فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيهَا غَيْرَ ذَلِكَ أَخْطَأَ، وَأَضَاعَ نَصِيبَهُ، وَتَكَلَّفَ مَا لَا عِلْـمَ لَهُ بِهِ) انْتَهَى. "اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے بنایا ہے: آسمان کی زینت کے لیے، شیاطین کو مارنے اور بھگانے کے لیے، بحر وبر میں راہ معلوم کرنے کے لیے۔ جو شخص ان کے علاہ کچھ اور سمجھتا ہے اس نے غلطی کی اور (ہر بھلائی سے) اپنا حصہ برباد کرلیا اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا، جس کا اسے کوئی علم نہیں"۔

[۲] حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے منازل قمر کا علم حاصل کرنے کو حرام اور ناپسند گردانا، اور ابن عیینہ رحمہ اللہ نے بھی اس علم کے حصول کی اجازت نہیں دی۔ یہ دونوں روایتیں حرب نے بیان کی ہیں۔

[۳] امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ نے منازل قمر کے علم کے حصول کی اجازت دی ہے۔

- جن اسلاف نے ستاروں کے برجوں سے متعلق علم سیکھنے کو حرام قرار دیا ہے ان کا قول "علم تاثیر" پر محمول کیا جائے گا۔
- اور جنھوں نے ستاروں کے برجوں اور منازل سے متعلق علم سیکھنے کی اجازت دی ہے ان کا قول "علم تسییر" پر محمول کیا جائے گا۔

چوتھی دلیل:

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَقَاطِعُ الرَّحِمِ، وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ» ”تین اشخاص جنت میں داخل نہیں ہوں گے: شراب نوشی کا عادی، قطع رحمی کرنے والا، اور جادو کو سچا ماننے والا“۔ اس کو احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

- «لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ»: یہ حدیث ان وعید والی احادیث میں سے ہے جن کو ویسے ہی گزار دیا جائے گا جیسا وارد ہوئی ہیں، اور دوسرے (وعد والے) نصوص سے معارض مان کر جمع کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، تاکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ڈر بنا رہے۔
- «مُدْمِنُ الْخَمْرِ»: جو دائمی شراب نوش ہو، اور خمر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو لذت اور طرب و نشاط پیدا کرتے ہوئے عقل پر پردہ ڈال دے۔
- «وَقَاطِعُ الرَّحِمِ»: ”رَحم“ قرابت داری کو کہتے ہیں، چونکہ رشتہ داری کو جوڑنے کی بات شریعت میں کہی گئی ہے، لیکن جن رشتوں کی تحدید شریعت نے نہیں کی ہے ان کا تعین عرف عام کی بنیاد پر ہوگا، بشرطیکہ یہ عرف شریعت سے متصادم نہ ہو۔
- «وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ»: یہی محل شاہد (باب سے مناسبت رکھنے والا کلمہ) ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم نجوم ایک قسم کا جادو ہے۔

کبیرہ گناہوں سے متعلق ایک خاص مبحث

- کبیرہ گناہ کی تعریف: شیخ الاسلام نے اس کی تعریف یوں کی ہے: (ہر وہ گناہ جس پر خاص سزا مقرر کی گئی ہو) جیسے، اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق قرار دیا گیا ہو، یا اللہ کی رحمت سے دوری بیان کی گئی ہو، یا ایسا کرنے والے سے براءت کا اظہار کیا گیا ہو، یا یہ کہا گیا ہو کہ ایسا کرنے والا کفار یا مشرکین میں سے ہے، یا وہ مومنوں میں سے نہیں، یا بدترین جانور سے اس کو تشبیہ دی گئی ہو...۔
- اس کے مرتکب کا حکم: وہ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے فاسق ہے، اس کا معاملہ اللہ کی مشیئت کے ماتحت ہے چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔
- کیا کبیرہ گناہ کی تعداد معدود ہے، یا محدود؟ سابقہ تعریف کی بنا پر محدود تو ہے لیکن معدود نہیں ہے۔

- گناہ کبیرہ بڑا ہے یا شرک اصغر؟ معاصی اور گناہوں کی شروعات یوں ہوتی ہے: پہلے گناہ صغیرہ، پھر کبیرہ، پھر شرک اصغر اور سب سے آخری اور سنگین شرک اکبر ہے، جیسا کہ فرمانی باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا اور شرک کے علاوہ گناہوں کو چاہے گا تو معاف فرمادے گا)، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: (میں اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھالوں یہ مجھے غیر اللہ کی سچی قسم کھانے سے بہتر لگتا ہے) اس لیے کہ اللہ کی جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے جبکہ غیر اللہ کی سچی قسم کھانا بھی، شرک اصغر ہے۔
- کبیرہ گناہ اعمال صالحہ کی وجہ سے معاف ہو جاتے ہیں یا ان کے لیے توبہ ضروری ہے؟ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کرنا ضروری ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «**النَّائِحَةُ إِنْ لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا...**» "**نوحہ کرنے والی اگر اپنی موت سے قبل توبہ نہ کرے**"۔ اور مزید آپ کا فرمان ہے: «**... إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ...**» "**اگر کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے**"۔
- کیا بعض گناہوں کو چھوڑ کر بعض گناہوں سے توبہ کرنا صحیح ہے؟ ہاں بعض گناہوں کو چھوڑ کر بعض گناہوں سے توبہ کرنا صحیح ہے بشرطیکہ تمام گناہوں کو چھوڑ دینے کا عزم مصمم کرلے۔
- گناہ کبیرہ کے مرتکب سے محبت رکھی جائے گی یا نفرت کی جائے گی؟ اس کے ایمان کے بقدر اس سے محبت رکھی جائے گی اور اس کی معصیت کے بقدر اس سے نفرت کی جائے گی، اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے وقت اس کی مصاحبت نہیں اختیار کی جائے گی۔
- کیا کبیرہ گناہ کے درجات مختلف ہیں؟ ہاں اس کے درجات میں تفاوت ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «**أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟**» "**کیا میں تمہاری رہنمائی بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی جانب نہ کر دوں**"۔
- مرتکبین کبیرہ کو ہم کیا کہیں گے؟ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن ہیں اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہیں، وہ ناقص الایمان مومن ہیں، نہ تو ہم انہیں مرجئہ کی طرح "کامل ایمان والا مومن" کہیں گے ہیں، اور نہ ہی خوارج کی طرح انہیں "کافر" کہیں گے۔

مسائل:

پہلا: ستاروں کی تخلیق کی حکمتیں (یہ آسمان کی زینت، شیطانوں کو مارنے اور راہ معلوم کرنے کی خاطر پیدا کیے گیے ہیں)۔

دوسرا: ان حکمتوں کے علاوہ کچھ اور (علم تاثیر) سمجھنے والوں کی تردید۔

تیسرا: منازل قمر کا علم حاصل کرنے کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں اہل علم کے مابین اختلاف رائے کا وجود۔

چوتھا: جادو کی تصدیق کرنے والوں کی تردید، گرچہ وہ اس کو باطل مانتے ہوئے ہی کیوں نہ تصدیق کرتے ہوں۔

[۳۰] نچھتر یعنی تاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ

۱. شرک اکبر ہے: اگر نچھتروں سے بارش طلب کرے، یا یہ عقیدہ رکھے کہ وہ ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔
۲. شرک اصغر ہے: اگر یہ عقیدہ رکھے کہ یہ صرف سبب ہیں اور حقیقی فاعل اللہ ہی ہے۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ (اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو)۔

[۲] اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ بِالْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالِاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ»، وَقَالَ: «النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا؛ تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ» "میری امت میں جاہلیت کے چار کام ایسے ہیں جنہیں وہ نہیں چھوڑے گی، حسب ونسب اور خاندانی شرف وفضیلت پر فخر کرنا، دوسروں کے نسب وخاندان میں عیب ونقص نکالنا اور طعنہ زنی کرنا، تاروں کے اثر سے بارش ہونے کا عقیدہ رکھنا، اور نوحہ یعنی کسی کے مرنے پر رونا پیٹنا۔ اور فرمایا: "نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اسے تارکول (یا گندھک، یا تانبا) کا کرتہ اور خارش (میں مبتلا کر دینے والی) قمیص پہنا کر کھڑا کیا جائے گا"۔ امام مسلم نے اسے (صحیح میں) روایت کیا ہے۔

- ﴿وَتَجْعَلُونَ﴾: یہ اللہ کی جانب سے ہے اسے تم جھٹلاتے ہو، کیونکہ اس کی نسبت تم غیروں کی طرف کرتے ہو۔
- «أَرْبَعٌ»: چار چیزوں کا ذکر حصر کی خاطر نہیں ہے، کیونکہ اسی قبیل سے اور بھی چیزیں ہیں، یہاں ایسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصر علوم اور اس کو تقسیم وعدد کے طرز پر بیان فرمایا ہے، کیونکہ اس سے سمجھنا اور یاد رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔
- «الْجَاهِلِيَّةِ»: جاہلیت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا زمانہ ہے، اور مقصود اس سے اس زمانہ کی برائی کرنا اور نفرت دلانا ہے، اور یہ سارے امور جہل پر مبنی اور قبیح ہیں۔
- «لَا يَتْرُكُونَهُنَّ»: اس سے خبر دینا اور ایسا کرنے سے ڈرانا مقصود ہے نہ کہ اس کو جائز قرار دینا۔

- «الْفَخْرُ بِالأَحْسَابِ»: یعنی اپنی سرداری اور اور اعلی نسب پر فخر و غرور اور بڑکپن کا اظہار کرے، جبکہ باعث اکرام تو در حقیقت اللہ کا تقوی ہے جو انسان کو کبر و نخوت سے روکتا ہے، اور جوں جوں بندے پر اللہ کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے توں توں وہ حق اور بندے کے لیے متواضع ہوتا چلا جاتا ہے۔
- «وَالطَّعْنُ فِي الأَنْسَابِ»: انسان کی اصل پر عیب لگایا جائے، جیسے کوئی کسی سے کہے: تو دبّاغ (چمڑیا، چمکٹیا، چمڑے کو دباغت دینے اور پکانے و سکھانے کا عمل کرنے والا) کا بیٹا ہے۔
- «وَالِاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ»: یہی موضع شاہد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بارش کی نسبت ستاروں کی جانب کی جائے۔
- «وَالنِّيَاحَةُ»: جان بوجھ کر نوحہ اور بین کرتے ہوئے مُردوں پر زور زور سے رونا۔

«تُقَامُ» اپنی قبر سے «سِرْبَالٌ» کامل کپڑا «قَطِرَانٍ» تارکول یا پگھلا ہوا تانبا «جَرَبٍ» (خارش) ایسی بیماری جو جلد میں ہوتی ہے اور کسی بھی چیز سے چھو جانے پر متاثر ہو جاتی ہے، مطلب یہ کہ اس کے پورے جسم میں خارش یوں ہوگی جیسے کوئی کپڑا پہنے ہو، اور جب خارش اور گندھک ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو مصیبت اور سنگین ہو جاتی ہے، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ اس نے مصیبت پر صبر سے کام نہیں لیا لہذا "الجزاء من جنس العمل" کی قبیل سے اسے یہ سزا دی جائے گی۔

قیامت کو قیامت کہتے ہیں:

لوگوں کے قیام کرنے (کھڑے ہونے) کی وجہ سے: ﴿يَوْمَ يَقُومُ ٱلنَّاسُ لِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ (جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے)۔	گواہی دینے والوں کے قیام (کھڑے ہونے) کی وجہ سے: ﴿وَيَوْمَ يَقُومُ ٱلْأَشْهَٰدُ﴾ (اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے)۔	میزان کے قیام کی وجہ سے: ﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ﴾ (قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک ترازو)۔

تیسری اور چوتھی دلیل:

[۳] صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر ایک ایسی صبح کو ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، جس کی رات میں بارش ہو چکی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: «**هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟**» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «**أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ؛ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا؛ فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ**» "**کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے**"؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: "**اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں کچھ مومن ہوئے ہیں اور کچھ کافر۔ جس نے کہا ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے، اور جس نے کہا ہم پر یہ بارش فلاں نچھتر کی یعنی تاروں کے اثر سے ہوئی ہے وہ میرا منکر ہوا اور تاروں (کی تاثیر) پر ایمان لانے والا ہے**"۔

[۴] اور صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت ہے، اس میں یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں: فلاں فلاں نچھتر سچ (یعنی مفید) ثابت ہوا ہے تو ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (مجھے تاروں کی منازل کی قسم ہے) ﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ﴾ سے لے کر ﴿تُكَذِّبُونَ﴾ (تم اسے جھٹلاتے ہو)۔

- ﴿فَلَآ﴾: ”لا“ یہاں تنبیہ کے لیے ہے کہ متنبہ اور آگاہ ہو جاؤ، میں ستاروں کے گرنے (کی جگہ) کی قسم کھا رہا ہوں۔
- اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قسم کھانے کا کیا فائدہ ہے جبکہ وہ سچا ہے اور اسے قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے:
  ١. یہ عربی زبان کا اپنا اسلوب ہے تاکہ قسم کے ذریعے کہی جانے والی بات میں وزن پیدا ہو۔
  ٢. اس سے مومن کے ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے، اور تاکیدات میں اس غرض سے اضافہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
  ٣. اللہ تعالیٰ بڑے بڑے امور کی قسم کھاتا ہے جو اس کے کمال قدرت، عظمت اور علم پر دلالت کرتے ہیں۔
  ٤. مُقسَم بہ (یعنی ستاروں کے طلوع وغروب کے جگہوں) کی عظمت بتلانا مقصود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے امور کی ہی قسم کھاتا ہے۔
  ٥. مقسم علیہ کا اہتمام کرنا، کیونکہ وہ اس لائق ہے کہ اس کا اثبات اور اہتمام کیا جائے۔
- ﴿كَرِيمٌ﴾: کا معنی ہے: [١] حسین وخوبصورت، اور قرآن سے خوبصوت کوئی شئ نہیں ہے، [٢] بہت زیادہ داد ودہش والا، قرآن، اہل قرآن کو دینی، دنیوی، بدنی اور قلبی خیر وبھلائی سے نوازتا ہے۔
- ﴿فِي كِتَٰبٍ مَّكۡنُونٍ﴾: اس سے مراد یا تو ”لوح محفوظ“ ہے، یا پھر وہ صحیفے جو فرشتوں کے پاس ہیں۔
- ﴿لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلۡمُطَهَّرُونَ﴾: یعنی فرشتے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو اپنے دل کو گناہوں سے پاک کر لے، اسے قرآن سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے۔
- ﴿تَنزِيلٌ﴾: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ:
  [١] قرآن تمام مخلوقات کے لیے نازل ہوا ہے، اور آپ ﷺ کی رسالت عام ہے۔
  [٢] یہ رب کی طرف سے نازل کردہ ہے، اور بات جب ایسی ہے تو یہ لوگوں کے مابین حَکَم اور ان کے لیے قول فیصل ہے۔
  [٣] قرآن کریم کا نزول اللہ کی کامل ربوبیت کی دلیل ہے، اور یہ کہ قرآن بندوں کے لیے رحمت ہے۔
  [٤] قرآن کریم اللہ کی طرف سے نازل کردہ، اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے۔
- ﴿مُّدۡهِنُونَ﴾: خوف کھا کر خوشامدی بنتے ہو، جبکہ تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ جس کے پاس قرآن ہو اسے چاہیے کہ وہ حق کی طرف مائل ہو اور اسے کھلم کھلا بیان کرے۔
- ﴿وَتَجۡعَلُونَ رِزۡقَكُمۡ أَنَّكُمۡ تُكَذِّبُونَ﴾: اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے اسے جھٹلاتے ہو، جو کہ ایک بے وقوفی بھرا قدم اور نازیبا حرکت ہے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ واقعہ کی آیت ﴿وَتَجۡعَلُونَ رِزۡقَكُمۡ أَنَّكُمۡ تُكَذِّبُونَ﴾ کی تفسیر و توضیح۔

دوسرا: ان چار کاموں کا ذکر جو جاہلیت کی رسوم میں سے ہیں (حسب و نسب اور خاندانی شرف و فضیلت پر فخر کرنا، دوسروں کے نسب و خاندان میں عیب و نقص نکالنا اور طعنہ زنی کرنا، تاروں کے اثر سے بارش ہونے کا عقیدہ رکھنا، اور نوحہ یعنی کسی کے مرنے پر رونا پیٹنا)۔

تیسرا: مذکورہ بالا میں سے بعض کفر ہیں (ستاروں سے بارش طلب کرنا، نسب میں طعنہ زنی کرنا اور مردوں پر نوحہ و بین کرنا)۔

چوتھا: کچھ کفر ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا (اس سے مراد ستاروں اور نچھتروں سے بارش طلب کرنا ہے، کہ اس کی بعض صورتیں ملت اسلام سے خارج کر دینے والی ہیں اور بعض صورتیں کفر مجازی (کفر اصغر) ہیں)۔

پانچواں: اللہ تعالیٰ کا فرمان: «أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ» کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ نعمت حاصل ہونے کے سبب بھی کافر ہو جاتے ہیں۔ (انسان کو جب کوئی نعمت حاصل ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس نعمت کی نسبت اللہ کی طرف کرے نہ کہ مجرد سبب کی طرف)۔

چھٹا: اس مقام پر ایمان کی حقیقت پر خوب غور کرنا چاہیے (کہ اس کی نسبت اللہ کے فضل ورحمت کی طرف ہو)۔

ساتواں: اس مقام پر کفر کی حقیقت پر بھی غور کرنا چاہیے۔ (کہ بارش کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کے بجائے ستاروں کی طرف کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے)۔

آٹھواں: یہ کہنا کہ: «لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَكَذَا» "فلاں فلاں نچھتر صحیح و سچ (یعنی مفید) ثابت ہوا"، اس بات پر غور کرنا چاہیے۔ (نچھتر کے سچ ثابت ہونے کی بات کہنا گویا اس کی تعریف کرنا ہے کہ اس نے بارش برسانے کا وعدہ کیا تھا اور اس نے وہ وعدہ پورا بھی کیا۔ والعیاذ باللہ)۔

نواں: نبی ﷺ کے فرمان: «أَتَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟» "کیا تمہیں پتہ ہے تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے"؟ سے ثابت ہوا کہ طالب علم کو بات ذہن نشیں کرانے کے لیے استفهامی انداز اختیار کرنا مستحسن ہے۔ (ایسا انداز انسان کو ہمہ تن گوش کر دیتا ہے، اور یہ انداز آپ ﷺ کے حسن تعلیم کی دلیل ہے)۔

دسواں: نوحہ کرنے والیوں کے عذاب و وعید کا علم ہوا (سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ) "تانبا یا گندھک اور خارش کا لباس اسے پہنایا جائے گا)۔

چھٹی قسم سے سوال (۷ ابواب)

پہلا سوال: مندرجہ ذیل کے مابین کیا فرق ہے؟

م	نیک فالی	بد فالی
۱	....	....
۲	....	....
۳	....	....
	قرعہ اندازی	**تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا**
۱	....	....
۲	....	....
۳	....	....

دوسرا سوال: (☒) کی علامت مناسب جگہ میں لگائیں یا عبارت مکمل کریں:

۱- جادوگر کی علامتیں: ۱-.......................۲-..............................
۳-.......................۴-.......................۵-.......................

۲- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "طاغوت" کی تفسیر "شیطان سے کرنا، تفسیر بالمثال کا نمونہ ہے۔ ☐ صحیح ☐ غلط۔

۳- ﴿اَشْتَرَىٰهُ﴾ یعنی: ....، ﴿مِنْ خَلَاقٍ﴾ یعنی: ....

۴- ﴿اجْتَنِبُوا﴾ یہ «اتْرُكُوا» سے ابلغ ہے کیونکہ "اجتناب" کا معنی ہے اس سے دوری رکھتے ہوئے ترک کر دینا: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵- «السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ» یہاں عدد (☐ چاہتا ہے ☐ نہیں چاہتا ہے) حصر حد بندی کو۔

۶- نصوص میں وارد عدد کا کوئی مفہوم مقصود ہوتا ہے یا نہیں؟.......................................

۷- جب اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے تو پھر اسے کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟..

۸- جن جانوں کو قتل کرنا حرام ہے ان کی تعداد ہے: ☐ ۳ ☐ ۴، حرام ہے: ☐ سود کھانا ☐ سود صرف کھانے تک محدود نہیں ہے (بلکہ مقصود سود لینا ہے خواہ اس کے لینے اور استعمال کی کوئی بھی شکل ہو)۔

۹- یتیم کہتے ہیں، جس کے (☐ باپ ☐ ماں) کی وفات ہوئی ہو، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث، بلوغت سے (☐ قبل ☐ قبل / بعد)۔

۱۰- محصنات سے مراد ہیں: ☐ آزاد عورتیں ☐ زنا سے پاک دامن عورتیں۔

۱۱- ولی امر اور حاکم کا جادوگر کو قتل کرنا واجب ہے: ☐ توبہ کروائے بنا ☐ توبہ کروانے کے بعد۔

۱۲- الجبت سے مراد ہے: ☐ جادو ☐ ہر وہ چیز جس میں کوئی خیر اور بھلائی نہ ہو خواہ وہ جادو ہو یا کچھ اور۔

۱۳- الطّاغوت کہتے ہیں: ☐ شیطان کو ☐ ہر وہ چیز جس کے ذریعہ آدمی اپنی حد پھلانگ جائے خواہ وہ معبود ہو، یا حاکم یا پیشوا۔

۱۴- العیافۃ بدشگونی کی ایک شکل ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۵- جس نے علم نجوم کا کچھ بھی حصہ سیکھا اس نے جادو سیکھا: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۶- فلکی احوال کا تعلق زمینی حوادث سے (☐ نہیں ہوتا ہے ☐ ہوتا ہے)۔

۱۷- علم نجوم کی قسمیں: ۱-..............، اس کا حکم..................................
۲-..................، اس کا حکم...

۱۸- جادو کے بیان میں، چغل خوری کا ذکر: ☐ نساخ کی غلطی ہے ☐ تاکہ ان دونوں کے مابین فرق کو واضح کیا جائے۔

۱۹- «إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا» یہ: ☐ مدح کے لیے ہے ☐ ذم کے لیے ہے ☐ اس کی حقیقت بیان کرنے کے لیے ہے، اور فیصلہ اس کے اثر کو دیکھ کر کیا جائے گا۔

۲۰- العرّاف کہتے ہیں: ☐ کاہن کو ☐ اسم عام ہے۔

۲۱- کاہن اور کہانت کا باب یہ بتانے کے لیے لائے ہیں کہ: ☐ کاہن کون لوگ ہیں ☐ ان کے پاس آنے کی کیفیت بیان کریں ☐ اس کا حکم بیان کریں ☐ مذکورہ سبھی۔

۲۲- اباجاد (علم ابجد) سیکھنے کی قسمیں ہیں: ☐ دو قسم ☐ ایک ہی قسم ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے۔

۲۳- جو شخص یہ اقرار کرتے ہوئے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کاہن کی تصدیق کرے، وہ کافر ہے، اور اس کا کفر ☐ اکبر ہے ☐ اصغر ہے۔

۲۴- ایک عورت نے دوسری عورت سے کہا: میں تمہارے شوہر کی خاطر جادو انجام دوں گی، اور اس (کے گناہ) کا کوئی اثر تم پر نہیں ہوگا: ☐ دونوں جادو میں شریک تصور کی جائیں گی ☐ دوسری کے اوپر کوئی گناہ نہیں۔

۲۵- کسی آدمی کے بارے میں کہا جائے: اس آدمی پر "طب" کا اثر ہے: ☐ ایسا جادو کے بارے میں فال نیک لیتے ہوئے کہا جاتا ہے ☐ یہ لفظ بیماری کے علاج کے لیے مستعمل ہے۔

۲۶- نصوص اور اقوال سلف اس بات پر دال ہیں کہ جادو کا علاج جادو سے کرنا (☐ حلال نہیں ہے ☐ حلال ہے)۔

۲۷- جادو کا علاج کیا جائے گا: ☐ حجامہ (پچھنا لگوانا) کے ذریعے ☐ آیت الکرسی پڑھ کر ☐ وارد شدہ دعاؤں کے ذریعے، جیسے یہ دعا: «**رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ...**» ☐ مذکورہ سبھی۔

۲۸- نشرہ کی قسمیں ہیں: ۱- .... ۲- ....

۲۹- آل فرعون کی بدفالی لینے والے عقیدہ کو کس آیت کے ذریعے باطل قرار دیا گیا: ☐ ﴿أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ﴾ ☐ ﴿طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡ﴾.

۳۰- بدشگونی لینا توحید کے منافی اس لیے ہے کہ بدشگونی لینے والا: ☐ اللہ سے قطع توکل کر کے غیر اللہ پر توکل کرتا ہے ☐ ایسی چیز سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ☐ مذکورہ سبھی۔

۳۱- ﴿طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡ﴾ اس کے قائل ہیں: ☐ بستی والے ☐ رسل۔

۳۲- ﴿طَٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ﴾ یعنی: ....، ﴿طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡ﴾ یعنی: ....

۳۳- اللہ کی اجازت سے بیماری منتقل ہوتی ہے:☐ صرف حسی بیماریاں☐ معنوی بیماریاں☐ مذکورہ سبھی۔

۳۴- «لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ» اس میں نفی ہے اس کے:☐ وجود کی☐ تاثیر کی۔

۳۵- «لَا عَدْوَى» یعنی:......................، کیا یہ نبی ﷺ کے اس فرمان «فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ» کے مخالف ہے؟.........

۳۶- حدیث «لَا طِيَرَةَ» اور «لَا شُؤْمَ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ» کے درمیان جمع کی کیا صورت ہوگی؟ ....

....

۳۷- «لَا هَامَةَ» یعنی: ....، «لَا صَفَرَ» یعنی: ....

۳۸- «وَمَا مِنَّا إِلَّا» یعنی: ....، اور اس میں ثبوت ہے ....

۳۹- «لَا نَوْءَ» یعنی: ....، «لَا غُولَ» یعنی: ....

۴۰- (صفر الخیر) کہنا:☐ جائز ہے☐ فال نیک لینا ہے☐ یہ بدعت کا علاج بدعت سے کرنے کے قبیل سے ہے۔

۴۱- حدیث میں وارد لفظ ”زجر الطیر“ کا مطلب پرندوں کو ایذا پہنچانا ہے:☐ صحیح☐ غلط۔

۴۲- عربوں نے اپنے اندر بہت سے وہمی علوم پال رکھے تھے، جیسے الطیرۃ، الزجر، العیافہ (یہ سبھی پرندوں کو اڑا کر بدفالی لینے کی قسمیں ہیں) اور الرقی (جھاڑ پھونک)، اور اس سلسلے میں جھوٹ گھڑ کر لوگوں کے مابین پھیلا دیا تھا، اور اسی قبیل سے ان کا یہ دعوی بھی ہے کہ دوران سفر شیطانوں کا جھنڈ مختلف رنگوں اور شکلوں میں لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور مقتول شخص کے خون سے ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے جسے ہامہ کہا جاتا ہے، بعض لوگوں نے تو یہ تک دعوی کیا کہ انہوں نے جن سے گفتگو بھی کی ہے:☐ صحیح☐ غلط۔

۴۳- کتے یا گدھے کی آواز سنتے وقت یہ جملہ (خیرًا ان شاء اللہ) (اگر اللہ نے چاہا تو خیر ہی ہوگا) کہنا☐ جائز ہے☐ ناجائز ہے۔

۴۴- کسی ستارہ کے بارے میں یہ کہنا: (هذا نجم سعد السُّعود) (یہ انجم نیک بخت ہے):☐ جائز ہے☐ ناجائز ہے۔

۴۵- فال (نیک) کہتے ہیں:☐ صرف اچھی بات کو☐ ہر وہ قابل ستائش شئ جو انسان کو چاق وچوبند اور کسی کام کے کرنے پر آمادہ ونشیط کردے، خواہ وہ قول وفعل ہو یا دِکھنے اور سنائی دی جانے والی چیز۔

۴۶- کسی نے بدشگونی لیا اور قلق وغم میں ڈوبا ہوا بدشگونی کے اثر انداز ہو جانے سے ڈرتے ہوئے بھی وہ کام انجام دیا، ایسا کرنا (☐ جائز ہے☐ شرک اصغر ہے☐ گناہ ہے)، کسی نے بدشگونی لی اور اپنے کام کو چھوڑ کر رک گیا، ایسا کرنا (☐ شرک اصغر ہے☐ کبیرہ گناہ ہے)۔

۴۷- (الطِّيَرة المذمومة) (مذموم فال) کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض فال ممدوح بھی ہیں۔☐ صحیح☐ غلط۔

۴۸- کسی خاص عدد، جگہ یا طریقے سے بغض رکھنا:☐ مباح ہے☐ بدفالی لینے میں داخل ہے۔

۴۹- کسی نے شادی کا ارادہ کیا اور اس کے فیصلے کے لیے گلاب کا ایک پھول لیا اور اس کی پتیوں کو ایک ایک کرکے یوں الگ کرنا شروع کیا کہ ایک پتی کو الگ کرے اور کہے: شادی کروں گا، پھر اگلی پتی الگ کرے اور کہے: شادی نہیں کروں گا، یہاں تک کہ آخری پتی تک پہنچ جائے، ایسا کرنا:☐ فال نیک لینا ہے☐ بدفالی لینے میں داخل ہے۔

۵۰- کوئی آدمی سفر کرنے کے تعلق سے تردد کا شکار تھا، لہذا اس نے مصحف کھول کر دیکھا اور رحمت والی آیت پر نظر پڑی تو سفر کے لیے نکل پڑا، ایسا کرنا:☐ فال نیک لینا ہے ☐ بدفالی لینے میں داخل ہے۔

۵۱- ایک آدمی نے سفر کا عزم کیا اور راستے میں کسی کو کہتے ہوئے سنا: اللہ آپ کو توفیق دے، یہ سن کر اس کے اندر مزید نشاط پیدا ہو گیا، ایسا کرنا:☐ فال نیک لینا ہے ☐ بدفالی لینے میں داخل ہے۔

۵۲- کسی کے دل میں بدشگونی کا خیال آیا، لیکن اس بدشگونی نے اسے ارادے سے باز نہیں رکھا اور نہ ہی قلق اور پریشانی میں مبتلا ہوا، تو وہ:☐ گناہ گار ہے ☐ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں۔

۵۳- کسی کے دل میں بدشگونی کا خیال آیا، لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے ہوئے اپنے ارادے پر عمل پیرا ہو، تو اس نے:☐ شرک کیا ☐ شرک نہیں کیا۔

۵۴- اللہ تعالیٰ نے بعض بیماریوں کو متعدی ہونے اور ایک دوسرے میں منتقل ہونے کا سبب بنایا ہے:☐ صحیح ☐ غلط.

۵۵- جو غیر اللہ سے کسی چیز کا خوف کھاتا ہے وہ چیز اس پر مسلط کر دی جاتی ہے، یہ بدفالی لینے والے کی سزا ہے۔☐ صحیح ☐ غلط.

۵۶- بہت زیادہ ہنسنے کے بعد یہ کہنا: (اللہ یکفینا شرَّ الضَّحک) (اللہ ہمارے لیے ہنسنے کی برائی سے کافی ہے):☐ جائز ہے ☐ جائز نہیں ہے۔

۵۷- کسی نے استخارہ کیا اور سو گیا، اور خواب میں گھبراہٹ والی چیز دیکھ لی لہذا جس چیز کے لیے استخارہ کیا تھا اسے ترک کر دیا:☐ یہ بدفالی لینا ہے ☐ یہ استخارہ کا نتیجہ ہے۔

۵۸- دو چیزوں کے درمیان متردد شخص:☐ دعا کرے ☐ مشورہ کرے ☐ استخارہ کرے ☐ دونوں کے بیچ قرعہ اندازی کرے ☐ پہلا اور دوسرا، اور جب کسی کام کا ارادہ کر لے تو استخارہ کرے ☐ مذکورہ سبھی۔

۵۹- کسی نے استخارہ کرنے کے بعد سفر کیا، اور دوران سفر اس کا کپڑا پھٹ گیا تو اس نے سفر ترک کر دیا، ایسا کرنا:☐ بدفالی لینے میں داخل ہے ☐ یہ استخارہ کا نتیجہ ہے۔

۶۰- کسی ایک کام کا ارادہ کر لینے کے بعد استخارہ ہو گا، اس قول کی وجہ سے: «**فِي هَـــذَا الْأَمْــرِ**» **(اس معاملہ میں)**:☐ صحیح ☐ غلط.

۶۱- جس کام کی خاطر استخارہ کیا تھا وہ سبب صرف حسی یا شرعی ہو:☐ صحیح ☐ غلط.

۶۲- یہ اعتقاد رکھنا کہ ستارہ بارش برسنے کا سبب ہے اور حقیقی فاعل اللہ ہی ہے:☐ صحیح ہے ☐ شرک اصغر ہے۔

۶۳- ستاروں سے متعلق جاہلی عقائد کی جگہ اب موسمی تغیرات نے لے لی ہے ☐ صحیح ☐ غلط.

۶۴- سورج کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا: (خذي سِنّي وأعطيني سِنَّ العروسة) (میری عمر کے بدلے شادی والی عمر دیدے):☐ جائز ہے ☐ شرک ہے۔

۶۵- چاند کے منازل سیکھنے کے سلسلے میں وارد علماء کی مختلف آراء کے مابین اسی طرح جمع کی صورت نکالنا ممکن ہے، جس طرح ہم نے "نشرہ" کے باب میں جمع کیا تھا:☐ صحیح ☐ غلط.

۶۶- علامتیں جن سے راہ پائی جاتی ہیں:☐ زمینی ہوتی ہیں ☐ افقی ہوتی ہیں ☐ مذکورہ سبھی۔

٦٧- الرَّحِم کہتے ہیں: ☐ قرابت داروں کو ☐ میاں بیوی کے رشتہ داروں کو۔

٦٨- جادو دیکھنے والوں کے دلوں پر یوں اثر انداز ہوتا ہے کہ لکڑی سونا نظر آنے لگتی ہے. ☐ صحیح ☐ غلط.

٦٩- وعید والی احادیث جیسے وارد ہوئی ہیں انہیں ویسے ہی گزار دیا جائے، بجائے اس کے کہ دوسرے نصوص (وعدہ والے) سے انہیں متعارض مان کر دونوں کے مابین جمع کی صورت نکالنے کی کوشش کی جائے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کا ڈر بنا رہے. ☐ صحیح ☐ غلط.

٧٠- کبھی کبھی نصوص شرعیہ میں عدد کو حصر علوم اور جمع و تقسیم کی طرز پر بیان کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں آسان ہوتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

٧١- جاہلیت کی طرف نسبت کرنے کا مقصد ہے: ☐ اس سے نفرت دلانا ☐ یہ جہالت اور بے وقوفی بھرا عمل ہے ☐ مذکورہ سبھی۔

٧٢- نبی کریم ﷺ کچھ ایسی چیزوں کے بارے میں خبر دیتے ہیں جو واقع ہوں گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اس کو اپنا لیں، جیسے نبی ﷺ کا یہ فرمان: «لَا يَتْرُكُونَهُنَّ...». ☐ صحیح ☐ غلط.

٧٣- کبائر گناہ عمل صالح سے معاف نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے توبہ ضروری ہے. ☐ صحیح ☐ غلط.

٧٤- قرآن کے "کریم" ہونے کا مطلب ہے وہ: ☐ بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے ☐ حسین وخوبصورت ہے ☐ سبھی۔

٧٥- المُطَهَّرون کا معنی ہے: ☐ فرشتے ☐ قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے۔

تیسرا سوال: گروپ (أ) کے مناسب کلمات کو گروپ (ب) کے مناسب کلمات سے جوڑیں:

	أ	ب
١	مُعاهد	ہمارے اور ان کے مابین تجارت یا اسلام سیکھنے کی غرض سے معاہدۂ امن ہو۔
٢	ذمی	جادو اور کہانت کی غرض سے زمین پر خط کھینچتے ہیں۔
٣	جبت	ہمارے اور ان کے مابین عہد ہو کہ نہ ہم ان سے لڑیں گے اور نہ وہ ہم سے۔
٤	مستامِن	جو جزیہ دینے کی وجہ سے مسلم حکومت کی ذمہ داری میں ہو۔
٥	طیرہ	کاٹنا اور تفریق ڈالنا۔
٦	العَضْهُ	ایسی مکمل فصاحت جو دلوں کو مسخر کر دے اور افکار بدل ڈالے۔
٧	کبیرہ	یہ کاہن، نجومی اور رمال وغیرہ کے لیے عمومی نام ہے۔
٨	بیان	ہر وہ چیز جس پر خاص سزا مقرر کی گئی ہو۔
٩	طَرْق	بدفالی یا نیک فال لینے کی خاطر پرندوں کو اڑانا۔
١٠	عراف	کسی آواز کو سن کر، کسی چیز کو دیکھ کر، جگہ اور وقت سے بدفالی لینا۔
١١	عِیافہ	ہر وہ چیز جس میں کوئی بھلائی نہ ہو جیسے جادو وغیرہ۔

ساتویں قسم: دلوں کے اعمال (۱۹ ابواب)

[۳۱] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ﴾ الآيَةَ (کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر اور شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے ہونی چاہیے) کا باب

محبت کی قسمیں:

- اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور سے محبت کرنا: (شرک اکبر ہے)
- اللہ کے لیے محبت کرنا: (واجب ہے) یہ اللہ پر ایمان رکھنے کی سب سے مضبوط گرہ ہے۔
  - اس عمل سے محبت کرنا جس سے اللہ راضی ہوتا ہے، اور یہ ہر وہ چیز ہے جس کو لے کر شریعت آئی ہے جیسے توحید۔
  - اس پر عمل کرنے والے سے محبت جیسے انبیاء، رُسل، فرشتے، صحابہ کرام اور سبھی موحدین۔
  - وہ اوقات اور ازمنہ جن سے اللہ محبت رکھتا ہے، ان سے محبت رکھنا، جیسے شب قدر اور رات کا آخری تہائی حصہ۔
  - ان جگہوں سے محبت رکھنا جن سے اللہ محبت رکھتا ہے، جیسے مکہ اور مدینہ۔
- طبعی وفطری محبت کرنا: (جائز ہے) جیسے بچے سے محبت کرنا۔

دوسری اور تیسری دلیل:

[۲] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ ﴾ (آپ کہہ دیں کہ اگر تمہیں اپنے باپ، بیٹے) سے لے کر ﴿ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ﴾ الآيَـةَ. (اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہیں) تک۔

[۳] انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ» **"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی اولاد باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے"**۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

- ﴿ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ ...﴾: ان لوگوں کی محبت عبادت والی محبت نہیں ہے، لیکن ان کی محبت اگر اللہ کی محبت پر غالب آجائے تو عقوبت کا سبب بن جاتی ہے۔
- «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ»: یہاں کمال ایمان کی نفی کی گئی ہے، الا یہ کہ کوئی ایسا شخص جس کے دل میں آپ ﷺ کی محبت بالکل بھی نہ ہو۔

کسی چیز کی نفی کے حالات:

نفی وجود:	نفی صحت:	نفی کمال:
اور نفی میں یہی اصل ہے، بطور مثال «لا إيمان لعابد صنم»، (بت کی عبادت کرنے والے کا کوئی ایمان نہیں) اگر اس پر محمول کرنا ممکن نہ ہو تو ہم محمول کریں	جیسے «لَا صَلَاةَ بِغَيْرِ طَهُورٍ» (پاکی کے بغیر نماز نہیں) اگر اس پر محمول کرنا ممکن نہ ہو تو ہم محمول کریں گے:	جیسے «لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ» (کھانا حاضر رہتے ہوئے نماز نہیں)۔

- حدیث کی مناسبت ظاہر ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے محبت رکھنے کا مطلب اللہ سے محبت رکھنا ہے، اور نبی ﷺ سے محبت مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے رکھی جائے گی:

۱- کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جب اللہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے تو اس کا رسول بھی آپ کے نزدیک ساری مخلوقات سے بڑھ کر محبوب ہونا چاہیے۔
۲- کیونکہ آپ ﷺ نے اللہ کی اکمل طریقے سے عبادت کی اور اس کی رسالت کو لوگوں تک پہنچایا۔
۳- کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے نوازا ہے۔
۴- کیونکہ نبی ﷺ آپ کی ہدایت، تعلیم اور توجیہ ورہنمائی کا سبب ہیں۔
۵- کیونکہ آپ نے تبلیغ رسالت کے دوران ملنے والی مصیبتوں پر صبر سے کام لیا۔
۶- کیونکہ نبی ﷺ نے اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی جان، مال اور تمام کوششیں صرف کردیں۔

نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے کیسے محبت کی جائے گی؟

آپ ﷺ کی سنتوں کو سیکھ کرکے، ان پر عمل کرکے، ان کی طرف دعوت دے کرکے، ان کا دفاع کرکے، آپ ﷺ کے فرمان کو تمام لوگوں کے فرمان پر مقدم کرکے اور آپ ﷺ کے طریقے کی پیروی کرکے۔

اللہ کے ساتھ محبت رکھنے کے سلسلے میں لوگوں کی چار اقسام ہیں:

جو اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ سے محبت رکھنے کی طرح کسی اور سے محبت نہیں رکھتے، اسی کا نام اخلاص ہے۔	جو انداد (غیر اللہ) سے اللہ کے مانند ہی محبت رکھتے ہیں، یہ شرک اکبر ہے۔	جو انداد (غیر اللہ) سے اللہ سے بھی بڑھ کر محبت رکھتے ہیں، یہ شرک اکبر ہے۔	جو انداد (غیر اللہ) سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ سے بالکل بھی محبت نہیں رکھتے، یہ شرک کی سب سے بُری صورت ہے۔

چار سے لے کر چھ تک دلائل:

[۴] بخاری اور مسلم ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْـمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لله، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ؛ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ» "تین اَوصاف ایسے ہیں جس میں وہ پائے جائیں، ان کی بدولت وہ ایمان کی مٹھاس محسوس کرتا ہے: یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب سمجھے، کسی سے محض اللہ کے لیے ہی محبت کرے، جب اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے بچالیا ہے تو اب وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کو ایسے ہی ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالا جانا اسے ناپسند ہے"۔، اور ایک روایت میں یوں ہے: «لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ حَتَّى...» "کوئی بھی شخص ایمان کی حلاوت اور چاشنی اس وقت تک محسوس نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ" الخ۔

[۵] اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "جو شخص (کسی سے صرف) اللہ کے لیے محبت رکھے، اللہ کے لیے بغض رکھے، اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی رکھے (تو جان لینا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی ومحبت) انہیں کاموں سے حاصل ہوسکتی ہے اور کوئی بھی شخص ان امور کے بغیر ایمان کا ذائقہ اور مٹھاس نہیں پاسکتا اگرچہ وہ بہت نمازیں پڑھے اور بکثرت روزے رکھے۔ عام لوگوں کی آپس میں محبت اور تعلقات دنیاوی امور پر استوار ہیں۔ یہ چیز (اللہ تعالیٰ کے ہاں) اپنے کرنے والوں کے لیے کچھ سود مند ثابت نہ ہوگی"۔ اس اثر کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

[٦] اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ ٱلْأَسْبَابُ﴾ (قیامت کے روز سارے اسباب ووسائل ختم ہوجائیں گے) کی تفسیر میں فرمایا: «الْـمَوَدَّةُ». یہاں اسباب ووسائل سے مراد: دوستی، محبت اور تعلقات ہیں۔

عبادت کے اعتبار سے محبت:

وہ محبت جو بذات خود عبادت ہے:

ایسی عبادت والی محبت صرف اللہ کے لیے ہی ہو گی، جو ایسی فروتنی وخاکساری اور تعظیم کو واجب قرار دے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجا لایا جائے اور نواہی سے اجتناب کیا جائے۔

وہ محبت جو بذات خود عبادت نہیں ہے:

- اللہ کے واسطے محبت کرنا: جیسے انبیاء ورُسل علیہم السلام سے محبت رکھنا۔
- رحمت اور مہربانی والی محبت: جیسے اولاد اور چھوٹے بچوں سے محبت...
- تعظیم اور احترام والی محبت: جیسے والد اور استاد سے محبت کرنا...
- طبعی محبت: جیسے کھانے پینے سے محبت کرنا...

- سب سے اعلی واشرف پہلی قسم ہے، اور بقیہ مباح ہیں لیکن اگر اس کے ساتھ ایسی چیز شامل ہو جائے جو بندگی کی متقاضی ہو تو پھر یہ عبادت کی قسم میں داخل ہو جائے گی۔
- «حَلَاوَةَ الإِيمَانِ»: اطمینان، راحت اور سکون کی وہ کیفیت جو انسان اپنی ذات اور دل میں پاتا ہے۔
- «مَنْ أَحَبَّ فِي الله»: جس سے اللہ نفرت کرتا ہے وہ بھی نفرت کرتا ہے اور جس سے اللہ محبت کرتا ہے وہ بھی محبت کرتا ہے۔
- ﴿وَتَقَطَّعَتْ﴾: وہ تمام اسباب منقطع ہو گئے جن سے مشرکین اپنا تعلق جوڑتے تھے، اور جس محبت کا اظہار وہ بتوں سے کیا کرتے تھے۔

ولایت:

اللہ کی جانب سے بندے کے لیے:

- عام تدبیر وتصریف والی ولایت، یہ مومن وکافر سبھی کو شامل ہے۔
- خاص عنایت، توفیق اور ہدایت والی ولایت، یہ مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔

بندے کی جانب سے اللہ کے لیے:

یہ شرعا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ﴾ (اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے دوستی کرے)۔

مسائل:

پہلا: سورۂ بقرہ کی آیت (﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا ﴾) کی تفسیر۔

دوسرا: سورۂ براءت (توبہ) کی آیت (﴿ قُلۡ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ ﴾) کی تفسیر۔

تیسرا: اپنی جان، اہل وعیال اور مال ومنال کے مقابلے میں نبی ﷺ کی محبت (مقدم) ہے۔

چوتھا: ہر صورت میں ایمان کی نفی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے (الا یہ کہ کسی کا دل نبی ﷺ کی محبت سے بالکل خالی ہو، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصل ایمان کی نفی ہوگی، ورنہ اس سے مراد ایمان کی کمی بھی ہو سکتی ہے)۔

پانچواں: ایمان کی ایک مٹھاس ہے، تاہم کبھی اس کا احساس ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

چھٹا: چار قلبی اعمال ایسے ہیں جن کے بغیر انسان اللہ کی ولایت حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے (اللہ کی خاطر دوستی رکھے، اللہ کی خاطر دشمنی کرے، اللہ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ کی خاطر نفرت کرے)۔

ساتواں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واقعات وحقائق کی روشنی میں سمجھ لیا تھا کہ عام لوگوں کے تعلقات اور میل جول محض دنیا کی خاطر ہیں (یہ حال ان کے زمانہ میں تھا تو ہمارے زمانہ کی حالت کا تصور کیا جا سکتا ہے)۔

آٹھواں: آیت مبارکہ ﴿وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ ٱلۡأَسۡبَابُ ﴾ کی تفسیر۔ (مثلاً: محبت وغیرہ جیسے اسباب کا منقطع ہونا)۔

نواں: بعض مشرکین ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں (اور مومنوں کو بایں معنی فوقیت حاصل ہے کہ مومنوں کی محبت اللہ سے مشرکین کی بتوں سے محبت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے)۔

دسواں: آیت مبارکہ میں مذکور آٹھ اشیاء جس شخص کو اپنے دین سے زیادہ پیاری ہوں، اس کے لیے سخت وعید ہے۔

گیارھواں: کسی کا اپنے باطل معبود سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر محبت رکھنا، شرک اکبر ہے۔

[۳۲] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ الآيَةَ (یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، سو تم ان سے نہ ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو صرف مجھ سے ڈرو) کا باب

مؤلف رحمہ اللہ محبت کے بیان کے بعد خوف کا ذکر کر رہے ہیں، کیونکہ اللہ کی عبادت دو چیزوں پر ٹکی ہوئی ہے:
محبت: اسی کی وجہ سے اوامر کی پابندی ہوتی ہے، **خوف**: اسی کی وجہ سے نواہی سے اجتناب ہوتا ہے۔

خوف اور ڈر کی اقسام:

عبادت، خاکساری، تعظیم اور خشوع و خضوع والا (سری) خوف	طبعی اور فطری خوف (مباح):
اس کو غیر اللہ کے لیے انجام دینا شرک اکبر ہے، اور لوگ اس میں افراط و تفریط کے شکار اور معتدل رویہ رکھنے والے ہیں۔	﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَتَرَقَّبُ﴾ (پس موسیٰ علیہ السلام وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے)، خوف کی یہ قسم اگر واجب ترک کرنے یا حرام کام انجام دینے پر ابھارے تو حرام ہے۔

- ﴿يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ﴾: شیطان ہر اس شخص کو ڈراتا ہے جو واجب اعمال ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔
- ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ﴾: (ان سے ڈرو نہیں) بلکہ جو کرنے کا حکم میں نے دیا ہے اسے کر گزرو، اور فریضۂ امر بالمعروف والنہی عن المنکر پر عمل کرو، ان لوگوں سے ڈرو نہیں، اور جب جس انسان کو اللہ کی معیت اور مدد مل جائے اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا۔

دوسری دلیل:

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا ٱللَّهَ﴾ الآيَةَ. (اللہ کی مسجدوں کی رونق و آبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں نمازوں کے پابند ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔

- ﴿مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ﴾: بہت سارے مقامات پر ایمان باللہ اور آخرت پر ایمان کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ: اللہ پر ایمان رکھنا رجاء اور امید پیدا کرتا ہے، جبکہ آخرت پر ایمان رکھنا اللہ سے خوف کھانے پر ابھارتا ہے۔
- ﴿وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ﴾: یعنی اس کو مکمل طریقے سے ادا کرتا ہے کہ اس میں کوئی نقص باقی نہیں رہتا، اور نماز قائم کرنے کی دو صورتیں ہیں:

1. واجب صورت: شروط، ارکان اور واجبات جیسی ضروری اور لازمی چیزوں پر اکتفا کرنا۔
2. مستحب صورت: واجب پر اضافہ کرنا، لہذا واجب کے ساتھ ساتھ مستحبات کا بھی خیال رکھنا۔

- ﴿وَلَمْ يَخْشَ﴾: خشیت ایسے خوف اور ڈر کو کہتے ہیں جس میں مخشی (جس سے ڈرا جائے) اور اس کی حالت کا علم شامل ہوتا ہے۔ خوف اور خشیت کے مابین فرق مندرجہ ذیل ہیں:

1. خشیت کا مطلب ہے کہ جس ذات سے آدمی خشیت کھاتا ہے اس کے مقام و مرتبہ کا اسے علم ہو، جبکہ خوف عام ہے جو جاہل کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔
2. جس سے آدمی اس کی عظمت کے پیش نظر ڈرے وہ خشیت کہلاتی ہے، جبکہ خوف، خائف کے ضعف کا بھی نتیجہ ہو سکتا ہے۔

- ﴿فَعَسَىٰٓ﴾: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے "عسی" (ممکن ہے، توقع ہے) کے استعمال کا مطلب ہے کہ یہ چیز یقینی طور پر واجب ہے، لیکن ترجی" (امید) کا صیغہ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ انسان غرور میں مبتلا نہ ہو کہ اب تو اسے مذکورہ صفت سے متصف ہونے کی یقینی سند مل گئی۔

تعمیر مسجد کی صورتیں۔ تعمیر کی ضد تخریب ہے ﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَآ ﴾ (اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کیے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے):

حسی تعمیر: عمارت بنا کر، فرش بچھا کر، صفائی اور اصلاح ودرستگی کے ذریعہ، جبکہ اس کی حسی (ظاہری) تخریب مسجد کو منہدم کرنا اور اسے نقصان پہنچانا ہے۔

معنوی تعمیر: نماز، ذکر اور قرآن کی تلاوت کے ذریعے، اور اس کی ضد تخریب معنوی ہوگی، مسجد کو شرک وبدعت کا اڈہ بنادینا۔

تیسری دلیل:

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ فَإِذَآ أُوذِيَ فِي ٱللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ ٱلنَّاسِ كَعَذَابِ ٱللَّهِ ﴾ الآيـة. (اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بنالیتے ہیں)۔

- یہ بات معلوم ہے کہ انسان اللہ کے عذاب سے راہ فرار اختیار کرتا ہے لہذا اللہ کے حکموں کو بجالاتا ہے، مگر ضعیف الایمان شخص کو جب انسانوں کی طرف سے کوئی ایذا پہنچتی ہے تو وہ اسے اللہ کے عذاب کی طرح باور کرتا ہے، اور لوگوں کے فتنوں سے بچنے کی خاطر ان کی خواہشات کے موافق عمل کرنا شروع کر دیتا ہے جو کہ اس کے لیے عذاب کے مانند ہے، اور کبھی کبھی تو وہ ان سے ایسے ہی ڈرتا ہے جیسے وہ اللہ سے خوف کھاتا ہے، وہ اس طرح کہ اس نے ان کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں کو اللہ کے عذاب کے مانند سمجھ لیا اور لوگوں کی اذیتوں اور ان کے طنز وتعریض سے بچنے کے لیے ناجائز خواہشات اور مطالبہ کے سامنے سپر ڈال دی۔
- آیت میں اس بات سے ڈرایا گیا ہے کہ انسان وہ چیز کہے جو اس کے دل میں نہ ہو (یعنی دل میں کچھ اور زبان پر کچھ)۔

چوتھی دلیل:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے: «إِنَّ مِنْ ضَعْفِ الْيَقِينِ أَنْ تُرْضِيَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللهِ، وَأَنْ تَحْمَدَهُمْ عَلَى رِزْقِ اللهِ، وَأَنْ تَذُمَّهُمْ عَلَى مَا لَمْ يُؤْتِكَ اللهُ، إِنَّ رِزْقَ اللهِ لَا يَجُرُّهُ حِرْصُ حَرِيصٍ، وَلَا يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ» "یہ ایمان ویقین کی کمزوری ہے کہ تو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے اور اللہ کے دیے ہوئے رزق پر لوگوں کی تعریف کرے اور اللہ نہ دے تو لوگوں کی مذمت کرے۔ بے شک اللہ کے رزق کو نہ کسی حریص کا حرص کھینچ سکتا ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی، اسے روک سکتی ہے"۔

- «أَنْ تُرْضِيَ النَّاسَ»: کہ تم اللہ تعالیٰ سے زیادہ ان لوگوں سے ڈرنے لگو، اور ان کو نصیحت ہی کرنا چھوڑ دو۔
- «وَأَنْ تَحْمَدَهُمْ»: تم پوری طرح انہیں کی تعریف میں لگ جاتے ہو اور یہ بھول جاتے ہو کہ مُسبِّب الاسباب اللہ تعالیٰ ہے۔
- «وَأَنْ تَذُمَّهُمْ»: کیونکہ اللہ نے اگر اسے تیری تقدیر میں لکھا ہوتا تو اس کے اسباب تیرے لیے مہیا ہو جاتے، لہذا اللہ عزوجل کی قضاوقدر پر راضی رہنا ہر حال میں واجب ہے۔

پانچویں دلیل:

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ؛ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَأَرْضَى عَنْهُ النَّاسَ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ؛ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسَ» "جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی رکھے اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی رکھتا ہے، اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے"۔ اس حدیث کو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

- «مَنِ الْـتَمَسَ» : لوگوں سے ڈر کر ان کی رضامندی تلاش کرے، گویا اس نے لوگوں کے ڈر کو اللہ کے ڈر پر مقدم کر دیا۔

فوائد حدیث:

١. رضاء الٰہی کی طلب واجب ہے چاہے کوئی شخص ناراض ہو جائے، کیونکہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ ہی ہے۔
٢. اللہ کی تعالیٰ کی ناراضگی میں لوگوں کی رضامندی تلاش کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔
٣. اللہ کے لیے صفت ”رضا“ اور صفت ”سخط، یعنی ناراضگی“ کو بغیر کسی تشبیہ وتمثیل کے حقیقی معنوں میں ثابت کرنا جو اس کے شایان شان ہے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ آل عمران کی آیت (﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ﴾) کی تفسیر۔

دوسرا: سورۂ برأت (توبہ) کی آیت (﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ﴾) کی تفسیر۔

تیسرا: سورۃ العنکبوت کی آیت (﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ﴾) کی تفسیر۔

چوتھا: ایمان اور یقین کبھی قوی اور کبھی کمزور ہوتا رہتا ہے۔

پانچواں: ایمان اور یقین کی کمزوری کی تین علامات ہیں (اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا، اللہ کے عطا کیے ہوئے رزق پر انسانوں کی تعریف کرنا، اور اللہ نے جو مقدر نہیں کیا ہے اس پر لوگوں کی مذمت کرنا)۔

چھٹا: صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، فرائض دین میں سے ایک فریضہ ہے۔

ساتواں: جس نے ایسا کیا اس کا ثواب یہ ہے (کہ اس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے)۔

آٹھواں: جس نے ایسا نہیں کیا اس کی سزا یہ ہے (کہ اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے)۔

[۴۳] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ﴾ (اگر تم صاحب ایمان ہو تو صرف اللہ ہی پر توکل کرو) کا باب

- محبت اور خوف کا ذکر کرنے کے بعد مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں یہ بیان کیا ہے کہ مطلوب و مرغوب شئے کا حصول اور ناپسندیدہ چیز سے دوری صرف توکل کے ذریعے ہی ممکن ہے، اور توکل کے بغیر تحقیق عبادت بھی ممکن نہیں ہے، توکل کا دین میں بڑا اعلی مقام و مرتبہ ہے، لہذا انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور بھروسہ رکھے۔
- ﴿وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ﴾: معمول کو مقدم کرنا حصر کا فائدہ دیتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ توکل کی نفی کمال ایمان کی نفی ہے، الا یہ کہ کسی شخص کا کلی اعتماد غیر اللہ پر ہی ہو تو پھر یہ شرک اکبر ہے۔

توکل کہتے ہیں: جائز اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کرنا، لہذا اللہ پر حقیقی اور سچا اعتماد اور جائز و مشروع اسباب اختیار کرنا نہایت ضروری ہے، اور اس کی درج ذیل قسمیں ہیں:

تمام امور بالکلیہ اللہ کو ہی سونپ دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ نفع پہنچانا اور نقصان دور کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس کو غیر اللہ کے لیے انجام دینا شرک اکبر ہے۔	ایک طرح کی محتاجی کی کیفیت کے ساتھ کسی زندہ آدمی پر بھروسہ کرنا، یہ شرک اصغر ہے، جیسے کوئی روزی کی خاطر کسی شخص پر محتاجی کی کیفیت کے ساتھ اعتماد کرے۔	وکیل بنانا: ایسا کہنا کہ (میں نے فلاں پر توکل کیا) یا (میں نے اللہ پر پھر فلاں پر توکل کیا) درست نہیں ہے،، بلکہ ایسا کہے: (میں نے فلاں کو اپنا وکیل بنایا یعنی جو معاملہ آدمی خود انجام دے سکتا ہو، اسے دوسرے کے سپرد کر دے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو اپنے عام اور خاص امور کا وکیل بنایا ہے اور اپنے معاملات کی انجام دہی کے لئے انہیں وکیل (نائب) مقرر کیا

دوسری اور تیسری دلیل:

[۲]ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝٢ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴾.(پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔

[۳] ایک جگہ اور اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (اے نبی (ﷺ) آپ کے لیے صرف اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کے لیے جو آپ کی پیروی کر رہے ہیں)۔

- ان صفات سے متصف نہیں ہونے کے باوجود بھی انسان مومن ہوتا ہے،(لیکن ایسی صورت میں اس کا ایمان ناقص ہوتا ہے)۔
- ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴾: (اے نبی ﷺ) آپ کے لیے اللہ ہی کافی ہے، اور آپ کی پیروی کرنے والے مومنوں کے لیے بھی اللہ ہی کافی ہے، لہٰذا آپ اور آپ کی پیروی کرنے والے سبھی اللہ پر ہی توکل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس کے بعد کی پانچ آیتوں میں ایمان کامل کے پانچ اوصاف بیان کیے ہیں:

﴿إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾	یعنی: آیتوں کے اللہ کی تعظیم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں، لہٰذا ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو مومن کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو۔
﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا﴾	یعنی: تصدیق اور تلاوت کی سماعت کرتے ہوئے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کبھی کبھی اپنی قراءت کے مقابلے دوسروں کی قراءت سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔
﴿وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾	یعنی: وہ صرف اللہ پر اعتماد کرتے ہیں نہ کہ غیر اللہ پر، اس کے باوجود وہ لوگ اسباب اختیار کرتے ہیں، اور یہی موضع شاہد ہے۔
﴿ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ﴾	یعنی: نماز کو کامل اور مستقیم طریقے پر ادا کرتے ہیں، اور صلاۃ (نماز) اسم جنس ہے جو فرائض و نوافل سبھی کو شامل ہے۔
﴿وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ﴾	یہ تعریف پورا خرچ کرنے والے اور کم خرچ کرنے والے دونوں کے لیے ہے، جو پورا خرچ کرے وہ اس تعریف میں اسی وقت شامل ہو سکتا ہے جبکہ اس کا توکل اللہ پر ہو۔

چوتھی دلیل:

ارشاد عالی ہے: ﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ﴾ (اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ اسے کافی ہوگا)

- یعنی اس کے اہم امور کے لیے اللہ کافی ہو گا اور اس کے معاملہ کو آسان کر دے گا، گرچہ اسے کچھ تکلیفیں کیوں نہ پہنچیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو گا، نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سید المتوکلین تھے اس کے باوجود آپ کو تکلیفیں پہنچیں لیکن آپ کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچا۔
- اور آیت کا مفہوم (مخالف) یہ بھی ہے کہ جو غیر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے شرمندگی اٹھاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

پانچویں دلیل:

عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ: «حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ؛ قَالَهَا إِبْرَاهِيمُ ﷺ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَقَالَهَا مُحَمَّدٌ ﷺ حِينَ قَالُوا: ﴿إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدۡ جَمَعُواْ لَكُمۡ فَٱخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ إِيمَٰنٗا وَقَالُواْ حَسۡبُنَا ٱللَّهُ وَنِعۡمَ ٱلۡوَكِيلُ﴾»، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا: (اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے)، اور اسی طرح جب لوگوں نے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یہ کہا کہ (کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے)۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

یہ قصہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہے، کہ ابوسفیان جب احد سے واپس ہوا تو اس نے اپنے گمان کے مطابق یہ سوچا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ان کے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم پر پلٹ کر وار کر کے ان کا قصہ تمام کر دے گا، راستے میں چند سواروں سے اس کی ملاقات ہوئی تو ان سے کہا: تم لوگ کہاں جارہے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ: ہم مدینہ جارہے ہیں، تو اس نے ان سواروں سے کہا: محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اور ان کے صحابہ کو یہ بات پہنچا دو کہ ہم ان کی طرف پلٹ کر آرہے ہیں تاکہ ان کا قصہ تمام کر دیں، جب یہ سوار مدینہ پہنچے تو لوگوں کو اس کے بارے میں خبر دیے، یہ سن کر نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ان کے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم نے کہا: ﴿حَسۡبُنَا ٱللَّهُ وَنِعۡمَ ٱلۡوَكِيلُ﴾ (ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے) مسلمان تقریباً ستر (۷۰) کی تعداد میں نکلے یہاں تک کہ حمراء اسد پہنچے، پھر ابوسفیان اپنی رائے سے پلٹ گیا اور مکہ لوٹ گیا۔ یہ اللہ کا اپنے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور مومنوں کے لیے کافی ہونا ہے جب انہوں نے اللہ پر اعتماد اور توکل کیا۔

ضروری وضاحت:

یہ بات علمائے مصطلح کے نزدیک مشہور ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اسرائیلیات نقل کرتے ہیں، جبکہ یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہیں جو بنی اسرائیل سے نقل کرنے سے منع کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل سے مروی اخبار (اسرائیلیات) کی ہم تصدیق کریں یا تکذیب؟

١. اگر ہماری شریعت میں آیا ہو کہ یہ سچ ہے تو ہم اس کی تصدیق کریں گے۔
٢. اگر ہماری شریعت میں آیا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو ہم اس کی تکذیب کریں گے۔
٣. اگر ہماری شریعت میں اس کے تعلق سے تصدیق و تکذیب وارد نہ ہوئی ہوں تو ہم توقف اختیار کریں گے۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنا دینی فریضہ ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایمان کو معلق قرار دیا ہے)۔

دوسرا: توکل ایمان کی شرطوں میں سے ہے۔

تیسرا: سورۂ انفال کی آیت (﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ ﴾) کی تفسیر۔

چوتھا: آیت کا آخری کلمہ (﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ ﴾) کی تفسیر۔

پانچواں: سورۂ طلاق کی آیت (﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ﴾) کی تفسیر۔

چھٹا: اس سے کلمہ ﴿حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴾ کی عظمت و فضیلت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے دو خلیلوں حضرت ابرہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید مشکل اور پریشانی کے وقت یہ کلمہ پڑھا تھا۔

(اس باب سے جو چیزیں ثابت ہوتی ہیں وہ یہ ہیں: ایمان میں زیادتی ہونا، شدائد و مصائب کے وقت انسان کو چاہیے کہ اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ پر ہی توکل کرے، اور یہ کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا بندوں کے لیے اللہ کے کافی ہونے کا سبب ہے۔

[۳۴] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿أَفَأَمِنُوا۟ مَكْرَ ٱللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْخَـٰسِرُونَ﴾ (کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہیں، اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو گھاٹا اٹھانے والے ہوں) **کا باب۔**

- یہ باب مشتمل ہے: اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو جانے اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جانے کے بیان پر، یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، مؤلف رحمہ اللہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ خوف اور رجاء کے مابین رہے، آیت سے ماخوذ فوائد:

۱. اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی نعمتوں پر بندے کو ڈر کا احساس اور استدراج (مہلت، ڈھیل) ہونے کا امکان۔

۲. اللہ کی خفیہ تدبیر سے خود کو مامون سمجھنے کی حرمت۔

دوسری دلیل:

ارشاد الٰہی ہے: ﴿قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِۦٓ إِلَّا ٱلضَّآلُّونَ﴾ (اور گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں)۔

- آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے وہی مایوس ہوتا ہے جو ہدایت سے محروم ہو اور یونہی بھٹک رہا ہو جسے معلوم ہی نہ ہو کہ اللہ کے لیے کیا واجب ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ انتہائی قریب ہے، اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا جائز نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ سے سوئے ظن رکھنے کے مترادف ہے، کیونکہ:

۱. یہ اللہ کی قدرت میں طعن کرنا ہے کیونکہ جو یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ کوئی بھی چیز اللہ کے لیے ناممکن نہیں سمجھے گا۔

۲. یہ اللہ کی رحمت میں طعن کرنا ہے کیونکہ جو یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ رحیم ہے، وہ اس کو ناممکن نہیں سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

- دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ عبادت الٰہی کے سلسلے میں یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف اور اس کی رحمت کی امید رکھی جائے جو کہ شرعاً واجب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوفی اور رحمت سے ناامیدی سراسر ضلالت و گمراہی اور توحید میں نقص کا سبب ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل:

[۳] حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کی بابت دریافت کیا گیا کہ (وہ کون کون سے ہیں؟) تو آپ نے فرمایا: «الشِّرْكُ بِالله، وَالْيَأْسُ مِنْ رَوْحِ الله، وَالأَمْنُ مِنْ مَكْرِ الله» **"اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا، اور اللہ کی تدبیر اور گرفت سے بے خوف ہو جانا"۔**

[۴] اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: الإِشْرَاكُ بِالله، وَالأَمْنُ مِنْ مَكْرِ الله، وَالْقُنُوطُ مِنْ رَحْمَةِ الله، وَالْيَأْسُ مِنْ رَوْحِ الله» "سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو جانا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے مایوس ہو جانا"۔ اس کو عبد الرزاق نے روایت کیا ہے۔

- «الشِّرْكُ بِالله»: اس سے مراد شرک اکبر اور شرک اصغر ہے، اور شرک اصغر بھی دیگر کبیرہ گناہوں سے بڑا ہے۔
- «وَالأَمْنُ مِنْ مَكْرِ الله»: نعمتوں کے حصول کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہے۔
- «وَالْقُنُوطُ مِنْ رَحْمَةِ الله»: اللہ کی رحمت اور حصول مطلوب کو بعید از امکان سمجھے۔
- «وَالْيَأْسُ مِنْ رَوْحِ الله»: مکروہ اور ناپسندیدہ شئے کے زائل ہو جانے کو دور سمجھے۔

خلاصہ:

اللہ کی راہ کے راہی کو دو چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اسے اپنے رب سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں، وہ ہیں: اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو جانا اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جانا، جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے یا مرغوب شئے حاصل نہیں ہو پاتی تو اگر اس کا رب اس کا تدارک نہیں کر دیتا تو اس کے اوپر مایوسی اور ناامیدی طاری ہو جاتی ہے وہ کشادگی اور غم کے بادل چھٹنے کو بعید سمجھنے لگتا ہے اور اس کے اسباب کے لیے کوششیں نہیں کرتا۔ جہاں تک اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہونے کی بات ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان نعمتوں کی کثرت کے باوجود معاصی میں ڈوبا رہتا ہے اور اس خام خیالی میں مبتلا رہتا ہے کہ چونکہ وہ حق پر ہے اسی لیے اسے یہ نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، ایسی صورتحال میں کوئی شک نہیں کہ یہ استدراج (اللہ کی طرف سے ڈھیل) ہے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ اعراف کی آیت (﴿ أَفَأَمِنُواْ مَكْرَ ٱللَّهِۚ ﴾) کی تفسیر۔

دوسرا: سورۂ حجر کی آیت (﴿ قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِۦٓ إِلَّا ٱلضَّآلُّونَ ﴾) کی تفسیر۔

تیسرا: اللہ کی تدبیر سے بے خوف رہنے پر شدید وعید وارد ہے (کہ وہ گناہ کبیرہ ہے)۔

چوتھا: اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے پر بھی شدید وعید وارد ہے۔

[۳۵] اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا ایمان باللہ کا حصہ ہے

صبر کی تین قسمیں ہیں:

تقدیر میں لکھی ہوئی پریشانیوں پر صبر کرنا یہاں تک کہ راضی برضا ہو جائے: جیسے قریبی لوگوں کی موت پر صبر کرنا۔	گناہ کے کاموں سے صبر کرنا، یہاں تک کہ اجتناب کر لیا جائے: جیسے شرک اور تمام حرام کاموں سے پرہیز کرنا۔	نیک کاموں پر صبر کرنا، یہاں تک کہ انہیں انجام دے دیا جائے: یہ اوامر پر صبر کرنا ہے، جیسے نماز اور روزہ۔

نیک کاموں پر صبر کرنے کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق کسی چیز کو لازمی طور پر کرنے سے ہے، پھر گناہ کے کاموں سے صبر کو ذکر کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق رک جانے سے ہے، جہاں تک تقدیر پر صبر کرنے کا تعلق ہے تو یہ بندے کے بس سے باہر کا معاملہ ہے، بسا اوقات جس (بندے) سے یہ چیزیں متعلق ہوتی ہیں اس اعتبار سے انسان کے لیے گناہ کے کاموں سے صبر کرنا نیک کاموں پر صبر کرنے کے مقابلے میں زیادہ شاق ہوتا ہے۔

مصیبت وپریشانی کے وقت لوگوں کے چار حالات ہوتے ہیں:

شکر ادا کرنے والے (یہ سب سے اعلی مرتبہ ہے): ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ گناہوں کو مٹانے اور ایمان اور نیکیوں میں اضافے کا سبب ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ مصائب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور آخرت کا عذاب، دنیا کے عذاب سے بہت بڑا ہے۔	راضی رہنے والے (یہ مستحب ہے): اپنے رب سے مکمل طور پر راضی رہنے کی وجہ سے، ایسے لوگوں کے نزدیک نعمت اور مصیبت برابر ہوتی ہیں، وہ انہیں اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ ان کے رب کا فیصلہ ہے۔	صبر کرنے والے (یہ بالاجماع واجب ہے): دل، زبان اور اعضاء وجوارح سے، یہ ان کے لیے مشکل اور ناپسندیدہ ضرور ہوتا ہے مگر پھر بھی صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔	ناراض ہونے والے (ان کا یہ عمل کبیرہ گناہ ہے اور بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے): دل سے (ناراض ہوتے ہیں) زبان سے (ہذیان بکتے اور بربادی وہلاکت کی دعا کرتے ہیں) اور اعضاء وجوارح سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے (اپنا رخسار پیٹتے، گریبان چاک کرتے، اور بالوں کو نوچتے ہیں)۔

پہلی دلیل:

[۱] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمَن يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُۥ﴾، قَالَ عَلْقَمَةُ: (هُوَ الرَّجُلُ تُصِيبُهُ الْـمُصِيبَةُ فَيَعْلَمُ أَنَّهَا مِنْ عِنْدِ الله؛ فَيَرْضَى وَيُسَلِّمُ) (اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے، اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے)، حضرت علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس سے مراد ایسا شخص ہے جسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، چنانچہ وہ اس پر راضی ہو اور دل سے اسے تسلیم کرے"۔

- ﴿يَهْدِ قَلْبَهُۥ﴾: اللہ تعالیٰ اسے اطمینان عطا فرماتا ہے، اور جب دل ہدایت پا جائے تو اعضاء و جوارح بھی ہدایت پا جاتے ہیں۔

دوسری دلیل:

[۲] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْـمَيِّتِ**» "**لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں: (لوگوں کے) حسب نسب پر طعن کرنا، اور فوت شدہ پر نوحہ کرنا**"۔

- «الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ»: یعنی اس میں عیب جوئی کرنا یا اس کا انکار کرنا، یہ کافرانہ عمل ہے۔
- «وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْـمَيِّتِ»: یہی موضع شاہد ہے، کہ نوحہ کرنا ناراضگی کی دلیل ہے۔

تیسری دلیل:

[۳] صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ: «**لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْـخُدُودَ، وَشَقَّ الْـجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْـجَاهِلِيَّةِ**» "**جو شخص (صدمے کے وقت) گالوں پر طمانچہ لگائے، گریبان پھاڑے اور جہالت کے بول بولے، وہ ہم میں سے نہیں**"۔

چوتھی دلیل:

[۴] اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ؛ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ؛ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خیر خواہی کرنا چاہے تو اسے اس کے گناہوں کی سزا اسی دنیا میں جلد دے دیتا ہے، اور جب اللہ اپنے بندے سے برائی کا ارادہ کرے تو اس سے اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کو اس کا پورا پورا حساب لے گا''۔

- «بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ»: ہر وہ چیز جس کا سرا جاہلیت سے جاملتا ہو، جیسے گھروں کو منہدم کر دینا، برتنوں کو توڑ ڈالنا، کھانا خراب کر دینا، یا اس جیسی چیزیں انجام دینا، جیسا کہ بعض لوگ مصیبت کے وقت کرتے ہیں۔
- «إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدِهِ»: شر بذات خود اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ» ''شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہے''، اللہ تعالیٰ کسی حکمت کے تحت اس (شر) کا ارادہ فرماتا ہے، ایسی صورت میں وہ شر بھی حکمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خیر ہی ہوتا ہے۔
- حدیث کا مقصود مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور ڈھارس بندھانا ہے تاکہ وہ جزع فزع نہ کرے ممکن ہے کہ یہ اس کے لیے خیر کا باعث ہو، اور یاد رہے کہ ہر حال میں دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں ہلکا ہے، لہذا اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے کہ اس نے اس سزا کو آخرت کے لیے اٹھا کر نہیں رکھا۔

پانچویں دلیل:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ؛ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ» ''بڑی آزمائش میں بڑا بدلا ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماتا ہے، جو شخص (اس آزمائش پر) راضی ہو، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے، تو جو شخص (اس آزمائش پر) ناخوش ہو، اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش اور ناراض ہو جاتا ہے''۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

- حدیث سے مستنبط فوائد:

١. مصیبت و آزمائش جتنی بڑی ہوگی اور انسان اس پر صبر کرے تو جزا بھی اتنی ہی بڑی ہوگی۔
٢. اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے شرعی اور کونی طور پر مقدر کی ہوئی تقدیر کے ذریعے آزماتا ہے۔
٣. اللہ تعالیٰ کے لیے بغیر کسی تمثیل و تکییف کے صفت محبت، صفت سخط اور صفت رضا کو ثابت کرنا۔

مسائل:

پہلا: سورۂ تغابن کی آیت (﴿وَمَن يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُۥ﴾) کی تفسیر۔

دوسرا: (اللہ کے فیصلوں یعنی تقدیر پر صبر کرنا بھی) ایمان باللہ کا حصہ ہے۔

تیسرا: کسی کے حسب نسب پر طعن کرنا (اس میں عیب لگانا یا اس کا انکار کرنا کفر اصغر ہے)۔

چوتھا: چہرے پر دوہتڑ مارنے، گریبان چاک کرنے اور جہالت کے بول بولنے والے شخص کے بارے میں سخت وعید وارد ہے (کیونکہ نبی ﷺ نے ایسا کرنے والے سے براءت کا اظہار فرمایا ہے)۔

پانچواں: اس بات کی علامت کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے (ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ جلدی کرتے ہوئے دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے)۔

چھٹا: اور جس کو عذاب و سزا دینا چاہے، اس کی علامت و پہچان بھی بتائی گئی ہے (کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی سزا کو آخرت کے لیے مؤخر کر دیتا ہے)۔

ساتواں: جس بندے سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہو اس کی نشانی (یعنی اس کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے)۔

آٹھواں: اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور تقدیر پر ناخوشی کا اظہار حرام ہے (یعنی ان چیزوں پر جن کے ذریعہ بندے کی آزمائش ہوتی ہے)۔

نواں: آزمائشوں پر راضی ہونے کا اجر و ثواب (یعنی اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے راضی ہو جاتا ہے)۔

[٣٦] ریاکاری کی مذمت

ایک سے تین تک دلائل:

[۱] ﴿قُلۡ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٞ مِّثۡلُكُمۡ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمۡ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ فَمَن كَانَ يَرۡجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلٗا صَٰلِحٗا وَلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدَۢا﴾ الآیَۃ. (آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں، (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے)۔

[۲] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ مَعِي فِيهِ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ» ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمام شرکاء سے بڑھ کر شرک سے مستغنی ہوں، جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ میرے غیر کو بھی شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں“۔ مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

[۳] اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ؟» قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «الشِّرْكُ الْخَفِيُّ؛ يَقُومُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ؛ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ» ”کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے زیادہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! (ضرور بتلائیے) آپ نے فرمایا: شرک خفی (وہ اس طرح کہ) کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو محض اس لیے اچھی پڑھے کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے“۔ امام احمد نے اسے روایت کیا ہے۔

- ﴿قُلۡ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٞ﴾: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات کی خبر دیں کہ وہ ان جیسے ہی ایک انسان ہیں، اور اس کی مزید تاکید اس قول کے ذریعے کی:
- ﴿مِّثۡلُكُمۡ﴾، یعنی تم جیسا ہی الا یہ کہ ان کی جانب وحی کی جاتی ہے لہٰذا ان کی اطاعت واجب ہے، لیکن ان کی عبادت کرنا حرام ہے۔

- ﴿لِقَآءَ رَبِّهِۦ﴾: رضامندی اور نعمتوں والی ملاقات صرف مومنوں کے ساتھ خاص ہے، اور اسی میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی شامل ہے۔
- ﴿عَمَلًا صَٰلِحًا﴾: خالص و درست عمل (اخلاص اور اتباع سنت پر مبنی)۔
- «أَنَا أَغْنَى» اس کے دو معنی ہیں:

۱. ایسا عمل باطل ہے جس میں ریاکاری کی آمیزش ہو، اور ریاکاری حرام فعل اور شرک اصغر ہے۔
۲. اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور اس کے حق کی عظمت کا بیان کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائے۔

- «الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ»: وہ داہنی آنکھ اور ابرو سے محروم بدنما شخص ہوگا، یہ انسانوں میں سے ہی ایک جھوٹا اور مکار شخص ہوگا۔

نبی ﷺ اپنی امت پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ریاکاری کا خوف کیوں کھاتے تھے؟

۱. کیونکہ دجال کا فتنہ ظاہر ہوگا جبکہ ریاکاری کا فتنہ پوشیدہ ہوتا ہے، اور ریاکاری سے خود کو بچانا بڑا مشکل کام ہے۔
۲. کیونکہ دجال کا فتنہ آخری زمانے کے ساتھ خاص ہے جبکہ ریاکاری کا فتنہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔

شرک کی دو قسمیں ہیں:

۱. **خفی**: جس کا تعلق قلب سے ہو جیسے ریاکاری، اور اس کو شرک السرائر (چھپا ہوا شرک) بھی کہتے ہیں۔
۲. **جلی**: جس کا تعلق قول سے ہو جیسے غیر اللہ کی قسم کھانا، یا فعل سے ہو جیسے غیر اللہ کے سامنے جھکنا۔

ریا کہتے ہیں: کوئی عمل اس لیے کرے کہ دوسروں کو دکھائے یا سنائے، یہ منافقوں کا کردار ہے۔

اصل عبادت میں ہو:
عبادت کو باطل کر دیتا ہے۔

طاری اور وقتی ہو:
اس میں تفصیل ہے:

عبادت سے فراغت کے بعد ہو:
یہ عبادت پر کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتا ہے الا یہ کہ اس میں سرکشی بھی شامل ہو جیسے صدقہ دینے کے بعد تکلیف دینا اور احسان جتلانا۔

ایسا شخص اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے:
ایسا کرنا اس پر واجب ہے، اور اس کی عبادت صحیح ہے۔

اسی میں لگا رہے:
اس میں تفصیل ہے۔

عبادت کے شروع حصے کا تعلق آخری حصے سے ہو:
جیسے نماز، ایسی صورت میں پوری عبادت باطل ہوگی۔

عبادت کے شروع کا حصہ آخری حصے سے الگ ہو:
جیسے زکوۃ، ایسی صورت میں وہ حصہ باطل ہوگا جس میں ریاکاری کی آمیزش ہوگی۔

ریاکاری کا کیا علاج ہے؟

۱. اللہ کی تعظیم، توحید کی تعلیم اور اس کی عملی تطبیق، کیونکہ انسان اگر اللہ کی تعظیم کماحقہ کرنے لگ جائے تو پھر وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

۲. ریاکاری کے خوف سے عمل ترک نہیں کرنا، کیونکہ شیطان یا تو آپ کو ریاکاری میں ڈالنا چاہے گا یا پھر غیر اللہ سے ڈرائے گا۔

۳. دعا کا اہتمام کرنا۔

۴. ریاکاری میں پڑ جانے کے خوف سے اعمال کو پوشیدہ رکھنا۔

۵. اسلامی آداب اور شرعی طریقے کا خیال رکھتے ہوئے قبرستانوں کی زیارت کرنا کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے، اور ریاکاری کا تعلق دنیا سے ہے۔

(اور مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی ہے تو پھر اسے دکھا کر کیا فائدہ؟)

مسائل:

پہلا: سورۂ کہف کی آیت (﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾) کی تفسیر۔

دوسرا: عمل صالح میں اگر غیر اللہ کا معمولی سا بھی دخل ہو جائے تو وہ مردود اور ضائع ہو جاتا ہے۔

تیسرا: کسی عمل میں اگر غیر اللہ کو شریک کیا جائے تو اس کے ضائع ہونے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالکل مستغنی ہے۔

چوتھا: اس عمل کے ضائع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے والے تمام شرکاء سے افضل واعلیٰ ہے۔

پانچواں: نبی ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ریاکاری کا خدشہ تھا۔ (ان کے بعد والے لوگوں پر تو یہ خدشہ بدرجہ اولیٰ ہوگا)۔

چھٹا: نبی اکرم ﷺ نے ریا کی تعریف یہ بیان فرمائی کہ کوئی آدمی نماز جیسے عمل کو اللہ کے لیے ادا کرتے ہوئے عمدہ طور پر اس لیے ادا کرے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے (اسی طرح قول میں تصنع کرنا بھی ہے)۔

[۳۷]انسان کا اپنے عمل سے دنیا چاہنا ایک طرح کا شرک ہے

- یہ باب ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی عبادت پر کسی کی تعریف نہیں چاہتے یا ریاکاری نہیں کرتے بلکہ وہ خالص اللہ کی ہی عبادت کرتے ہیں، لیکن اس عبادت کے بدلے میں وہ دنیاوی فائدہ چاہتے ہیں، جیسے مال و دولت، منصب و مرتبہ اور صحت و تندرستی وغیرہ، تو ایسا آدمی آخرت کے ثواب سے غافل ہو کر دنیا کمانے کی غرض سے عبادت کرتا ہے تو یہ ایک طرح کا شرک ہے۔
- اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان نماز میں دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے مال طلب کرے، لیکن اسی مقصد کی خاطر نماز نہ پڑھے، یہ بڑی ہی گھٹیا بات ہے کہ انسان اپنی عبادت کے ذریعے آخرت کے بجائے دنیا کا طلبگار ہو۔
- تنبیہ: کچھ لوگ جب عبادات کے فوائد کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں تو اسے دنیاوی فوائد سے جوڑ دیتے ہیں، جبکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم دنیاوی فوائد کو ہی اصل نہ مان لیں، بلکہ دینی فائدوں کو مقدم رکھتے ہوئے ان کا اصالۃ ذکر کریں پھر دنیوی فوائد کا ضمناً ذکر کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔
- یہ باب ریا والے باب سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ ریا ممکن ہے ایک نماز میں طاری ہو، جبکہ آخرت کے عمل کے ذریعے دنیا چاہنا ایسا عمل ہے جس کا خطرہ تمام عبادتوں پر منڈلاتا رہتا ہے۔

اس باب کے تعلق سے لوگوں کی پانچ اقسام ہیں:

دنیاوی عمل کے ذریعے دنیا چاہنا:	جائز ہے، جیسے کوئی گھر خریدنے کی غرض سے تجارت کرے۔
دنیاوی عمل کے ذریعے آخرت چاہنا:	مستحب ہے، جیسے کوئی صدقہ کرنے کی نیت سے زراعت کرے۔
آخرت کے عمل کے ذریعے آخرت چاہنا:	کیا ہی خوب ہے ایسا آدمی، یہ سب سے اعلی مرتبہ ہے۔
آخرت کے عمل کے ذریعے دنیا و آخرت چاہنا:	اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ آخرت کا پہلو غالب رہے: ﴿رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةً﴾ (اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما)۔
آخرت کے عمل کے ذریعے دنیا چاہنا:	شرک اصغر ہے، جیسے کوئی مال ہی کمانے کی غرض سے لوگوں کو نماز پڑھائے۔

- **کیسے پہچانا جائے گا کہ مقصود دنیا کمانا ہے یا آخرت؟**«إِنْ أُعْطِي رَضِيَ، وإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ» (اگر اس کو دیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے، اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے)۔
- **تنبیہ:** بعض لوگ امتحانات کے زمانے میں بڑی خلوص و دلجمعی کے ساتھ عبادت کرتے ہیں اور جب نتیجہ نکل جاتا ہے تو عبادت کرنا ترک کر دیتے ہیں، جو کہ توحید میں خلل اور دنیا طلبی کی دلیل ہے۔

پہلی دلیل:

[ا] ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَٰلَهُمْ فِيهَا﴾ الآيَتَيْنِ. ارشاد الٰہی ہے: (جو لوگ اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائی کے طالب ہیں، ان کے اعمال کا سارا بدلہ ہم انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں)۔

یہ سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) کی آیت سے خاص ہے: ﴿مَّن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُۥ جَهَنَّمَ يَصْلَىٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا﴾ (جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہو اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہیں سردست دیتے ہیں بالآخر اس کے لیے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ بُرے حالوں دھتکارا ہوا داخل ہوگا)، لہٰذا معاملہ اللہ کی مشیئت کے تحت ہے کہ وہ کسے اور کتنا دینا چاہتا ہے۔

دوسری دلیل:

صحیح (بخاری) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ، تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ، تَعِسَ عَبْدُ الْـخَمِيصَةِ، تَعِسَ عَبْدُ الْـخَمِيلَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ، طُوبَى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَشْعَثَ رَأْسُهُ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ، وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ» ”درہم ودینار (روپے پیسے) کا بندہ ہلاک ہوا، اور چادر کمبل کا بندہ ہلاک ہوا، اگر اسے یہ چیزیں مل جائیں تو خوش اور نہ ملیں تو ناخوش اور ناراض ہو جاتا ہے، یہ برباد اور سرنگوں ہو، اگر اسے کانٹا چبھے تو نکال نہ سکے۔ اور اس بندے کے لیے خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے، اس کا سر (بال) پراگندہ اور پاؤں گرد آلود ہیں، اگر اسے پہرہ پر لگا دیا جاتا ہے تو وہ پہرہ دیتا ہے، اور اگر اسے فوج کے پیچھے رکھا جاتا ہے تو وہ پیچھے ہی رہتا ہے، اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ ملے اور اگر وہ (کسی کی) سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے“۔

- «تَعِسَ»: خائب وخاسر ہوا «عَبْدُ الدِّينَارِ»: دینار یعنی نقد سونا، اس کو عبد الدینار اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے اس کا تعلق بالکل ویسے ہی ہوتا ہے جیسے بندے کا رب کے ساتھ کہ اس کا ہم وغم صرف یہی درہم ودینار کمانا ہوتا ہے اور اسے رب کی بندگی پر فوقیت دیتا ہے۔
- «الدِّرْهَمِ»: درہم یعنی نقد چاندی۔
- «عَبْدُ الْـخَمِيصَةِ»، «عَبْدُ الْـخَمِيلَةِ»: جو ظاہری چیزوں اور اثاثے کی فکر میں ہی لگا رہے۔
- «إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ»: اس کا راضی اور ناراض ہونا صرف مال کی خاطر ہوتا ہے، اسی لیے اسے اس کا بندہ کہا گیا ہے۔
- «وَانْتَكَسَ»: معاملہ اس کی چاہت کے برخلاف ہوتا ہے اور جو چاہتا ہے میسر نہیں آتا۔
- «وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ»: جب اسے کوئی کانٹا چبھ جائے وہ اسے نکالنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتا۔
- یہ تینوں جملے یا تو من باب الخبر ہیں یا پھر اس کے اوپر بد دعا۔

- «طُوبَى» (خوشخبری ہے): ایسے لوگوں کے لیے جن کی حالت بہتر ہو اور دوسرا معنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام 'طوبی' ہے، لیکن پہلے معنی میں زیادہ عموم ہے۔
- «فِي سَبِيلِ الله»: اس کا ضابطہ یہ ہے کہ قتال اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کرے نہ کہ غیرت وحمیت اور دیگر اشیاء کی خاطر۔

«أَشْعَثَ رَأْسُهُ»: اللہ کے راستے میں پڑنے والے غبار کی وجہ سے، اللہ کی طاعت میں اپنے بدن پر پڑنے والے گرد وغبار سے اپنی حالت اور اپنے بدن کی صفائی ستھرائی کا خاص خیال نہیں رکھتا، اس کے پاؤں اللہ کی راہ میں نکلنے کی وجہ سے غبار آلود ہوتے ہیں، اور یاد رہے بلا تکلف اگر اللہ کی عبادت کا اثر جسم پر ظاہر ہو تو بندہ کو اس پر اجر دیا جاتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَخَلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ» **"روزہ دار کے منہ کی بو"**۔

- «السَّاقَةِ»: لشکر کے آخری حصہ میں ہوتا ہے، ان دونوں جملوں کے دو معانی ممکن ہیں اور حدیث دونوں معانی کو محتمل ہے۔

۱. وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اسے کہاں رکھا جا رہا ہے، وہ اعلی عہدہ کا سوال نہیں کرتا، مثلا یہ نہیں کہتا کہ مجھے لشکر کے اگلے حصے میں جگہ دو۔

۲. اگر وہ حراست اور پہرہ داری میں لگا ہوتا ہے تو اپنی ذمہ داری بخوبی نبھاتا ہے، اسی طرح لشکر کے آخری حصے میں رہنے پر بھی اپنا حق ادا کرتا ہے۔

- «إِنِ اسْتَأْذَنَ»: لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی قدر ومنزلت اور جاہ وشہرت نہیں ہوتی (اسی لئے بڑے لوگوں تک اس کی رسائی نہیں ہو پاتی) لیکن اللہ کے نزدیک اس کا اپنا مقام ہوتا ہے۔
- وجہ شاہد یہ ہے کہ کچھ لوگ دنیا کی عبادت کرنے والے (دنیادار) ہوتے ہیں، اسی کی خاطر ناراض ہوتے ہیں (اور راضی بھی)، اور حدیث کی روشنی میں لوگوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

۱. جس کا ہم وغم صرف مال جمع کرنا اور دنیا میں اپنی حالت بہتر بنانا ہو، تو وہ اپنے دل کا اسیر ہو جاتا ہے جو اسے اللہ کے ذکر وعبادت سے غافل کر دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ادنی تکلیف سے چھٹکارا پانے کی صلاحیت بھی اپنے اندر نہیں پاتا۔

٢. جس کا مقصد آخرت ہو، تو اس کے لیے بڑی سے بڑی پریشانیاں جھیلنا حتی کہ جہاد فی سبیل اللہ جیسی پر مشقت عبادت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور وہ سونپی گئی ذمہ داریوں کو بھی بحسن وخوبی انجام دیتا ہے، اور ساتھ ہی لوگوں کو خیر و بھلائی پہنچانے کا خواہاں ہوتا ہے، اور رب کی خوشنودی کا امیدوار اور اللہ کی رضامندی کا طلبگار رہوتا ہے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔

مسائل:

پہلا: انسان کا آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرنا (مذموم ہے)۔

دوسرا: سورۂ ہود کی آیت (﴿ مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا وَزِينَتَهَا ﴾) کی تفسیر۔

تیسرا: (دنیا کے حریص) مسلمان کو (عَبْدَ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْـخَمِيصَةِ) (درہم ودینار اور کپڑوں کا بندہ) کہا گیا ہے۔

چوتھا: درہم ودینار، کپڑا اور قدر ومنزلت کی چاہت رکھنے والے بندے کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ اگر اس کی آرزو اور خواہش پوری ہو جائے تو خوش ورنہ ناخوش۔

پانچواں: نبی ﷺ کے فرمان: «تَعِسَ وَانْتَكَسَ» کی تشریح اور وضاحت۔ (ممکن ہے کہ یہ خبر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بددعا ہو)۔

چھٹا: نبی ﷺ کے فرمان: «وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ» کی تشریح اور وضاحت۔ (ممکن ہے کہ یہ خبر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بددعا ہو)۔

ساتواں: حدیث میں مذکور صفات کے حامل مجاہد کی تعریف (درحقیقت یہی لوگ تعریف کے مستحق ہیں، نہ کہ درہم ودینار اور کپڑا و قدرت ومنزلت کی چاہت رکھنے والے)۔

[۳۸] اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کردہ چیز کو حلال کرنے میں علماء وامراء کی اطاعت ان کو رب کا درجہ دینا ہے

اللہ کی معصیت میں علماء یا امراء کی اطاعت کے حالات:

کفر اکبر ہے

جب ان کی باتوں سے راضی ہو اور انہیں کو مقدم کرتے ہوئے اور اللہ کے حکم سے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے ان کی بات مانے، کیونکہ جس نے بھی اللہ کے نازل کردہ احکام کو ناپسند کیا وہ کفر اکبر کا مرتکب ہے، اور وہ شخص بھی جو یہ اعتقاد رکھے کہ ان کا حکم اللہ کے حکم کے مساوی یا اس سے افضل ہے۔

کفر اصغر اور بڑا خطرناک وسنگین جرم ہے، اور ممکن ہے کہ کفر اکبر میں پڑ جائے

جب یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کا حکم ہی بندوں اور مملکتوں کے لیے سب سے مناسب اور درست ہے اور وہ اس سے راضی بھی ہو، لیکن ذاتی مفاد کے لیے ان کی باتوں کو تسلیم کرے، جیسے مقصود اس سے وظیفہ اور نوکری حاصل کرنا ہو تو یہ کفر اصغر اور سنگین جرم ہے اور خاص کر جب اس کی وجہ سے کسی مسلم کا حق مارا جاتا ہو تو وہ ظالم ہے۔

جہالت کی بنا پر یہ سمجھتے ہوئے ان کی پیروی کرے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، تو اس میں تفصیل ہے

۱- اس کے لیے خود سے حق کی معرفت حاصل کرنا آسان ہو، ایسی صورت میں وہ تقصیر اور کوتاہی کرنے والا گردانا جائے گا اور گناہگار ہوگا۔

۲- نہ تو وہ عالم ہو اور نہ ہی اس کے لیے سیکھنا اور علم حاصل کرنا ممکن ہو اور وہ ان کی پیروی یہ سمجھتے ہوئے کر رہا ہو کہ یہی حق ہے، تو اس پر کوئی حرج نہیں، وہ معذور سمجھا جائے گا۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «يُوشِكُ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ، أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ ﷺ، وَتَقُولُونَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ!» "(تمہارا یہی حال رہا تو) قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سناتا ہوں اور تم (اس کے مدمقابل) حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بات کرتے ہو"۔

[۲] اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: «عَجِبْتُ لِقَوْمٍ عَرَفُوا الإِسْنَادَ وَصِحَّتَهُ؛ يَذْهَبُونَ إِلَى رَأْيِ سُفْيَانَ، وَاللهُ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾، أَتَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ؟ الْفِتْنَةُ الشِّرْكُ؛ لَعَلَّهُ إِذَا رَدَّ بَعْضَ قَوْلِهِ أَنْ يَقَعَ فِي قَلْبِهِ شَيْءٌ مِنَ الزَّيْغِ فَيَهْلِكَ» "مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو حدیث کی سند اور اس کے صحیح ہونے کا علم ہو جانے کے بعد بھی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر عمل کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی فتنہ یا سخت عذاب نہ آ پڑے)"، جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ اس سے مراد شرک ہے، ہو سکتا ہے کہ جب انسان رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اس کے دل میں کجی آ جائے اور وہ ہلاک ہو جائے"۔

- «قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ!»: حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی رائے سے نص کی مخالفت کی ہو۔
- ﴿يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ﴾: یعنی آپ ﷺ کی بات سے بے رغبتی اور بے پروائی دکھاتے ہوئے ان کے حکم سے اعراض کرنا۔

تیسری دلیل:

[۳] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا: ﴿ ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ الآية، قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ، قَالَ: «**أَلَيْسَ يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللهُ فَتُحَرِّمُونَهُ، وَيُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللهُ فَتُحِلُّونَهُ؟**»، فَقُلْتُ: بَلَى، قَالَ: «**فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ**» (ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے)، وہ کہتے ہیں: میں نے آپ سے کہا: ہم ان علماء اور بزرگوں کی عبادت نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں تھا کہ تم اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حرام اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حلال سمجھتے تھے؟ میں نے کہا: ہاں ایسا ہی تھا، تو آپ نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے"۔ اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

- ﴿أَحۡبَارَهُمۡ﴾: بہت زیادہ علم رکھنے والا عالم۔ ﴿وَرُهۡبَٰنَهُمۡ﴾: عابد وزاہد۔
- «إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ»: ہم ان کے لیے رکوع وسجود اور ذبح ونذر نہیں کرتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ یہاں عبادت سے مراد ان کی اطاعت کرنا ہے، یعنی یہ مقید عبودیت ہے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ نور کی آیت ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ﴾ کی تفسیر۔

دوسرا: سورۂ برأت کی آیت ﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا ﴾ کی تفسیر۔

تیسرا: عبادت کے اس معنی ومفہوم کا بیان جس کا انکار حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا(کہ یہاں مقصود ان کی اطاعت کے ذریعے ان کی عبات کرنا ہے)۔

چوتھا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام پیش کرنے پر انکار کیا۔(جس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی کو بھی پیش نہیں کیا جاسکتا)۔

پانچواں: اس میں اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ اب حالات اس حد تک تبدیل ہو چکے ہیں کہ اکثر عوام کے نزدیک بزرگوں کی عبادت ہی افضل ترین عمل کی حیثیت اختیار کرگئی ہے، اور اسے ولایت کا نام دیا جاتا ہے، اسی طرح علم وفقہ کے نام پر اہل علم کی بھی عبادت ہوتی ہے۔ پھر حالات اس قدر بدلے کہ اللہ کے سوا ان لوگوں کی بھی پرستش ہونے لگی جو صالح نہ تھے، اور دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ ان کی بھی عبادت ہونے لگی جو اصحاب علم نہیں بلکہ جاہل مطلق ہیں۔(لہٰذا ہمیں ڈرتے رہنا چاہیے، اور ہم یہ جان لیں کہ اللہ کی شریعت ہی ایسی چیز ہے جس کی حفاظت کرنا اور دیگر چیزوں کی آمیزش سے اسے بچانا ہم پر واجب ہے، اور یہ بھی کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے میں کسی بھی صورت میں کسی کی بھی بات نہیں مانی جائے گی۔

[۳۹] **اللہ تعالیٰ کے فرمان:** ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓاْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴾ الآياتِ (کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے) **کا باب**

- اس باب کا پچھلے باب سے بڑا مضبوط تعلق ہے کیونکہ پچھلے باب میں اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دینے اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دینے میں علماء اور امراء کی اطاعت کرنے والوں کا حکم بیان کیا گیا تھا، جبکہ اس باب میں ان لوگوں کا انکار ہے جو اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے پاس جا کر فیصلہ کروانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
- ﴿أَلَمْ تَرَ﴾: یہ استفهام ہے جس سے مراد ان لوگوں کی حالتوں کو ثابت کرنا اور ان پر تعجب کرنا ہے، اور خطاب یہاں نبی ﷺ سے ہے۔
- ﴿يَزْعُمُونَ﴾: یہ نہیں فرمایا: (الّذين آمنوا) (جو لوگ ایمان لائے) کیونکہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے بلکہ ایسا گمان کرتے تھے، حالانکہ وہ جھوٹے تھے۔
- ﴿وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ﴾: یہ اسم جنس ہے جو انسانی اور جنی دونوں شیطانوں کو شامل ہے۔
- ﴿أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا﴾: انہیں بتدریج حق سے دور کرتے ہوئے بڑی دور کی گہرائی میں ڈال دیتا ہے۔
- ﴿رَأَيْتَ ٱلْمُنَٰفِقِينَ﴾: تین فوائد کی خاطر اضمار (ضمیر) کی جگہ اظہار کا استعمال ہوا ہے:
  ۱. یہ لوگ جو مومن ہونے کا گمان رکھتے تھے در اصل منافقین تھے۔
  ۲. ایسے عمل کا صدور صرف منافقین سے ہی ممکن ہے، کیونکہ مومنین ہر حال میں بنا کسی روک ٹوک کے اطاعت شعاری اختیار کرتے ہیں۔
  ۳. تنبیہ کے لیے، کیونکہ کلام اگر ایک ہی نسق میں ہو تو انسان کبھی کبھی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، لیکن جب سیاق بدل جائے تو انسان متنبہ ہو جاتا ہے۔

- **شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:** اللہ کی صفات میں تحریف اور تاویل کرنے والوں پر یہ آیت بالکل فِٹ آتی ہے، کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: اللہ کی اپنے رسول کی طرف نازل کردہ شریعت کی طرف آؤ، تو اعراض کرنے لگتے ہیں اور منع کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم فلاں اور فلاں کے یہاں جارہے ہیں، اور جب اس پر اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: ہم توفیق اور احسان چاہتے ہیں، اور یہ کہ ہم عقلی اور شرعی دلائل کے مابین جمع و تطبیق کررہے ہیں۔

دوسے چار تک کے دلائل:

[۲] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ قَالُوٓاْ إِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُونَ ﴾ (اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپانہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرتے ہیں)۔

[۳] نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ بَعۡدَ إِصۡلَٰحِهَا ﴾ (اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو)۔

[۴] اور مزید ایک مقام پر ارشاد فرمایا:: ﴿ أَفَحُكۡمَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ يَبۡغُونَۚ ﴾ الآيَة. (تو کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟)۔

- ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ ﴾: زمین میں فساد پھیلانے کی دو قسمیں ہیں:
  ۱. **مادی حسی فساد:** جیسے گھروں کو منہدم کرنا اور راستوں کو خراب کرنا۔
  ۲. **معنوی فساد:** گناہوں کے ذریعے فساد، یہ روئے زمین کے سنگین جرموں میں سے ہے۔
- ﴿إِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُونَ﴾: یہ سب سے باطل اور جھوٹے دعووں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا مقابلہ اس سے بڑی چیز سے کیا ہے، کہ یہ لوگ جو اصلاح کے نام پر زمین میں فساد پھیلا رہے در حقیقت یہی لوگ فسادی ہیں نہ کہ کوئی اور۔
- ﴿بَعۡدَ إِصۡلَٰحِهَا﴾: یعنی مصلحین کی جانب سے اصلاح کر دینے کے بعد، اور اسی کی قبیل سے ہے اہل علم کی دعوت، سلف کی دعوت اور جو شریعت نافذ کرتے ہیں ان کے خلاف کھڑا ہونا۔
- ﴿ أَفَحُكۡمَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ يَبۡغُونَۚ ﴾: استفہام یہاں توبیخ کے لیے ہے، کہ کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے کی تلاش میں ہی نہیں رہتے ہیں؟

جاہلیت کے دو معانی ہیں: پہلا بعثت سے پہلے کا زمانہ، اور دوسرا وہ عمل جو جہالت پر مبنی ہو۔

- ﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا ﴾: اس سے بہتر فیصلہ کسی کا نہیں ہے، یہاں یہ تحدی اور چیلینج کے معنی میں ہے۔

پانچویں دلیل:

[۵] حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ»، **"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی تمام تر خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جس کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں"۔**

نووی نے کہا ہے: "یہ حدیث صحیح ہے، اس کو ہم نے اپنی کتاب (الحجۃ) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے"۔

چھٹی دلیل:

شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا، یہودی جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رشوت نہیں لیتے، اس لیے اس نے کہا ہم یہ معاملہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، لیکن منافق نے کہا کہ ہم یہ معاملہ یہود کے پاس لے چلتے ہیں، وہ جانتا تھا کہ یہودی رشوت لیتے ہیں۔ آخر کار دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ بنو جہینہ کے ایک کاہن سے فیصلہ کرا لیا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ﴾ (کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے)۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا آپس میں اختلاف ہو گیا تھا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پیش کرتے ہیں، دوسرے نے کہا نہیں یہ معاملہ کعب بن اشرف کے پاس لے چلتے ہیں، چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے تو ایک نے سارا قصہ بیان کر دیا، تو جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوا تھا اس سے پوچھا: کیا ایسی ہی بات ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار سے مار کر اسے قتل کر ڈالا۔

- «لَا يُؤْمِنُ» (مومن نہیں ہو گا): یعنی کامل ایمان والا، البتہ اگر شریعت محمدیہ کی طرف بالکل مائل نہ ہو اور اسے سرے سے ناپسند کرے تو اصل ایمان کی نفی ہو گی اور وہ کافر قرار پائے گا۔
- اس حدیث کو اہل علم کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے، بہر صورت اس کا معنی صحیح ہے۔

- «منَ الْـمُنَافِقِينَ»: جو کفر چھپائے رکھے اور اسلام ظاہر کرے۔
- «اَلْيَهُودِ»: یہ وہ لوگ ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف منسوب ہیں، اور انہیں یہود کہا جاتا ہے:
  1. کیونکہ انھوں نے کہا: (إِنَّا هدنا إِليك) (ہم آپ کی طرف پلٹ کر آئے)۔
  2. یا ان کے باپ یہوذا کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔
- «إِلَى مُحَمَّــــدٍ»: آپ کو وصف رسالت سے متصف نہیں کیا، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔
- «الرِّشْوَةَ»: کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے ناجائز نذرانہ پیش کرنے کو کہتے ہیں۔

مسائل:

پہلا: سورۂ نساء کی آیت کی تفسیر اور طاغوت کے معنیٰ کی وضاحت ہے۔ (﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ﴾).

دوسرا: سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُواْ فِى ٱلْأَرْضِ ﴾ کی تفسیر۔ (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ نفاق زمین میں فساد پھیلانے کی ایک شکل ہے کیونکہ یہ آیت منافقین کے ہی سیاق میں ہے، اور فساد ہر طرح کے گناہ کو شامل ہے)۔

تیسرا: سورۂ اعراف: ﴿ وَلَا تُفْسِدُواْ فِى ٱلْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَٰحِهَا ﴾ کی تفسیر۔

چوتھا: سورۂ مائدہ کی آیت ﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ﴾ کی تفسیر۔ (جاہلیت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو شریعت کے مخالف ہو، جاہلیت کی طرف اس کی نسبت اس کی برائی بیان کرنے اور اس سے نفرت دلانے کے واسطے ہے، اور یہ کہ یہ جہالت و گمراہی پر مبنی ہے)۔

پانچواں: پہلی آیت کی تفسیر میں شعبی رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت۔

چھٹا: سچے اور جھوٹے ایمان کی تفسیر۔ (سچا ایمان اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے لیے مکمل اقرار، قبول و تسلیم اور فروتنی کو مستلزم ہے، جبکہ جھوٹا ایمان اس کے برخلاف ہے)۔

ساتواں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منافق کے ساتھ سلوک والے واقعہ کا بیان (یہ واقعہ ضعیف ہے، جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ کے لفظ "قیل" سے بھی ظاہر ہے)۔

آٹھواں: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو اس وقت تک ایمان حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک اس کی تمام تر خواہشات رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

ساتویں قسم سے امتحان (۱۹ ابواب)

پہلا سوال: (☒) کا نشان مناسب جگہ میں لگائیں یا عبارت مکمل کریں:

۱- ساتویں قسم میں پہلے باب کا نام باب المحبۃ ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲- بعض عبادت گزار چند قبروں اور ولیوں کی ایسی تعظیم اور محبت کرتے ہیں جو اللہ کی تعظیم و محبت کے مانند ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۳- اگر کسی کا دل مطلقا نبی صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی محبت سے خالی ہو تو وہ (☐ ناقص الایمان ہے ☐ اصل ایمان سے خالی ہے)۔

۴- اولاد، والدین اور تمام لوگوں کی محبت سے بڑھ کر نبی صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے محبت ہونی چاہیے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵- ایمان کی مٹھاس پانے کے اسباب میں سے ہے، محبت رکھنا: ☐ اللہ کی خاطر ☐ قرابت داری کی خاطر۔

۶- نہی کو محمول کیا جائے گا...........یا.................، یا...........

۷- وعید والی نصوص کے سلسلے میں اہل سنت کا کہنا ہے کہ.. اور کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کا مفہوم نہیں سمجھتے ہیں؟ ☐ ہاں ☐ نہیں۔

۸- جن کا خیال ہے کہ نبی صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بعثت کے بعد بھی یہود و نصاریٰ اللہ کے نزدیک پسندیدہ یا مقبول دین پر ہیں، تو وہ قرآن کی تکذیب کرنے والے اور اسلام سے خارج ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۹- مسلمان کافر کو دھوکا نہیں دیتا بلکہ وہ اس کو نصیحت کرتا ہے اور سمجھاتا ہے کہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے جو حکم دیا تھا اس کے برخلاف وہ ضلالت و گمراہی میں ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۰- اللہ کے دشمنوں سے بغض و دشمنی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان سے وعدہ خلافی کریں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۱- (جب میں کسی عیسائی کو دیکھتا ہوں تو اپنی آنکھیں بھینچ لیتا ہوں، کیونکہ مجھے یہ چیز ناپسند ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے اللہ کے دشمن کو دیکھوں) اس کے قائل ہیں: ☐ امام احمد ☐ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔

۱۲- (جو مومن و متقی ہوگا وہ اللہ کا دوست ہوگا) اس کے قائل ہیں: ☐ ابن تیمیہ ☐ ابن القیّم۔

۱۳- اللہ کی جانب سے بندوں کے لیے عام ولایت مومن، کافر اور تمام مخلوقات کو شامل ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۴- کوئی شخص نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو لیکن اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہو تو وہ اللہ کی ولایت و دوستی نہیں پا سکتا: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۵- مؤلف رَحِمَهُ اللّٰهُ نے محبت کے بعد خوف کا باب بیان کیا ہے کیونکہ توحید انہیں دو چیزوں پر قائم ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۶- اللہ سے ڈرنے کے باب میں لوگ افراط و تفریط کے شکار اور اعتدال رکھنے والے ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۷- مناسب خوف وہ ہے جو صرف اللہ کے حرام کردہ کاموں سے دور کر دے، اگر اس سے زیادہ ہو تو یہ اللہ سے ناامیدی کی طرف لے جاتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۸- ہر وہ شخص جو فواحش و منکرات کو بڑھاوا دیتا ہے، وہ شیطان کے دوستوں میں سے ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۹- جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ساری چیزیں ڈرتی ہیں، اور جو اللہ سے بچتا ہے اس سے ساری چیزیں بچتی ہیں، اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ ساری چیزوں سے ڈرتا ہے: □ صحیح □ غلط۔
۲۰- مساجد کی تعمیر سے مراد، اس کی تعمیر: □ حسی ہے □ معنوی ہے □ مذکورہ سبھی۔
۲۱- اللہ تعالیٰ نے بہت سارے مقامات پر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ فرمانبرداری کرنے پر ابھارتا ہے: □ صحیح □ غلط۔
۲۲- ہم نبی ﷺ سے محبت کیوں کریں؟ ۱-..................... ۲-..................................
۳-.................................. ۴-..
۲۳- نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے محبت ہوگی: ۱-......................... ۲-..........................
۲۴- (أقام الصّلاة) اس سے مراد: □ وجوبی اقامت □ استحبابی اقامت □ مذکورہ سبھی۔
۲۵- توکل آدھا دین ہے: □ صحیح □ غلط، یہ کہنا صحیح ہے: □ میں نے آپ پر توکل کیا □ میں نے آپ کو اپنا وکیل بنایا □ میں نے اللہ پر پھر آپ پر توکل کیا □ پہلے کے سوا سبھی۔
۲۶- توکل کہتے ہیں:..............................، اور اس کی قسمیں ہیں: (□ ۳ □ ۴ □ ۵)۔
۲۷- فوت شدہ یا غائب صالحین پر اعتماد کرنا شرک: □ اکبر ہے □ اصغر ہے۔
۲۸- ایک طرح کی محتاجی کے ساتھ کسی پر رزق اور معاش کے سلسلے میں بھروسہ کرنا: □ صحیح ہے □ شرک اصغر ہے۔
۲۹- رسول ﷺ سید المتوکلین ہیں اس کے باوجود آپ کو (□ پہنچی □ نہیں پہنچی) تکلیف، لیکن کوئی نقصان (□ نہیں لاحق ہوا □ لاحق ہوا) کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی تھا۔
۳۰- کرب وبلاء کے وقت کیا کہا جائے گا؟..
۳۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہیں جو بنی اسرائیل سے روایت (□ لیتے ہیں □ لینے کا انکار کرتے ہیں)۔
۳۲- اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے: □ گمراہ □ جسے ہدایت نہ ملی □ یوں ہی بھٹکتا ہوا جو نہیں جانتا کہ اللہ کے لیے کیا واجب ہے □ مذکورہ سبھی۔
۳۳- اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو جانے کا مطلب (□ خوف □ رجاء) میں خلل پڑنا ہے، اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جانے کا مطلب (□ خوف □ رجاء) میں رخنہ پڑنا ہے۔
۳۴- ذنوب کبائر (□ معدود ہیں □ محدود ہیں)، اور یہ سبھی ایک ہی درجہ میں ہیں: □ صحیح □ غلط۔ اور شرک اصغر ان میں سب سے بڑا ہے: (□ صحیح □ غلط۔)، اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کا حکم: (□ ناقص الایمان مومن ہے □ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن ہے اور گناہ کبیرہ کی وجہ سے کافر ہے: □ مومن ہے □ کافر ہے □ پہلا اور دوسرا)، اور گناہ کبیرہ کے مرتکب سے: (□ محبت رکھی جائے گی □ نفرت کی جائے گی □ اس کے ایمان کے بقدر محبت رکھی جائے گی اور اس کے فسق کے بقدر نفرت کی جائے گی)، کیا گناہ کبیرہ عمل صالح سے معاف ہو جاتا ہے؟ (□ ہاں □ نہیں)، کیا گناہ کبیرہ کے مرتکب کے ساتھ جب وہ اس کا ارتکاب کرے نشست وبرخواست کی جائے گی؟ (□ ہاں □ نہیں)، اور بعض کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا صحیح ہے: (□ ہاں □ نہیں)۔

۳۵- صبر کے اقسام ہیں: ☐ ۳ ☐ ۴ ☐ ۵، بندے سے اللہ کی محبت کی علامت اس کو آزمانا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۳۶- صبر کی سب سے اعلی قسم اللہ کی معصیت سے صبر کرنا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۳۷- باب الصبر یاد کرنے کا ایک فائدہ مصیبت کے وقت مصیبت زدہ پر اس کو پڑھنا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۳۸- کفر کی خصلتوں میں سے دو خصلتوں کا کسی مومن میں پائے جانے کا مطلب ہے کہ وہ کافر ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۳۹- کسی کافر کے اندر ایمان کی خصلتوں میں سے کسی خصلت جیسے حیاء کے پائے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مومن ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۴۰- کلمۂ(کفر) کو نکرہ لانا (☐ دلالت کرتا ہے ☐ دلالت نہیں کرتا ہے) اسلام سے خارج ہو جانے پر۔
۴۱- مصیبت کی حالت میں لوگوں کے مراتب ہیں: ☐ ۵ ☐ ۴ ☐ ۳۔
۴۲- اللہ سے ناراض ہونا کفر تک پہنچا دیتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۴۳- ناراضگی ہوتی ہے: ☐ دل، زبان اور اعضاء وجوارح سے ☐ زبان اور اعضاء وجوارح سے۔
۴۴- کبھی کبھی مصائب کی وجہ سے بندے کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۴۵- اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ کسی حکمت کے تحت فرماتا ہے، اور وہ شر بھی حکمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک ناحیہ سے خیر ہی ہوتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۴۶- قیامت کو قیامت کہتے ہیں: ☐ لوگوں کا اپنی قبروں سے کھڑے ہونے کی وجہ سے ☐ شہادت قائم ہونے کی وجہ سے ☐ عدل قائم ہونے کی وجہ سے ☐ مذکورہ سبھی۔
۴۷- دنیا ہی میں جلدی سے سزا مل جانا آخرت تک بچا کر رکھنے سے بہتر ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۴۸- کانٹا چبھنے کی جزا ہڈی ٹوٹنے کی جزا کے مانند ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۴۹- (اللہ تعالیٰ کی) تمام صفات میں: ☐ اثبات لازم ہے ☐ تمثیل یا تکییف سے بچنا ☐ مذکورہ سبھی۔
۵۰- حسب نسب میں طعن کرنے کا مطلب: ☐ اس میں عیب جوئی کرنا ہے ☐ اس کی نفی کرنا ہے ☐ مذکورہ سبھی۔
۵۱- ریا شرک: ☐ اصغر ہے ☐ اصغر ہے لیکن کبھی اکبر تک پہنچ جاتا ہے، اور ریاکاری کہتے ہیں اس عمل کو جو لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا جائے، لیکن لوگوں کو سنانے کے لیے کیا جانے والا عمل ریاکاری نہیں ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۵۲- ریاکاری کے علاج کا ایک طریقہ موت اور سکرات موت کو یاد کرنا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۵۳- کسی کا اپنی عبادت کے بارے میں لوگوں کو پتہ چل جانے کے بعد خوش ہونا: ☐ ریا ہے ☐ ریا نہیں ہے۔
۵۴- طاعت کے کام انجام دے کر لوگوں کا خوش ہونا: ☐ ریا ہے ☐ ریا نہیں ہے۔
۵۵- کسی آدمی نے اللہ کی خوشنودی کی خاطر صدقہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں اس کی محبت اور تعریف ڈال دی، ایسا شخص: ☐ ریاکار سمجھا جائے گا ☐ مخلص سمجھا جائے گا۔
۵۶- مال میں بڑھوتری کی نیت سے صدقہ کرنا، گویا: ☐ آخرت کے عمل کے ذریعے دنیا طلب کرنا ہے ☐ آخرت کے عمل کے ذریعے آخرت طلب کرنا ہے۔
۵۷- مسلمان کو جب ریاکاری میں پڑنے کا خدشہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ عمل ترک کر دے، ایسا کرنا: ☐ جائز ہے ☐ شرک اصغر ہے۔

۵۸- دینار کا بندہ کہا گیا ہے: ☐ اس کی عبادت کرنے کی وجہ سے ☐ اس کی خاطر راضی اور ناراض ہونے کی وجہ سے جیسے عبادت گزار کا حال ہوتا ہے۔

۵۹- «طُوبَىٰ» یعنی: ☐ اس آدمی کی جو سب سے بہتر حالت ہو سکتی ہے ☐ جنت میں ایک درخت کا نام۔

۶۰- بندے کا اپنے عمل کے ذریعے دنیا طلب کرنا ریاکاری سے زیادہ خطرناک ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶۱- جھگڑنے والے دو فریقین میں سے ایک کا قاضی کو کچھ دینا: ☐ یہ عاملوں کو ہدیہ دینا ہے ☐ یہ رشوت ہے ☐ سبھی۔

۶۲- (لا اِلٰہ اِلَّا اللہ) کے اقرار میں ریاکاری کرنا اور صدقہ میں ریاکاری کرنا دونوں برابر ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶۳- درہم کہتے ہیں، نقد: ☐ سونا کو ☐ چاندی کو۔

۶۴- تعریف کے مستحق دولت مند اور قدر و منزلت والے لوگ ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶۵- جب کسی کو کچھ دیا جائے تو راضی رہے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص صرف دنیا کا ہی طالب ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶۶- علماء ہیں: (☐ الزام اور تنفیذ کا حق رکھنے والے ☐ ارشاد اور رہنمائی کرنے والے) اور امراء دوسرے لوگ ہیں۔

۶۷- حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی رائے کے ذریعے نص کو مخالفت کی ہو: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶۸- اللہ کی معصیت میں علماء وامراء کی طاعت کی اقسام: ۱-.....................اس کا حکم.......

۲-...اس کا حکم..............

۳-...اس کا حکم..............

۶۹- مذہبی تعصب اور اندھی تقلید: ☐ ممدوح ہے ☐ مذموم ہے۔

۷۰- راہب کہتے ہیں: (☐ بہت زیادہ علم رکھنے والے عالم کو ☐ عابد و زاہد کو) اور حَبر دوسرے کو کہتے ہیں۔

۷۱- عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حلال کو حرام قرار دینے سے شروع کیا ہے، کیونکہ یہ حرام کو حلال قرار دینے سے زیادہ سنگین ہے، جبکہ حرام دونوں ہی ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط، اور علماء اور امراء کی اللہ کی شریعت کی (☐ مخالفت میں ☐ موافقت میں ☐ دونوں میں) پیروی کرنا انہیں رب اور معبود بنالینا ہے۔

۷۲- جس نے اللہ کے نازل کردہ کو ناپسند کیا تو وہ کافر ہے اور اس کا کفر: ☐ اکبر ہے ☐ اصغر ہے۔

۷۳- اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھنا، کفر: ☐ کبر ہے ☐ اصغر ہے۔

۷۴- یہ اعتقاد رکھنا کہ غیر اللہ کا حکم اللہ کے حکم کی مانند یا اس سے بھی بہتر ہے، کفر: ☐ اکبر ہے ☐ اصغر ہے۔

۷۵- کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کا حکم سبھی احکام سے عمدہ اور بڑھ کر ہے، لیکن محکوم علیہ کے خلاف کینہ نے اسے اس پر مجبور کیا کہ وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرے تو وہ: ☐ کافر ہے ☐ ظالم ہے ☐ فاسق ہے۔

۷۶- ﴿وَيُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ﴾ یہ اسم جنس ہے جو شامل ہے: ☐ انسانی شیطانوں کو ☐ جنی شیطانوں کو ☐ مذکورہ سبھی۔

۷۷- وہ گمان کرتے ہیں: ☐ مومن ہونے کا جبکہ وہ جھوٹے ہیں ☐ ان کے افعال ان کے اقوال کی تکذیب کرتے ہیں

□ مذکورہ سبھی۔

۷۸- مصیبت: □ شرعی ہوتی ہے □ دنیوی ہوتی ہے □ مذکورہ سبھی۔

۷۹- جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر کے آگے نہ جھکے اور اس میں رخنہ اندازی کرے: □ وہ مومن ہے □ وہ منافق ہے۔

۸۰- زمین میں سب سے بڑا فساد، فساد: □ حسی ہے □ معنوی ہے۔

۸۱- اصلاح کے بعد فساد برپا کرنا، اصلاح سے قبل فساد کرنے کے مقابلے میں زیادہ سنگین اور خطرناک ہے، اور خاص طور سے اس وقت جب مقصد ہی اصلاح کے بعد فساد برپا کرنا ہو: □ صحیح □ غلط.

۸۲- جاہلیت: □ بعثت سے قبل کا زمانہ ہے □ وہ جہالت ہے جس کی بنیاد علم پر نہ ہو □ سبھی۔

۸۳- رشوت حرام ہے گرچہ اسے اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہو اور اس حق کو صرف رشوت کے ذریعہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہو، یا اپنی جانب سے باطل دفع کرنے کی خاطر ہی کیوں نہ رشوت دی جا رہی ہو: □ صحیح □ غلط۔

آٹھویں قسم: توحید اسماء وصفات (ایک باب)
[۴۰] جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کیا

جحود انکار کو کہتے ہیں، اور انکار کی دو قسمیں ہیں:

انکار تکذیب (جھٹلاتے ہوئے انکار کرنا) (یہ بلا شک کفر ہے): جس نے کتاب وسنت سے ثابت شدہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے کسی اسم یا صفت کا انکار کیا تو وہ بالاجماع کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تکذیب کرنا بالاجماع ملت اسلام سے خارج کر دینے والا کفر ہے۔

انکار تاویل (تاویل کرتے ہوئے انکار کرنا): اس کا انکار تو نہیں کرے لیکن اس کی تاویل ایسے معنی کے ذریعے کرے جو اس کے مخالف ہو:

جس کی لغت میں کوئی گنجائش نہ ہو، تو یہ بھی کافر ہے: جیسے کوئی کہے کہ (اللہ کے ہاتھ) ید سے مراد آسمان ہے، تو وہ کافر ہے کیونکہ لغت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، نہ ہی یہ حقیقت شرعیہ کے مطابق ہے، لہٰذا وہ انکار اور تکذیب کرنے والا مانا جائے گا۔

جس کی لغت میں گنجائش ہو، وہ کافر تو نہیں ہے لیکن یہ بڑا خطرناک اور سنگین ہے، اور ہم اس کے اوپر رد کریں گے: جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿بَلۡ يَدَاهُ مَبۡسُوطَتَانِ﴾ (بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) کے بارے میں کہے کہ ید (ہاتھ) سے مراد نعمت ہے، تو وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ "ید" لغت میں "نعمت" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن ہم اس پر رد کریں گے کہ:

۱. یہ ظاہر نص اور اجماع سلف کے خلاف ہے، اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔
۲. ید کے لیے ایسی صفتیں وارد ہوئی ہیں کہ ان صفتوں سے نعمت یا قوت کا متصف ہونا محال ہے، جیسے تثنیہ اور جمع، قبض اور بسط، یہ صفات نعمت یا قوت کی نہیں ہو سکتی ہیں۔
۳. اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر یہ احسان جتلایا کہ انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، تو "ید" اگر قوت یا نعمت کے معنی میں ہو تو پھر تمام مخلوقات پر آدم علیہ السلام کی کوئی خصوصیت ہی نہیں رہ جاتی ہے۔

توحید اسماء وصفات: اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں یا اپنے رسول کی زبانی اپنا جو نام رکھا ہے یا صفت بیان کی ہے اس میں اس کو تنہا ماننا، اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے لئے جو ثابت کیا ہے اس کو ماننا اور جس کی نفی کی ہے اس کا انکار کرنا، وہ بھی بغیر کسی تحریف، تعطیل، تکییف، اور تمثیل کے۔

(من غیر تحریف) کیوں کہا، اور: (من غیر تاویل) کیوں نہیں کہا؟

١. کیونکہ قرآن میں ایسے ہی وارد ہوا ہے، لہذا ہم اس سے عدول نہیں کر سکتے۔
٢. کیونکہ یہ عدل کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ یہ لوگ اہل تحریف ہیں اہل تاویل نہیں۔
٣. لوگوں کو ان سے نفرت دلانے کی خاطر، کیونکہ اہل تحریف کو اگر اہل تاویل کہا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔
٤. ہر تاویل مذموم نہیں ہے، جس پر دلیل موجود ہو وہ صحیح اور مقبول ہے، اور جس پر دلیل موجود نہ ہو وہ فاسد اور قابل رد ہے، جبکہ تحریف کی سبھی قسمیں مذموم ہیں۔

تمثیل کی نفی کیوں کی گئی جبکہ تشبیہ کی نفی نہیں کی گئی؟

١. کیونکہ تمثیل قرآن میں وارد ہوا ہے اور اس کی مطلق نفی کی گئی ہے، بر خلاف تشبیہ کے، کہ قرآن میں اس کی نفی وارد نہیں ہے۔
٢. کیونکہ تشبیہ کی مطلق نفی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہر دو موجود کے مابین قدر مشترک ہونا لازمی ہے جس میں وہ دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں، اور ہر ایک اپنی خصوصیات کی بنا پر دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔
٣. تشبیہ کی دلالت میں بھی اختلاف موجود ہے، بعض لوگوں نے اثبات صفات کو تشبیہ قرار دیا ہے۔

اسم: مشتق ہے، یا تو:

١. سُمُوّ سے، جو ارتفاع اور بلندی کے معنی میں ہے، کیونکہ مُسمّی اپنے نام کے ذریعہ بلند اور ظاہر ہوتا ہے۔
٢. سِمة سے، جو علامت ونشانی کے معنی میں ہے، کیونکہ یہ مُسمّی کے لیے ایک علامت کی طرح ہے۔

اسم اور صفت کے مابین فرق:

- اسم جو بطور نام اللہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اور صفت جس سے اللہ متصف ہے۔

ہم توحید اسماء وصفات کا دراسہ اور مطالعہ کیوں کریں؟

۲۔ تاکہ ہم توحید کو کماحقہ سمجھ سکیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کر سکیں، بلکہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ توحید کی تینوں قسموں میں اللہ کو اکیلا نہ مانے۔

۳۔ کیونکہ اس میں دلوں کی زندگی ہے، اور زندگی کے لیے سب سے عمدہ شئے اور سب سے اشرف علم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

۴۔ یہ جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «**لله تِسعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ**» "**اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جس نے ان کا احصاء (یعنی ان کو شمار اور یاد کیا اور ان کے مقتضی کے مطابق عمل کیا) تو وہ جنت میں داخل ہوگا**"۔

۵۔ کیونکہ یہی وہ اصل اور بنیاد ہے جس پر سلف عمل پیرا تھے۔

۶۔ تاکہ ہم تعطیل اور تمثیل وغیرہ میں نہ پڑ جائیں جیسا کہ گمراہ فرقے اس میں پڑ گئے۔

۷۔ تاکہ ہم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا﴾ (اللہ کے بڑے اچھے اچھے نام ہیں سو ان ناموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو)۔

تحریف: جو اسماء وصفات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں انہیں بدل دینا:

لفظی تحریف	معنوی تحریف
لفظی تحریف: جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ میں لفظ جلالت (اللهُ - حرف "ہا" کے پیش کے ساتھ-) کو (اللهَ - حرف "ہا" کے زبر کے ساتھ-)) سے بدل دینا، اپنے گمان کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کے صفت کلام کا انکار یہ کہتے ہوئے کیا کہ کلام موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے تھا، اور ان کے اوپر رد یوں ہے کہ ان سے پوچھا جائے کہ یہ بتلاؤ تو پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ﴾ سے کیا مراد ہے، وہ لاجواب ہو جائیں گے جو کہ اس کے باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔	معنوی تحریف: جیسے یہ کہنا کہ ید (ہاتھ) سے مراد نعمت ہے۔

تعطیل: اللہ تعالیٰ کے لیے واجب اسماء وصفات کا انکار کرنا

جزئی تعطیل: جیسے اشاعرہ کرتے ہیں کہ بعض صفات ثابت کرتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔

کلی تعطیل: جیسے جہمیہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمام صفات سے عاری قرار دے دیا۔

تکییف: لفظ "کیف (کیسے)" کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کیا جائے:

زبان سے تعبیر کرتے ہوئے: جیسے اپنی زبان کے ذریعہ کسی شئے سے متصف کرے۔

انگلیوں سے تحریر کرتے ہوئے: بایں طور کہ اپنی انگلیوں سے کچھ تحریر کرے۔

خفیہ طور پر دل سے: بایں طور کہ دل سے کسی چیز کا تصور کرے۔

اسم کی دلالتیں:

دلالت مطابقت: جو لفظ کے تمام معنوں پر دلالت کرتی ہو۔

دلالت تضمن: جو لفظ کے بعض معانی پر دلالت کرتی ہو۔

دلالت التزام: جو لفظ کے معانی پر کسی خارجی امر کی وجہ سے دلالت کرتی ہو۔

اس کی مثال: لفظ "خالق" ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی وحدانیت پر دلالت، دلالت مطابقہ ہے، اور صفت خلق پر دلالت، دلالت تضمن ہے، جبکہ علم اور قدرت پر دلالت، دلالت التزام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے: ﴿ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ سَبۡعَ سَمَٰوَٰتٖ وَمِنَ ٱلۡأَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ ٱلۡأَمۡرُ بَيۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىۡءٖ قَدِيرٞ وَأَنَّ ٱللَّهَ قَدۡ أَحَاطَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عِلۡمَۢا ﴾ (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار گھیر رکھا ہے)۔

ہم اسماء وصفات کا دراسہ اور مطالعہ کیسے کریں؟

۱. علم عبادت ہے، لہذا ہمیں بھی اسی نہج پر چلنا چاہیے جس پر رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چلے تھے۔

۲. اس دراسہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، اور اسی لیے جب امام مالک رحمہ اللہ سے اللہ کے استواء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے سر کو جھکا لیا اور ان کی پیشانی پر پسینہ کی بوندیں نظر آنے لگیں (کیونکہ ان سے بڑی عظیم شئے کے متعلق سوال کیا گیا تھا)۔

۳. ہم ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کریں جن کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال نہیں کیا تھا۔

۴. پہلے دلیل تلاش کریں پھر اس دلیل کے مطابق عقیدہ رکھیں، واضح رہے کہ اہل سنت والجماعت کے مخالفین کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ پہلے عقیدہ رکھتے ہیں پھر اس کے لیے دلیلیں تلاش کرتے ہیں اور جب نہیں پاتے ہیں تو ادھر ادھر ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں اور بدعت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۵. امام شافعی رحمہ اللہ کے طریقہ کو تطبیق میں لائیں کہ (آمِنْ تَهْتَدِ) (ایمان لے آؤ ہدایت پا جاؤ گے)، لہذا ہم اللہ پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق ایمان لے آئیں، اور رسول اللہ ﷺ پر اور جو کچھ ان کی طرف سے آیا ہے اس پر رسول اللہ ﷺ کی مراد کے مطابق ایمان لے آئیں۔

اسماء وصفات سے متعلق چند باتیں:

۱. **اللہ تعالیٰ کے اسماء کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں:** اور اس کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: «**أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ**» "**اور جو کچھ تو نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے**"، رہی بات نبی ﷺ کے اس فرمان کی کہ: «**إِنَّ لله تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا**» "**اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں**" تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے صرف یہی اسماء ہیں، جیسے کوئی یہ کہے کہ: میرے پاس سو گھوڑے ہیں جنہیں میں نے صدقہ کی خاطر رکھا ہے، تو یہ حصر کے لیے نہیں ہے، ان کے پاس اور بھی گھوڑے ہیں جو صدقہ کے لیے نہیں ہیں۔

۲. **اللہ تعالیٰ کے اسماء، اعلام بھی ہیں اور اوصاف بھی:** یہ محض اعلام نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرنے کے اعتبار سے اعلام ہیں اور اس اعلام سے متضمن صفات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اوصاف ہیں، ہمارے ناموں کے برخلاف، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کسی کا نام علی (بلند مرتبے والا) ہو حالانکہ وہ نہایت گھٹیا ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفت دونوں لحاظ سے بلند وبالا ہے۔۔

۳. **اللہ تعالیٰ کے اسماء مترادف ومتباین ہیں:** یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرنے کی وجہ سے مترادف ہیں کیونکہ یہ صرف ایک مُسمّی (ذات) پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً السمیع، البصیر، الحکیم، یہ سبھی ایک مُسمّی اللہ پر دلالت کرتے ہیں، لیکن متباین اپنے معنی کے اعتبار سے ہیں کیونکہ الحکیم کا معنی السمیع کے معنی سے مختلف ہے۔

۴. **اللہ تعالیٰ کے اسماء ذات اور معنی دونوں پر دلالت کرتے ہیں:** لہذا ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اسم پر ایمان لائیں اور وہ اسم جس صفت کو متضمن ہے اس پر بھی ایمان لائیں، اور اگر وہ اسم متعدی ہو تو جس اثر اور حکم پر وہ صفت دلالت کرتی ہو اس پر بھی ایمان لائیں، بطور مثال، السمیع ہے: ہم اس پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام سمیع (سننے والا) ہے، اور یہ صفت سمع (سننے کی صلاحیت) پر دلالت کرتا ہے، اور اس سمع کا اپنا حکم اور اثر ہے، یہ کہ وہ اس سے سنتا ہے، لیکن اسم اگر متعدی نہ ہو جیسے العظیم، الحی، الجلیل، تو ہم صرف اسم اور صفت کو ثابت کریں گے، کوئی حکم اس کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔

۵. **صفات کے اندر اسماء کے مقابلہ میں زیادہ وسعت ہے:** کیونکہ ہر اسم صفت کو متضمن ہے، جبکہ ہر صفت اسم کو متضمن نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ صفت کلام اور صفت ارادہ سے تو متصف کیا جائے گا مگر اس کا نام مُتکلّم اور مُرید نہیں رکھا جائے گا۔

۶. ہر وہ صفت جس سے اللہ تعالیٰ نے خود کو متصف کیا، اسے اسی حقیقت پر محمول کیا جائے گا البتہ اسے تمثیل اور تکییف سے منزہ اور پاک سمجھا جائے گا۔

پہلی دلیل:

[۱] ارشاد ربانی ہے: ﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ﴾ الآيَةَ. (اور یہ لوگ رحمان کے منکر ہیں)۔

- کفار قریش اس اسم کا انکار کرتے تھے مُسمّی کا نہیں، کیونکہ وہ اس کا اقرار کرتے تھے۔
- اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی اللہ کے ناموں میں سے کسی نام کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔

دوسری دلیل:

[۲] صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: «حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُرِيدُونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُولُهُ؟!» "لوگوں کو وہی باتیں بتاؤ جنہیں وہ پہچان سکیں (ان کے فہم وشعور کے مطابق ہو)، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جائے؟"

- داعی کے اوپر واجب ہے کہ وہ مدعوین کی عقلوں کا خیال رکھے، اور ہر انسان کو اس کے صحیح مرتبہ میں رکھے، اور لوگوں سے اس انداز میں گفتگو کرے جو ان کی فہم وادراک کے مطابق ہو، وہ اس طرح کہ دھیرے دھیرے دعوت کا کام کرے یہاں تک کہ وہ مطمئن ہو جائیں اور باتوں کو قبول کرنے لگیں، اور انہیں ایسی چیز کی دعوت نہ دے جو ان کی عقول سے بالاتر ہو۔

تیسری دلیل:

عبد الرزاق نے معمر سے، انہوں نے ابن طاؤس سے، انہوں نے اپنے والد طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جسے صفات الٰہی کے بارے میں ایک حدیث سن کر کپکپی آگئی، گویا اسے یہ حدیث اچھی نہیں لگی، تو یہ منظر دیکھ کر ابن عباس نے فرمایا:«مَا فَرَقُ هَؤُلَاءِ؟ يَجِدُونَ رِقَّةً عِنْدَ مُحْكَمِهِ، وَيَهْلِكُونَ عِنْدَ مُتَشَابِهِهِ» انْتَهَى.

”ان لوگوں کا ڈر عجیب ہے کہ اللہ کی محکم آیات سن کر ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور متشابہ آیات سن کر (اور نہ مان کر) ہلاک ہوتے ہیں“۔

- «مَا فَرَقُ»: یعنی جب ان کے اوپر اللہ کی صفات کو ثابت کرنے والی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ ڈرتے کیوں ہیں؟ یہ لوگ اس کو اسی طرح اللہ کے لئے ثابت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ جس طرح سے اللہ نے اپنے لیے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے لیے ثابت کیا ہے۔

قرآن کو متصف کیا جائے گا اس بات کے ساتھ کہ یہ:

- **تمام کا تمام محکم ہے:** اتقان کے معنی میں۔
- **تمام کا تمام متشابہ ہے:** اس معنی میں کہ سبھی اجزا ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔
- **بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ:**
  - **محکم:** جس کا معنی واضح ہو۔
  - **متشابہ:**
    - **نسبی:** قراءت وصل کی بنیاد پر۔
    - **مُطلق:** قراءت وقف کی بنیاد پر۔

١. قرآن پر اس بات کا اطلاق کہ وہ تمام کا تمام محکم ہے، متشابہ کا ذکر کیے بغیر، اس کا مطلب ہو گا کہ: اس میں کوئی خلل نہیں ہے، اس کی دی ہوئی خبریں جھوٹی نہیں ہیں، اس کے احکام میں جَور و ظلم نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقٗا وَعَدۡلٗاۚ﴾ (آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے)۔

٢. قرآن پر اس بات کا اطلاق کہ وہ تمام کا تمام متشابہ ہے، مُحکم کا ذکر کیے بغیر، اس کا مطلب ہو گا کہ: غایت کمال اور غایت حسن کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہے، اور اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں کوئی تناقض نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحۡسَنَ ٱلۡحَدِيثِ كِتَٰبٗا مُّتَشَٰبِهٗا﴾ (اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی ہے)۔

٣. قرآن پر اس بات کا اطلاق کہ اس میں محکم و متشابہ دونوں ہیں، ایسی صورت میں محکم کا مطلب ہو گا کہ جس کا معنی واضح اور بین ہو، اور متشابہ جس کا معنی مخفی ہو اور متشابہ کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور نسبی، اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُۗ﴾ (ان کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا) میں وقف اور وصل کی حالت میں جو صورت بنے گی وہ اسی پر قائم ہو گی:

○ **مُطلق:** جس کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، جیسے صفات کی کیفیت اور جنت میں جو کچھ ہے اس کی حقیقت (اور بعض سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کی حقیقت)۔

○ **نسبی:** جس کو پختہ و مضبوط علم والے جانتے ہیں، جبکہ دوسروں لوگوں کے نزدیک وہ متشابہ ہوتا ہے۔
قرآن میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو معنی کے اعتبار سے تمام لوگوں کے لیے متشابہ ہو، ہاں سمجھنے میں خطا ممکن ہے، اسی لیے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا تھا: (میں ان راسخین میں سے ہوں جنہیں تاویل کا علم دیا گیا ہے) یہ انہوں نے محض اپنی تعریف کی خاطر نہیں کہا تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ قرآن میں ایسی کوئی چیز نہیں جس کا معنی نہ جانا جا سکے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ یہ امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آخر تک قرآن کے معنی کو نہ سمجھے اور وہ صفات والی آیتوں کو بنا سمجھے یوں ہی مجرد قراءت کرتی رہے۔

چوتھی دلیل:

[۴] اور جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رحمان کا ذکر سنا تو انہوں نے اس کا انکار کیا تو اللہ جل جلالہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ﴾ (اور وہ رحمان کا انکار کرتے ہیں)۔

مسائل:

- **پہلا:** اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا کسی صفت کے انکار سے ایمان بالکل چلا جاتا ہے (یعنی ایسا کرنے کی وجہ سے ایمان کی نفی ہوتی ہے)۔
- **دوسرا:** سورۂ رعد کی آیت ﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ﴾ کی تفسیر۔
- **تیسرا:** جس بات کو سمجھنے کی سامع صلاحیت نہ رکھتا ہو، اسے چھوڑ دینا چاہیے (اور ہم ان سے ایسی باتیں کریں جو ان کے فہم وادراک کے مطابق ہو)۔
- **چوتھا:** اس علت کا تذکرہ جس سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی ہے، اگرچہ انکار کرنے والے کا ارادہ تکذیب نہ ہو۔
- **پانچواں:** اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے اللہ کے اسماء یا صفات میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا، وہ اس کے باعث ہلاکت سے دوچار ہوا۔

آٹھویں قسم سے امتحان (ایک باب)

پہلا سوال: (☒) کی علامت مناسب جگہ لگائیں یا عبارت مکمل کریں:

۱- اسماء وصفات کے انکار کی قسمیں ہیں: ☐ دو ☐ تین، اسم اور صفت کے مابین فرق یوں ہے کہ اسم وہ ہے جس کے ذریعہ اللہ کا نام رکھا جائے اور صفت وہ ہے جس سے اللہ متصف ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲- کتاب وسنت میں وارد کسی اسم یا صفت کا انکار کرنا، کفر: ☐ اکبر ہے ☐ صغر ہے۔

۳- اسم مشتق ہے: ☐ سُمو اور ارتفاع سے ☐ سمت اور علامت سے ☐ مذکورہ سبھی۔

۴- اللہ جل جلالہ کے اسماء: ☐ اعلام ہیں ☐ اوصاف ہیں ☐ اعلام واوصاف دونوں ہیں۔

۵- بندوں کے اسماء: ☐ اعلام ہیں ☐ اوصاف ہیں ☐ اعلام واوصاف دونوں ہیں۔

۶- اسم کی دلالات: ☐ دلالت مطابقت ☐ دلالت تضمن ☐ دلالت التزام ☐ مذکورہ سبھی۔

۷- اللہ جل جلالہ کے اسماء: ☐ مُترادف ہیں ☐ متباین ہیں ☐ مترادف اور متباین دونوں ہیں۔

۸- اللہ جل جلالہ کے اسماء: (☐ محصور ومحدود ہیں ☐ غیر محصور ومحدود ہیں) عدد معین میں۔

۹- صفات کی تعداد اسماء سے زیادہ ہے کیونکہ ہر اسم صفت کو متضمن ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۰- بہت سی ایسی صفات ہیں جن کا اطلاق اللہ کے لیے ہوتا ہے، لیکن اللہ کے اسماء میں سے نہیں ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۱- نفی تشبیہ کہنے سے بہتر نفی تمثیل کہنا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۲- اسماء وصفات کے دراسہ ومطالعہ کے اسباب: ۱-.................. ۲-......................

۳-...................... ۴-............................ ۵-....................

۱۳- دراسہ اور مطالعہ کا طریقہ: ۱-.......................... ۲-..............................

۳-................................. ۴-...................................

۱۴- ہم ایسی باتیں نہیں کریں گے جو لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوں، گرچہ لوگوں کو ان کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۵- ﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ﴾ یعنی: ....

۱۶- صفات والے نصوص معنی کے اعتبار سے محکم اس لیے ہیں کہ ان کا معنی واضح ہے، اور متشابہ مطلق اس اعتبار سے ہیں کہ ان کی کیفیت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۷- محکم کا معنی جب اس کا ذکر اکیلے طور پر ہو: ☐ جس کا معنی واضح ہو ☐ جس میں کوئی خلل نہ ہو۔

۱۸- تشابہ کا معنی جب اس کا ذکر اکیلے طور پر ہو: کہ کامل ومکمل ہونے اور غایت حسن کے اعتبار سے جو ایک دوسرے کے مشابہ ہو: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۹- تشابہ نسبی ہر ایک پر مخفی ہوتا ہے، جبکہ تشابہ مطلق کسی پر مخفی ہوتا ہے کسی پر نہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲۰- قرآن میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جس کے معنی تک پہنچنا ممکن نہ ہو: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲۱- داعی کو چاہیے کہ مدعوین کی عقل و فہم کا خیال رکھے اور لوگوں کو اس کے صحیح مرتبہ میں رکھے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲۲- قرآن میں ایسی کوئی چیز نہیں جو معنی کے اعتبار سے تمام لوگوں کے لیے متشابہ ہو: (☐ صحیح ☐ غلط)، اور جہاں تک حقائق کی بات ہے تو امور غیبیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو خبریں دی ہیں، وہ متشابہ ہیں (☐ چند ☐ تمام) لوگوں پر۔

۲۳- ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کیوں کہا کہ (میں ان راسخین میں سے ہوں جنہیں تاویل کا علم دیا گیا ہے):

....

۲۴- بدعتیوں کی سب سے بری باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ: صفات والی آیتوں کا معنی نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ ان کی اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جاہل قرار دینا، قرآن کو جھٹلانا اور فلاسفہ کی باتوں کو شہرت دینا لازم آتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲۵- اہل باطل کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ محکم کو قبول کرتے ہیں اور متشابہ کا انکار کرتے ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲۶- أسماء وصفات کے چند قواعد ذکر کریں: ۱- ....

۲- .... ۳- ....

دوسرا سوال: خانہ (ا) میں سے جو خانہ (ب) کے مناسب ہو اس کو مناسب جگہ میں رکھیں:

نمبر	أ	ب
۱	تحریف	انکار کو کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں: تکذیب اور تاویل۔
۲	تاویل	زبان سے تعبیر کر کے، انگلیوں سے تحریر کر کے اور دل سے اندازہ لگا کر ہو گا۔
۳	تعطیل	کامل و مکمل ہونے اور حسن وجودت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہے، اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔
۴	محکم	جس کو اللہ کے لیے ثابت کرنا واجب ہے اس کو بدل ڈالنا، خواہ وہ لفظی ہو یا معنوی۔
۵	متشابہ	جن اسماء وصفات کو اللہ کے لیے ثابت کرنا واجب ہے ان کا انکار کرنا (کلی اور جزئی)۔
٦	تکییف	اس میں کوئی خلل نہیں، اس کی خبروں میں کوئی جھوٹ نہیں اور اس کے احکام میں کوئی ظلم وجور نہیں۔
۷	جحود	جس کی دلیل موجود ہو وہ صحیح اور مقبول ہے ورنہ فاسد اور مردود ہے۔

نویں قسم: شرکیہ ممنوع الفاظ (۲۶ ابواب)

- کتاب کا یہ سب سے طویل باب ہے، کیونکہ مؤلف رحمہ اللہ کی عادت ہے پہلے مسائل کو اجمالا ذکر کرتے ہیں پھر تفصیل کے ساتھ۔
- اس باب میں مناهی لفظیہ، الفاظ شرکیہ اور بعض شرکیہ اعمال کے ذکر کے ساتھ ساتھ شرک اصغر پر توجہ مرکوز کی ہے کیونکہ یہ خفی ہے، اسی طرح کفران نعمت پر بھی خصوصی توجہ مبذول کی ہے جو کہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

[۴۱] اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ يَعۡرِفُونَ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا ﴾ الآيَةَ (یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہنچانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں)۔

(اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنا بھی شرک کی ایک قسم ہے)

(اس آیت کی تفسیر میں) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس سے مراد انسان کا یوں کہنا ہے: یہ مال مجھے آباء واجداد کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے)۔ اور عون بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں کا یوں کہنا ہے کہ: اگر فلاں نہ ہوتا تو یوں ہو جاتا"۔ اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد لوگوں کا یہ کہنا ہے: یہ چیز ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملی ہے"۔

- نعمت، آزمائش ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَنَبۡلُوكُم بِٱلشَّرِّ وَٱلۡخَيۡرِ فِتۡنَةً﴾ (ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں)۔
- اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا، خلل ہے: [۱] **توحید ربوبیت میں**: کیونکہ اس میں سبب کو ہی فاعل قرار دیا جاتا ہے جبکہ حقیقی فاعل اللہ ہے۔ [۲] **توحید عبادت میں**: کیونکہ اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا، جو کہ ایک عبادت ہے۔

- «يقُولُونَ: لَوْلَا فُلَانٌ لَمْ يَكُنْ كَذَا» ”لوگوں کا یوں کہنا کہ: اگر فلاں نہ ہوتا تو ایسا ہو جاتا“۔: اگر اس سے مراد خبر ہو اور خبر اگر سچی اور واقع کے مطابق ہو تو ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نعمت جب آزمائش ہے: تو پھر ہم اس سے کیسے بچیں گے؟

حصول نعمت سے قبل:

ضروری ہے کہ یہ اللہ سے ہی طلب کی جائے اور اس سلسلہ میں قلبی تعلق بھی اللہ ہی سے ہو، (بعض لوگوں کی فکر یہ ہوتی ہے کہ اس کو وزیر، یا رئیس پہچانے اور اس کے اوپر نعمتیں لٹائے، جبکہ ہونا یہ چاہئے) کہ جس طرح جنت صرف اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کی جاتی ہے اسی طرح رزق بھی صرف اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرنی چاہئے۔

حصول نعمت کے بعد:

ضروری ہے کہ فضل واحسان کرنے والے اللہ کا دل، زبان اور اعضاء وجوارح سے شکر ادا کیا جائے۔

نعمت کی نسبت کرنے کے سلسلے میں لوگوں کی اقسام:

صحیح: بایں حیثیت کہ شرعی یا حسی طور پر ثابت صحیح سبب کی طرف اس کی نسبت کرے، جو کہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

- یہ اعتقاد رکھے کہ یہ سبب ہے جو بذات خود مؤثر نہیں ہے۔
- مُنعم (انعام کرنے والے) کا شکر ادا کرنا نہ بھولے۔

شرک اصغر: اس کی نسبت ظاہری ایسے سبب کی طرف کرے، جس کا شرعی یا حسی طور پر سبب ہونا ثابت نہ ہو۔

شرک اکبر: ایسے مخفی سبب کی طرف نسبت کرے جس کا کوئی اثر ہی نہ ہو اور نہ اس سبب کا عمل میں کوئی دخل ہو۔

دوسری دلیل:

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث (یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے) جس میں ہے کہ: «**أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ...**» (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) "**آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ تو مجھ پر ایمان لانے والے اور کچھ کفر کرنے والے ہیں**" کو نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ نے یوں فرمایا: "کتاب و سنت میں یہ بات بکثرت وارد ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت فرماتا ہے جو اللہ کے انعام اور رحمت کو کسی غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں"۔

بعض سلف (اس بات کی وضاحت کے لیے یہ مثال ذکر کرتے ہوئے) کہتے ہیں: "بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہوا بہت ہی خوب تھی، ملاح ماہر اور تجربہ کار تھا، وغیرہ جیسے بہت سے اقوال، جو لوگوں کی زبان پر جاری رہتے ہیں"۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پہچان اور اس کے انکار کی وضاحت ہے (یعنی اپنے حواس کے ذریعہ یہ تو پہچان لیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، لیکن انکار کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نسبت غیروں کی طرف کر دیتے ہیں)۔

دوسرا: اس بات کا علم کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار کی یہ صورتیں لوگوں کی زبان پر رائج ہیں (مثلاً، ہوائی جہاز، زمین پر اترتے وقت بھی لوگ ایسا کرتے ہیں)۔

تیسرا: ایسی باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار ہے (یہ اس کے ذریعہ اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں اس کے وجود کا انکار نہیں کرتے، کیونکہ وہ اسے پہچانتے ہیں اور اس کے وجود کو محسوس کرتے ہیں)۔

چوتھا: ایک ہی دل میں دو متضاد باتوں کا مجتمع ہونا ثابت ہے (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی معرفت و اقرار اور ان کا انکار)۔

[۴۲]اللہ تعالیٰ کا فرمان:﴿فَلَا تَجْعَلُواْ لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (پس دانستہ طور پر کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ) کا باب (ند کی تفسیر)

- جب تم جانتے ہو کہ ربوبیت میں اس کا کوئی نِد اور شریک نہیں ہے تو پھر عبادت میں کیوں اس کا ندِّ اور شریک ٹھہراتے ہو، یہ آیت قرآن کریم کی پہلی آیت ہے جس میں توحید کا حکم اور اس کی نداء ہے، اور اسی طرح شرک سے روکنے والی بھی یہ قرآن کریم کی پہلی آیت ہے۔

پہلی دلیل:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ "انداد" سے مراد شرک ہے، جو رات کے اندھیرے میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ شرک یہ ہوتا ہے کہ تم یوں کہو: (وَاللهِ وَحَيَاتِكَ يَا فُلَان، وَحَيَاتِي، اللہ کی قسم اور تیری زندگی کی قسم اے فلاں!۔ یا تمہارا یوں کہنا: اے فلاں! میری جان کی قسم)، یا تمہارا یوں کہنا: (لَوْلَا كُلَيْبَةُ هَذَا لأَتَانَا اللُّصُوصُ، اگر یہ کتے کا بچہ نہ ہوتا تو ہمارے گھر چور آجاتے)، یا تمہارا یوں کہنا: (وَلَوْلَا الْبَطُّ فِي الدَّارِ لأَتَى اللُّصُوصُ، اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمارے گھر چور آجاتے)، یا کسی کا اپنے ساتھی سے یوں کہنا: (مَا شَاءَ اللهُ وَشِئْتَ، جو اللہ چاہے اور تم چاہو)، یا یوں کہنا: (لَوْلَا اللهُ وَفُلَانٌ، اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا تو...)، تم اس قسم کی باتوں میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ رکھو۔ یہ سب اللہ کے ساتھ شرک کی باتیں ہیں۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

- «أَخْفَى مِنْ...»: خفاء اور پوشیدگی کو بتانے کے لیے یہ بڑا ہی بلیغ جملہ ہے، جب بنی آدم کے دلوں میں شرک اس سے بھی زیادہ مخفی ہے تو ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس سے ہمیں ہمیشہ بچائے رکھ۔ آمین۔

دوسری دلیل:

[۲] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ**» "**جس شخص نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھائی، اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا**"۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے، اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

تیسری دلیل:

[۳]حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:(لَأَنْ أَحْلِفَ بِالله كَاذِبًا؛ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ بِغَيْرِهِ صَادِقًا)"میرے نزدیک غیر اللہ کی سچی قسم کھانے سے اللہ کی جھوٹی قسم کھانا زیادہ بہتر ہے"۔

- «كَفَـرَ أَوْ أَشْرَكَ»: اگر یہ اعتقاد رکھے کہ محلوف بہ (جس کی قسم کھائی جارہی ہے)وہ تعظیم اور عظمت میں اللہ کے مساوی ہے تو شرک اکبر ہے،ورنہ شرک اصغر ہے۔
- عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہ تو اللہ کی جھوٹی قسم کھانا پسند تھا اور نہ ہی غیر اللہ کی سچی قسم،بلکہ یہ بتلانا مقصد تھا کہ شرک کی برائی جھوٹ کی برائی سے سنگین ہے،کیونکہ شرک کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

چوتھی دلیل:

[۴]حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:«لَا تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَلَكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ»،"یوں نہ کہو کہ:جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے،بلکہ یوں کہو:جو اللہ چاہے پھر جو فلاں چاہے"۔ابو داود نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

پانچویں دلیل:

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:"(أَعُوذُ بِاللهِ وَبِكَ، میں اللہ کی اور تیری پناہ چاہتا ہوں)کہنا حرام اور ناجائز ہے،البتہ(بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، میں اللہ کی اور پھر تیری پناہ چاہتا ہوں)کہنا جائز ہے،اسی طرح(لَوْلَا اللهُ ثُمَّ فُلَانٌ، اگر اللہ نہ ہوتا اور پھر فلاں نہ ہوتا تو...)کہہ سکتے ہیں،البتہ(لَوْلَا اللهُ وَفُلَانٌ، اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتا تو...)نہیں کہہ سکتے"۔

- «وَلَكِنْ قُولُوا»: شریعت جب حرام کا دروازہ بند کرتی ہے تو اسی کے مقابل جواز کا دروازہ بھی کھولتی ہے تاکہ حرام کو ترک کرنا آسان ہو جائے،اور ہمیں شریعت کی بلندی اور اس کے آسان ہونے کا بھی پتہ چلے۔

مسائل:

پہلا: انداد کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۲) کی تفسیر۔

دوسرا: یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کے بارے میں نازل شدہ آیت کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ وہ شرک اصغر کو بھی شامل ہو جاتی تھی (کیونکہ نِدّ، نظیر، ہم مثل اور مساوی ہونے کے معنی میں مطلقاً یا بعض امور میں داخل ہے)۔

تیسرا: غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے (جیسے یوں کہنا: تیری زندگی کی قسم، میری زندگی کی قسم، تیرے ذمہ کی قسم، میرے ذمہ کی قسم، میرے گردن کی قسم، میری داڑھی کی قسم، میرے چہرے کی قسم، نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قسم، میری عزت کی قسم، کعبہ کی قسم، تیری نماز کی قسم، تیرے روزے کی قسم، تیری عمر کی قسم، تیری مدد کی قسم، یا پھر اپنے قسم میں یوں کہے: اگر وہ ایسا کرے تو وہ یہودی، یا عیسائی یا کافر ہے)۔

چوتھا: غیر اللہ کے نام کی سچی قسم، یمین غموس (اللہ کے نام کی جھوٹی قسم) سے زیادہ بڑا گناہ ہے (اور یمین غموس یہ ہے کہ انسان اللہ کی جھوٹی قسم اس لیے کھائے کہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال غصب کر لے، یا حق دبالے)۔

پانچواں: "واوٗ(اور)" اور "ثم (پھر)" کے الفاظ میں معنوی فرق ہے (کیونکہ "واوٗ" مساوات اور برابری چاہتا ہے لہذا شرک ہو جاتا ہے، جبکہ "ثم" ترتیب اور تراخی کا متقاضی ہے لہذا یہ شرک نہیں ہوتا، جیسے کوئی کہے: اللہ کی میری اور تمہاری قسم، میں اللہ کے اور تمہارے امان میں ہوں، میرے لیے صرف اللہ اور آپ ہیں، میں اللہ پر اور آپ پر توکل کرتا ہوں، یہ اللہ اور آپ کی طرف سے ہے، میرے لیے آسمان میں اللہ اور زمین پر آپ ہیں، میں اللہ کے حضور اور آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں)۔

[۴۳] اللہ کی قسم پر کفایت نہ کرنے والے شخص کا حکم (کبیرہ گناہ ہے)

قسم کھانے والا جس چیز پر قسم کھاتا ہے اس کو مؤکد بنانے کے لیے ایسی ذات (اللہ) کی قسم کھاتا ہے جس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے، اس کے باوجود بھی کسی کا اللہ کی قسم سے قانع نہ ہونا اور اسے تسلیم نہ کرنا اللہ کی تعظیم میں نقص کی دلیل ہے جو کہ کمال توحید کے منافی ہے اور کبیرہ گناہ بھی۔

پہلی دلیل:

حضرا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، مَنْ حَلَفَ بِاللهِ فَلْيَصْدُقْ، وَمَنْ حُلِفَ لَهُ بِاللهِ فَلْيَرْضَ، وَمَنْ لَمْ يَرْضَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ»، "تم اپنے آباء واجداد کی قسمیں نہ کھاؤ، جو شخص اللہ کی قسم کھائے وہ سچ بولے اور جس کے لیے اللہ کی قسم کھائی جائے وہ راضی ہو جائے، اور جو راضی نہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں"۔ ابن ماجہ نے اسے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اللہ کی قسم پر قناعت کرنے کی اقسام:

شرعًا: جب مُدعی علیہ کو قسم کھانے کو کہا جائے اور وہ شرعی تقاضہ کے مطابق اللہ کی قسم کھائے تو اس قسم سے راضی ہونا واجب ہے۔

حسًّا: جس کی خاطر قسم کھائی جارہی ہے اس کی پانچ حالتیں ہو سکتی ہیں:

۱. اس کا جھوٹ ہونا اس کو معلوم ہو، تو اس کی تصدیق لازم نہیں ہے۔
۲. اس کا جھوٹ ہونا راجح ہو، تو اس کی تصدیق لازم نہیں ہے۔
۳. دونوں احتمال برابر ہوں، تو اس کی تصدیق واجب ہے۔
۴. اس کا سچ ہونا راجح ہو، تو اس کی تصدیق واجب ہے۔
۵. اس کا سچ ہونا معلوم ہو، تو اس کی تصدیق واجب ہے۔

مسائل:

پہلا: آباء واجداد کی قسم کی نہی (ممانعت) (اور نھی تحریم کے لیے ہے)۔

دوسرا: جس شخص کے لیے اللہ کی قسم کھائی جائے، اسے حکم ہے کہ وہ اس قسم پر راضی ہو جائے اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔

تیسرا: اللہ کی قسم سے بھی راضی نہ ہونے والے کے لیے وعید وارد ہوئی ہے۔

(**چوتھا:** قسم کھانے والے کو سچ بولنے کا حکم، کیونکہ جب قسم کے علاوہ عام بول چال میں سچ بولنے کا حکم ہے پھر یہاں تو سچ بولنے کا حکم بدرجۂ اولیٰ ہے)۔

[۴۴](جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں کہنے) کا حکم

پہلی دلیل:

[۱]حضرت قتیلہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک یہودی نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آکر کہنے لگا: إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللهُ وَشِئْتَ، وَتَقُولُونَ: وَالْكَعْبَةِ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، وَأَنْ يَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شِئْتَ "تم (مسلمان)لوگ شرک کرتے ہو کہ یوں کہتے ہو: جو اللہ چاہے اور تم چاہو، نیز تم کہتے ہو: کعبہ کی قسم، تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ قسم کھانی ہو تو کعبہ کے بجائے رب کعبہ کی قسم کھاؤ، اور جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں کہنے کے بجائے جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں، کہا کرو"۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

دوسری دلیل:

سنن نسائی ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یہ کہا: مَا شَاءَ اللهُ وَشِئْتَ، فَقَالَ: «أَجَعَلْتَنِي لله نِدًّا؟! مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ»، "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، تو آپ نے فرمایا: تم نے مجھے اللہ کا شریک کیوں ٹھہرایا؟ (صرف اتنا کہا کرو) جو اللہ اکیلا چاہے"۔

- **یہود کی وجہ تسمیہ:**

۱. کیونکہ ان کے آباء واجداد نے کہا تھا: (ھدنا إلیک) (ہم تیری یعنی اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

۲. کیونکہ ان کے جد امجد کا نام یہوذا بن یعقوب ہے۔

- **پہلی حدیث کے چند فوائد مندرجہ ذیل ہیں:**

۱. باوجود اس کے کہ یہودی کا مقصد مذمت بیان کرنا تھا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کا انکار نہیں کیا، کیونکہ اس نے بات بالکل سچ کہی تھی۔

۲. رجوع الی اللہ (اللہ کی طرف پلٹنے) کی مشروعیت، گرچہ حق کی طرف تنبیہ کرنے والا شخص اہل حق میں سے نہ ہو۔

۳. کسی چیز کو بدلتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اسے قریب تر چیز کی طرف پھیر دیا جائے۔

- **اس عمل کی جانب تنبیہ اس یہودی شخص نے ہی کیوں کی؟** اس میں حکمت یہ ہے کہ ان یہودیوں کے لیے آزمائش وابتلاء ہے جو خود تو شرک اکبر میں مبتلا ہیں اور مسلمانوں پر تنقید کرتے ہیں، اور انہیں اپنا عیب نظر نہیں آتا۔

- «**مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ**»: نبی ﷺ نے اس چیز کی طرف رہنمائی فرمائی جو شرک سے کلی طور پر دور کر دے، آپ ﷺ نے ان کی رہنمائی یہ کہنے کی طرف (ما شاء الله ثمَّ شئت، کہ جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں) اس لیے نہیں کی تاکہ شرک تک پہنچنے کا ہر ذریعہ ختم کر دیں، اور ایسا آپ ﷺ نے توحید کے پہلوؤں کی حمایت اور اللہ کے حد ادب کا خیال کرتے ہوئے کیا۔

تیسری دلیل:

ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مادر زاد بھائی حضرت طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا گزر یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا، میں نے کہا: "تم اچھے لوگ ہو اگر حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو"، تو انہوں نے بھی جواباً کہا: تم بھی اچھے ہو اگر (مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ، جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہیں) نہ کہو، واس کے بعد میرا گزر عیسائیوں کے ایک گروہ کے پاس سے ہوا، میں نے کہا تم اچھے لوگ ہو اگر مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو، انہوں نے جواباً کہا: تم بھی اگر (مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ، جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہیں، نہ کہو تو بہت اچھے ہو، صبح ہوئی تو میں نے کچھ لوگوں سے اس خواب کا ذکر کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ سے ساری بات ذکر کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے یہ خواب کسی کو بتایا بھی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ (آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے) اللہ کی حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا: «**أَمَّا بَعْدُ؛ فَإِنَّ طُفَيْلًا رَأَى رُؤْيَا أَخْبَرَ بِهَا مَنْ أَخْبَرَ مِنْكُمْ، وَإِنَّكُمْ قُلْتُمْ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا أَنْ أَنْهَاكُمْ عَنْهَا، فَلَا تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ، وَلَكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ**»، "**اما بعد! طفیل نے خواب دیکھا اور اس نے بعض کو بتایا بھی ہے، تم ایک جملہ بولا کرتے ہو، تمہیں اس بات سے روکنے کی میرے لیے فلاں فلاں چیز مانع تھی، تم یہ نہ کہا کرو کہ جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہیں، بلکہ صرف جو اللہ چاہے، کہا کرو**"۔

- «**يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا**»: نبی ﷺ کو شرم و حیا روکتی تھی لیکن یہ انکار باطل میں سے نہیں تھا، آپ ﷺ کو اس سے منع کرنے سے جو چیز مانع تھی وہ یہ کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم نہیں دیا تھا، جیسے شراب کا حکم کہ آپ ﷺ نے اس سے خاموشی اختیار کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا۔

خواب (جو سونے والا دیکھتا ہے) کی اقسام:

حدیث النفس نفس کی باتیں اور ذہنی افکار	رؤیا (خواب)	اضغاث احلام (شوریدہ پریشان خواب)

مسائل:

پہلا: یہود شرک اصغر سے واقف تھے۔

دوسرا: انسان کی خواہش ہو تو حق اور باطل کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

تیسرا: آنے والے نے (ماشاء اللہ وشئت، جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) کہا تو نبی ﷺ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: («أَجَعَلْتَنِي لله نِدًّا؟!»، کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا دیا ہے؟)، تو جس نے یوں کہا: (مَالِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ سِوَاكَ ....، "اے اللہ کے رسول آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی میں پناہ حاصل کر سکوں...") اور اس کے بعد کے مزید دو اشعار، اس کا کیا حال ہو گا۔ (یہ کفر اور مبالغہ آرائی کی انتہا ہے)۔

چوتھا: (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) جیسے کلمات شرک اکبر نہیں ہیں (ورنہ آپ ﷺ اس سے روک دیتے) اور یوں نہ فرماتے کہ «يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا»، "فلاں اور فلاں بات کی وجہ سے میں تمہیں منع نہیں کر رہا تھا"۔

پانچواں: اچھا خواب بھی وحی کی ایک قسم ہے۔

چھٹا: اچھا خواب کبھی کبھار بعض احکام کی مشروعیت کا سبب بن جاتا ہے (اور ایسا ہونا صرف زمن نبوت میں ممکن تھا لیکن زمن نبوت گزر جانے کے بعد ہرگز نہیں)۔

[۴۵] زمانے کو گالی دینا در حقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے (حوادث کی نسبت زمانہ کی طرف کرنا)

- «فَقَدْ آذَى الله»: اذیت پہنچانے سے ضرر پہنچانا لازم نہیں آتا ہے، انسان کبھی کبھی بری باتیں سن کر بھی اذیت محسوس کرتا ہے لیکن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے قرآن میں اذیت کو تو ثابت کیا ہے لیکن اس بات کی نفی کی ہے کہ کوئی چیز اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

زمانہ کے متعلق مختلف الفاظ اور ان کا حکم:

- شرک اکبر ہے: اگر اس بنیاد پر زمانہ کو گالی دے کہ فاعل حقیقی زمانہ ہی ہے، جیسے یہ اعتقاد رکھے کہ معاملات کو خیر وشر کی طرف پلٹنے والا زمانہ بذات خود ہے۔
- حرام ہے: اگر زمانے کو گالی تو دے مگر یہ اعتقاد نہ رکھے کہ فاعل حقیقی زمانہ ہی ہے، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ فاعل حقیقی تو صرف اللہ ہی ہے لیکن زمانے کو اس لیے گالی دے کہ وہ اس ناپسندیدہ شئے کے واقع ہونے کی جگہ ہے۔
- جائز ہے: اگر اس کے ذریعہ مقصد صرف خبر دینا ہو ملامت کرنا نہیں، جیسے کوئی کہے: ہم آج کی گرمی سے پریشان ہوگئے، اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿هَٰذَا يَوۡمٌ عَصِيبٌ﴾: (آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے)۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] ارشاد ربانی ہے: ﴿وَقَالُواْ مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا ٱلدُّنۡيَا نَمُوتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَآ إِلَّا ٱلدَّهۡرُۚ﴾ الآيـــة. (انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے)۔

[۲] اور صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: «قَــالَ اللهُ تَعَــالَى: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ، وَأَنَا الدَّهْرُ: أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ»، **"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم زمانے کو گالی دے کر (برا بھلا کہہ کر) مجھے ایذا دیتا ہے، کیونکہ میں ہی صاحبِ زمانہ ہوں: دن ورات کو میں تبدیل کرتا ہوں"۔** اور ایک روایت میں ہے: «لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ؛ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ». **"زمانہ کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ در اصل اللہ تعالیٰ ہی زمانہ (کا الٹ پھیر کرنے والا) ہے"۔**

- ﴿حَيَاتُنَا ٱلدُّنۡيَا﴾ : یعنی وجود اور زندگی جو کچھ بھی ہے صرف دنیوی زندگی ہے، آخرت کوئی چیز نہیں ہے۔
- ﴿وَمَا يُهۡلِكُنَآ إِلَّا ٱلدَّهۡرُۚ﴾ : یعنی ہماری ہلاکت اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے نہیں ہوتی، بلکہ جس کی عمر لمبی ہو اس کی وجہ ناز و نعم اور خوشحالی کا ہونا ہے اور جس کی عمر چھوٹی ہو اس کی بیماریوں، پریشانیوں اور غموں کی وجہ سے ہے، خلاصہ یہ کہ ان کو ہلاک کرنے والا زمانہ ہی ہوتا ہے۔
- «يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ» : یعنی اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے اذیت کا ثبوت موجود ہے، لہٰذا ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اس چیز (اذیت) کو اللہ کے لیے ثابت کریں جو اللہ نے اپنے لیے ثابت کی ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں اللہ سے زیادہ نہیں جانتے، لیکن یہ اذیت مخلوق کی اذیت کے مانند نہیں ہوتی۔
- «يَسُبُّ الدَّهْرَ» : یعنی اس کو گالی دیتا ہے، برا بھلا کہتا ہے اور لعنت ملامت کرتا ہے، اور "دہر" زمانہ اور وقت کو کہتے ہیں۔
- «وَأَنَا الدَّهْرُ» : "میں ہی زمانہ ہوں" کا مطلب ہے، زمانہ کی تدبیر کرنے والا، اس کو الٹنے پلٹنے اور حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا "دہر" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے؟

"دہر" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے نہیں ہے، اس لیے کہ:

١. آیت کا سیاق اس کی تردید کرتا ہے، کیونکہ "دہر" اگر اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا تو اہل جاہلیت کا اعتقاد رکھنا صحیح ہوتا۔
٢. حدیث کا سیاق بھی اس کی تردید کرتا ہے۔
٣. جس نے کہا کہ "دہر" ہی اللہ ہے اس نے مخلوق کو ہی خالق بنا دیا۔
٤. اللہ تعالیٰ کے تمام نام (حسنیٰ) اچھے اور پیارے ہیں جو حسن و خوبی میں کمال وانتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، جس کا اپنا ایک خاص معنی ہوتا ہے، جبکہ "دہر" کے معنی میں کوئی حسن و خوبی نہیں ہے۔
٥. اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء مشتق ہیں، جبکہ "دہر" اسم جامد ہے۔
٦. چوپایوں، ہوا اور بخار کو بھی (زمانے کی طرح) گالی دینے کی ممانعت اور نہی وارد ہے۔

مسائل:

پہلا: زمانے کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے (جیسے یہ کہنا: ہائے زمانے کی مصیبت، یا: زمانہ برا ہے، یا: زمانہ غدار ہے)۔

دوسرا: زمانے کو برا بھلا کہنے کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا قرار دیا ہے۔

تیسرا: نبی ﷺ کے فرمان کہ: «**فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ**» ”**اللہ ہی زمانہ ہے**“ میں غور وفکر کرنا چاہیے۔ (یعنی مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمانے کو الٹنے پلٹنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے)۔

چوتھا: بسا اوقات انسان سب وشتم کا مرتکب ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کی نیت نہ بھی ہو۔

(**پانچواں:** سورۂ جاثیہ کی آیت ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ إِلَّا ٱلدَّهْرُ﴾ کی تفسیر۔)

[۴٦] قاضی القضاۃ وغیرہ جیسے القاب رکھنا (ممنوع ہے)

- یعنی کوئی شخص اپنے لیے یہ نام اختیار کرے، یا کوئی دوسرا اسے اس نام سے پکارے تو وہ خوش ہو۔

قاضی القضاۃ لقب اختیار کرنے کا کیا حکم ہے؟

- گناہ کبیرہ ہے، اگر اس کا مقصد مجرد یہ لقب اختیار کرنا ہو۔
- شرک اکبر ہے، اگر یہ اعتقاد رکھے کہ وہ تمام قاضیوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھ کر قاضی ہے۔
- جائز ہے، اگر اس کو کسی خاص جماعت، ملک یا زمانہ کے ساتھ مقید کر دیا جائے، لیکن گریز کرنا افضل ہے۔

پہلی دلیل:

[۱] صحیح (صحیحین) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**إِنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ الله: رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ، لَا مَالِكَ إِلَّا الله**»، "**اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے گھٹیا اور حقیر وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو ملک الاملاک (شہنشاہ) کہلوائے، جبکہ (حقیقی) مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے**"۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ نے "ملک الاملاک" کا ترجمہ شاہان شاہ (شہنشاہ) کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: «**أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى الله يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَخْبَثُهُ**»، "**قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض اور بڑا خبیث شخص** وہ ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہلوائے۔" اور: «أَخْنَعُ» یعنی: گھٹیا۔

- «أَخْنَعُ»: اس کے (خود کو عزت دار بنانے کے) ارادہ کے خلاف چیز (گھٹیا قرار دینے) کے ذریعہ سزا دی گئی، اور اسی میں ہر وہ چیز شامل ہے جو طاقت، غلبہ اور تعظیم پر دلالت کرے۔
- «أَغْيَظُ»: اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت "غیظ" کا ثبوت موجود ہے جو اس کے شایان شان ہے، اور بظاہر یہ لفظ "اغیظ" بہت زیادہ غیظ و غضب پر دلالت کر رہا ہے۔

مسائل:

پہلا: کسی کو ملک الاملاک (یعنی شہنشاہ) کہنے کی ممانعت۔

دوسرا: اس قسم کے دیگر الفاظ، اَسماء اور القاب بھی منع ہیں، جیسا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مثال دے کر سمجھایا ہے (جیسے قاضي القضاة، حاکم الحکّام اور سُلطان السّلاطین وغیرہ جیسے القاب اختیار کرنا)۔

تیسرا: اس قسم کے الفاظ کی ناپسندیدگی کو سمجھنا اور ان پر غور کرنا چاہیے، اگرچہ دل میں اس لفظ کا حقیقی معنی مراد نہ ہو تب بھی یہ ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

چوتھا: سمجھنا چاہیئے کہ ایسے القاب کو صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے پیش نظر ناپسندیدہ اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

[۴۷] اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعظیم اور اس وجہ سے نام کی تبدیلی

اللہ عزوجل کے نام کی اقسام:

مختص: وہ اسماء جو صرف اللہ کے لیے ہی خاص ہوں، ان سے اللہ کے سوادوسروں کو موسوم نہیں کیا جا سکتا، اور اگر دوسروں کے لئے رکھ دئے گئے ہوں تو ان کو تبدیل کرنا واجب ہے جیسے: اللہ، الرحمن، رب العالمین، اور ان جیسے دیگر نام۔

غیر مختص: وہ اسماء جو اللہ کے سوادوسروں کے لیے بھی صحیح ہیں، جیسے: الرَّحیم، السَّمیع اورالبصیر، اگر اس میں صفتی معنیٰ کا احتمال نظر آئے تو ممنوع ہو گا اور اگر صفتی معنیٰ کا احتمال نظر نہ آئے تو اس سے نام رکھنا اس بنا پر جائز ہو گا کہ یہ محض عَلَم ہیں۔

پہلی دلیل:

[۱] حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی کنیت ابوالحکم تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: «إِنَّ اللهَ هُوَ الْحَكَمُ، وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ»، فَقَالَ: إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَتَوْنِي فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ، فَرَضِيَ كِلَا الْفَرِيقَيْنِ، فَقَالَ: «مَا أَحْسَنَ هَذَا، فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ؟»، قُلْتُ: شُرَيْحٌ، وَمُسْلِمٌ، وَعَبْدُ الله، قَالَ: «فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ؟»، قُلْتُ: شُرَيْحٌ، قَالَ: «فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ»، ”حکم“ تو اللہ تعالیٰ ہے اور حکم بھی اسی کا (نافذ ہوتا) ہے۔ تو ابو شریح رضی اللہ عنہ نے کہا: میری قوم میں جب کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو وہ میرے پاس آتے ہیں تو میں ان کا فیصلہ کر دیتا ہوں، جس پر دونوں فریقین راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو بڑی اچھی بات ہے! پھر فرمایا: تمہاری اولاد میں کون کون ہیں؟ میں نے کہا: شریح، مسلم اور عبد اللہ۔ آپ نے پوچھا: ان میں سب سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا: شریح، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ابو شریح ہو“۔ اس کو ابو داود وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

کنیت کہتے ہیں، جس کے پہلے (اب) یا (ام) یا (اخ) یا (عم) یا (خال) لگا ہوا ہو، اور اس آدمی کے نام میں لفظ "حکم" لگا ہوا تھا، جو اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اور یہ مجرد عَلم محض کی وجہ سے بھی نہ تھا بلکہ یہ صفت پائے جانے کی وجہ سے نام رکھا گیا تھا، جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک طرح کی مشارکت تھی، اسی لیے نبی ﷺ نے ان کے لیے ایک مناسب کنیت اختیار فرمائی، اور آپ نے انہیں پھر عقیقہ کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ نام کی تبدیلی پر ہی اکتفا کیا اور توحید کی حفاظت فرمائی۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مکمل احترام، اگرچہ دوسرے کے لیے استعمال کرتے وقت ان کا معنی مقصود نہ ہو (یعنی وہ اسماء جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں یا جس میں صفت کی مشابہت اور مشارکت مقصود ہو)۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ کے اسماء کے احترام کے پیش نظر (شرکیہ اور غلط) ناموں کو تبدیل کر دینا (اسی طرح اگر نام کا معنی بھی غیر مناسب ہو، تو نام تبدیل کر دینا چاہیے)۔

تیسرا: کنیت رکھنے کے لیے سب سے بڑے بیٹے کا انتخاب (کنیت رکھنا مباح اور جائز ہے، اور مشرک کو کنیت کے ساتھ پکارا نہیں جاسکتا، کیونکہ کنیت تعظیم پر دلالت کرتی ہے)۔

[۴۸] اللہ تعالیٰ، قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے والے شخص کا حکم

- جس نے اللہ تعالیٰ کا، یا اس کی آیات کونیہ یا شرعیہ یا اس کے رسول کا مذاق اڑایا، اس نے کفر اکبر کا ارتکاب کیا، کیونکہ مذاق اڑانے والے سے ایمان کی نفی کی گئی ہے، اور واضح رہے کہ کفر کی دو قسمیں ہیں:

کفر معارضہ: یہ سب سے سخت اور سنگین ہے، جیسے ابو جہل اور ابو لہب کا کفر۔

کفر اعراض: نہ ہی دین اسلام میں داخل ہوتا ہے اور نہ ہی دین کے لیے محاذ آرائی کرتا اور لڑائی لڑتا ہے۔

- جس نے کفر معارضہ اختیار کرتے ہوئے مذاق اڑایا تو وہ کافر ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ بت کے لیے سجدہ کرنے والے سے بھی زیادہ برا ہے، یہ مسئلہ بڑا خطرناک ہے، زبان سے نکلی ہوئی کچھ باتیں کہنے والے کو لاشعوری طور پر پریشانی بلکہ ہلاکت میں ڈال دیتی ہیں، انسان کبھی کبھی اپنی زبان سے کچھ ایسی باتیں بولتا ہے جسے وہ معمولی سمجھتا ہے، لیکن ان کے ذریعہ اللہ کی ناراضگی مول لے لیتا ہے، اور جہنم کا حقدار بن جاتا ہے۔

جس نے نماز کا - گرچہ نفل ہی کیوں نہ ہو -، یا زکوۃ کا، یا روزہ کا، یا حج کا مذاق اڑایا وہ بالاجماع کافر ہے، اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کی کونی نشانیوں کا مذاق اڑایا اور کہا کہ: ٹھنڈ کے موسم میں گرمی کا ہونا بے وقوفی ہے اور گرمی کے موسم میں ٹھنڈ کا پایا جانا حماقت ہے، تو وہ خارج از ملت اور کافر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، ہم اس حکمت کا کسی بھی حال میں ادراک نہیں کرسکتے ہیں، الا یہ کہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہو۔

- جو اللہ، یا اس کے رسول یا اس کی کتاب کو گالی دے، اس کی توبہ مقبول ہے یا نہیں، اس میں علماء کے دو اقوال ہیں:

اس کی توبہ مقبول نہیں، بادشاہ وقت اسے قتل کرے گا:

نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، نہ اس کے لئے رحمت کی دعا کی جائے گی، اس کو مسلمانوں کے قبرستانوں سے دور دفن کیا جائے گا، گرچہ یہ دعوی ہی کیوں نہ کرے کہ اس نے توبہ کرلی ہے، کیونکہ ارتداد بڑا سنگین معاملہ ہے جس میں توبہ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

چند شروط کے ساتھ توبہ مقبول ہے:

۱- اس کے توبہ کی سچائی معلوم ہو جائے۔ ۲- اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے۔ ۳- اپنی کہی ہوئی بات سے براءت کا اظہار کرے۔

لیکن نبی ﷺ کو گالی دینے والے کی توبہ قبول کی جائے گی اور بادشاہ وقت پر واجب ہے کہ اسے نبی ﷺ کے حق کی خاطر قتل کرے، اور قتل کے بعد اس کو غسل دیکر، کفن پہنا کر، اس پر نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ دفن کرے۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱]ارشادالٰہی ہے:﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ﴾ الآيــة (اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے)۔

[۲] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب، زید بن اسلم اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے روایت ہے، ان سب کی روایات کا حاصل اور نچوڑ ایک ہی ہے اگر چہ الفاظ قدرے مختلف ہیں اور وہ یہ کہ غزوۂ تبوک میں ایک منافق نے کہا: مَا رَأَيْنا مِثْلَ قُرَّائِنا هَؤلاءِ أرغبَ بُطونًا، ولا أَكْذَبَ أَلْسُنًا، ولا أجبَنَ عندَ اللِّقاءِ - يَعني الرَّسُولَ ﷺ وأَصْحابَهُ القُرَّاءَ -، فقالَ له عَوْفُ بنُ مالكٍ: كَذَبْتَ؛ ولكِنَّكَ مُنَافِقٌ، لأُخْبِرَنَّ رَسُولَ الله ﷺ، فَذَهبَ عوْفٌ إلى رَسُولِ الله ﷺ لِيُخْبِرَهُ، فوجدَ القُرْآنَ قَدْ سَبقَهُ، فَجاءَ ذَلْكَ الرَّجُلُ إِلى رَسُولِ الله ﷺ وقَدْ ارْتحَلَ، ورَكِبَ ناقَتَهُ، فقالَ: يا رَسُولَ الله! إنَّما كُنَّا نَخُوضُ ونَلْعَبُ ونَتَحدَّثُ حَدِيثَ الرَّكْبِ، نَقْطَعُ بِهِ عَنَّا الطَّرِيقَ، قَالَ ابْنُ عُمَر: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ متعلِّقًا بِنِسْعَةِ ناقَةِ رَسولِ الله ﷺ، وإِنَّ الحِجَارةَ تَنْكُبُ رِجْلَيْهِ، وَهُوَ يَقُولُ: إِنَّما كُنَّا نَخُوضُ ونَلْعَبُ، فيقولُ لَهُ رَسولُ الله ﷺ: ﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴾، مَا يَلْتَفِتُ إِليهِ، ومَا يَزِيدُهُ عَلَيْهِ، ”ہم نے پیٹ کے پجاری، زبان کے جھوٹے اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ بزدل، ان علم والوں سے بڑھ کر اور کوئی نہیں دیکھے۔ اس کی مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو جھوٹا اور منافق ہے، میں تمہاری بات نبی ﷺ کو ضرور بتاؤں گا۔ چنانچہ عوف رضی اللہ عنہ بتانے کی غرض سے آپ کے پاس گئے مگر ان کے آنے سے پہلے وحی نازل ہو چکی تھی۔ وہ (منافق) بولا: یا رسول اللہ! ہم لوگ تو محض دل بہلانے کے لیے ایسی بات چیت اور سواروں کی سی باتیں کر رہے تھے، تاکہ سفر کی مشقت طے کر سکیں (اور بوریت نہ ہو) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے۔ گویا وہ شخص آپ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوے کی رسی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور پتھر اس کے پاؤں سے ٹکرا رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے: ہم تو محض بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے، اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: (کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ سے ہنسی کرتے ہو، تم نے ایمان لانے کے بعد (یہ بات کر کے) کفر کا ارتکاب کیا ہے، یعنی آیت کریمہ کی تلاوت کر رہے ہیں)، چنانچہ آپ ﷺ نہ تو اس کی طرف التفات فرما رہے تھے اور نہ ہی اس پر کچھ مزید فرما رہے تھے“۔

- «قُرَّائِنا»: اس سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور اللہ کی قسم وہ جھوٹا تھا۔
- «ولٰكِنَّكَ مُنَافِقٌ»: اس سے یہ پتہ چلا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دے وہ کافر ہے، کیونکہ ان پر طعن کرنا گویا اللہ، اس کے دین اور اس کے رسول ﷺ میں طعن کرنا ہے۔
- «بِنِسْعَةِ»: اس بیلٹ اور رسی کو کہتے ہیں جس سے کجاوہ باندھا جاتا ہے۔
- «تَنْكُبُ رِجْلَيْهِ»: اور پتھر اس کے پاؤں سے ٹکرا رہا تھا۔
- **حدیث کے فوائد:**

۱- مستقبل میں پیش آنے والی چیزوں کا علم اللہ کو ہے، جو گزر چکا وہ بھی اور جو آئندہ پیش آنے والا ہے وہ سبھی اللہ کے علم میں ہے۔

۲- اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق ہی نبی ﷺ فیصلہ فرماتے تھے۔

۳- اللہ کا، اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق بنانا کفر اکبر ہے۔

۴- اللہ کا مذاق اڑانے والا کافر ہے۔

۵- موقع کی مناسبت سے شدت اور سختی سے پیش آنا چاہیے۔

۶- مذاق اڑانے والے کی توبہ قبول کی جائے گی کچھ شروط کے ساتھ۔

ضروری وضاحتیں:

1. ایسی جگہ جہاں اللہ، یا اس کے دین یا اس کے رسول کو گالی دی جا رہی ہو تو وہ یا تو اس کا انکار کرے ورنہ وہاں سے نکل جائے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں)۔
2. لوگوں کو ہنسانے کے واسطے قرآن و حدیث کے ذکر کرنے سے لازمی طور پر بچنا چاہیے، اور ان دونوں کے ذکر کے وقت خوف زدہ ہونا چاہیے۔

۴. کلام اور گفتگو میں اگر سب وشتم کا احتمال ہو تو کہنے والے کو متنبہ کرنا ضروری ہے، اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ وہ مذاق اڑانے والا شمار کیا جائے گا۔

۵. خود بینی اور کبر وغرور سے بچنا چاہیے، کیونکہ نیکی جنت میں داخلے کا سبب ہے تو برائی جہنم میں لے جانے کا، یہ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تبوک کے لیے نکلا تھا لیکن نتیجہ کیا نکلا یہ حدیث سے ظاہر ہے۔

مسائل:

پہلا: اس سے جو بڑا مسئلہ ثابت ہوا وہ یہ کہ جو شخص رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑائے وہ کافر ہے (یعنی وہ اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا منکر ہے)۔

دوسرا: جو ایسی بات کرے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اس پر اس آیت کی روشنی میں حکم لگایا جائے گا (چاہے وہ منافق ہو یا غیر منافق)۔

تیسرا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے نصیحت و خیر خواہی اور چغلی میں فرق ہے (کیونکہ نصیحت کا مقصد اللہ کے شعائر کا احترام ہے)۔

چوتھا: وہ عفو و درگزر جسے اللہ پسند کرتا ہے (وہ ہے جس سے اصلاح مقصود ہو)، اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے میں فرق ہے (لیکن دعوت اور تالیف قلب کی خاطر نرمی اختیار کرنا مستحسن ہے)۔

پانچواں: بعض عذر نا قابل قبول ہوتے ہیں (جب یہ معلوم ہو کہ عذر باطل ہے)۔

[۴۹] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي ﴾ الآيةَ (اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حقدار ہی تھا) کا باب

مجاہد رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: «هٰذا بِعَمَلي، وأنا مَحْقوقٌ بِهِ»، کہ یہ مال ودولت تو میری محنت وکاوش کا نتیجہ ہے اور میں اس کا مستحق ہوں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: «يريدُ مِن عِنْدي»، اس کی مراد یہ ہے کہ یہ میری مہارت اور تصرف کے سبب ہے نہ کہ اللہ کی طرف سے۔

انسان جب نعمت کی نسبت اپنی کمائی اور عمل کی طرف کرتا ہے تو اس میں توحید ربوبیت میں ایک طرح کی شراکت پائی جاتی ہے، اور جب نعمت کی نسبت اللہ ہی کی طرف کرتا ہے لیکن یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ اس کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ عطا کیا ہے وہ محض اس کا فضل واحسان نہیں بلکہ وہ اس کی اہلیت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے اندر عبودیت کے تعلق سے ایک طرح کا ترفع، تعلی اور شیخی کا عنصر پایا جاتا ہے، لہٰذا ایسے لوگ رب کی پکڑ سے مامون نہیں ہوسکتے۔

دوسری اور تیسری دلیل:

[۲] ارشاد ربانی ہے: ﴿ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِيٓ ﴾، (وہ کہتا ہے کہ یہ مال مجھے میرے علم کی بدولت ملا ہے)، اس آیت کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «عَلَى عِلْمٍ مِنِّي بِوُجُوهِ الْمَكَاسِبِ»، یعنی وہ کہتا ہے یہ مال مجھے کمائی کے تجربے اور علم کی بدولت ملا ہے، دوسرے اہل علم نے اس کی تفسیر میں یوں کہا ہے: «عَلى عِلْمٍ مِنَ الله أَنِّي لَهُ أَهْلٌ»، وہ کہتا ہے کہ یہ مال ودولت مجھے اس لیے ملا کہ میں اللہ کے علم میں اس کا اہل ہوں، اور مجاہد رحمہ اللہ کے قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ: «أُوتِيتُهُ عَلَى شَرَفٍ»، یہ مال ودولت مجھے بزرگی وشرف کی بنا پر ملا ہے۔

[۳] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے، جن میں ایک سفید داغ والا، دوسرا گنجا اور تیسرا نابینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی غرض سے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ فرشتہ سفید داغ والے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ مریض نے کہا: اچھا رنگ اور خوبصورت جلد اور یہ کہ مجھ سے یہ

بیاری دور ہو جائے جس کے سبب لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیاری دور ہو گئی، اسے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد مل گئی۔ فرشتے نے پھر پوچھا تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ یا گائے (راوی اسحاق کو ان دونوں لفظوں کے بارے میں تردد ہے کہ کون سا لفظ اس نے کہا) چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور فرشتے نے دعا کی (اللہ تیرے لیے اس اونٹنی میں برکت عطا فرمائے)۔
اس کے بعد وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا: تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: خوبصورت بال اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا، اس کی بیماری ختم ہو گئی اور اسے خوبصورت بال مل گئے۔ فرشتے نے اس سے پوچھا: تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ یا گائے، چنانچہ اسے ایک حاملہ گائے دی گئی اور فرشتے نے دعا کی: (تیرے لیے اللہ اس گائے میں برکت عطا فرمائے)۔ اس کے بعد وہ فرشتہ نابینا کے پاس آیا اور اس سے کہا: تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ فرشتے نے کہا: تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: بکریاں، چنانچہ اسے حاملہ بکری دے دی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اونٹنی نے خوب بچے دیے، گائے اور بکری نے بھی خوب بچے جنے، چنانچہ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک وادی بھر گئی اور گائے اور بکری والوں کے پاس بھی گایوں اور بکریوں سے میدان بھر گیا۔
پھر وہ فرشتہ سفید داغ والے کے پاس اپنی اسی شکل وصورت میں آیا اور کہا: میں مسکین غریب آدمی ہوں، میرا زادراہ ختم ہو گیا ہے، آج اللہ کی مدد پھر آپ کے تعاون کے بغیر میں گھر نہیں پہنچ سکتا۔ جس اللہ نے آپ کو خوبصورت رنگ، خوبصورت جلد اور اس قدر کثیر مال عطا کیا ہے اس کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں، تاکہ میں اس پر سوار ہو کر گھر پہنچ جاؤں۔ اس آدمی نے کہا: میری ضرورتیں بہت زیادہ ہیں، تو فرشتے نے کہا: غالبا میں تجھے اچھی طرح پہچانتا ہوں، کیا تو سفید داغ والا نہ تھا؟ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو انتہائی غریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ مال عطا کیا۔ وہ بولا: یہ مال تو مجھے آباء واجداد سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتہ نے کہا: اگر تو اس بات میں جھوٹا ہے تو اللہ تجھے پہلے جیسا بنا دے۔
پھر وہ فرشتہ اسی شکل وصورت میں گنجے کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی باتیں کہیں جو کوڑھی سے کہی تھیں تو اس نے بھی وہی جواب دیے۔ تو فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔
پھر وہ فرشتہ اسی پہلی شکل وصورت میں اس نابینا کے پاس آیا اور کہا: میں ایک غریب مسافر ہوں میرا زادراہ

ختم ہو گیا ہے، اللہ کی مدد پھر آپ کے تعان کے بغیر میں آج گھر نہیں پہنچ سکتا۔ جس اللہ نے آپ کو بینائی عطا کی اس کے نام پر آپ سے ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ اپنا سفر مکمل کر سکوں۔
اس نے کہا میں نابینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری بینائی لوٹا دی۔ جتنا چاہو لے جاؤ اور جو چاہو چھوڑ جاؤ۔ تم آج اللہ کے نام پر جو کچھ لے جاؤ میں تم سے کچھ نہ کہوں گا۔ تو فرشتے نے کہا: اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو۔ تمہارا امتحان لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے۔

- اس حدیث میں بہت ساری نصیحتیں ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱. کتاب و سنت میں مذکور قصوں کا مقصد عبرت و نصیحت حاصل کرنا ہوتا ہے۔
۲. اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان، کہ فرشتہ کے محض چھو دینے سے سفید داغ والا، گنجا اور اندھا تینوں شفایاب ہو گئے۔
۳. فرشتے کبھی انسانوں کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں، لیکن یہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔
۴. فرشتے باضابطہ جسم رکھتے ہیں، وہ صرف روح یا معنی یا طاقت کا نام نہیں ہیں۔
۵. راوی حدیث کا روایت باللفظ (حدیث کے الفاظ کو جوں کا توں) بیان کرنے کا اہتمام۔
۶. انسان کے حق میں کیے جانے والے فیصلے سے راضی ہونا لازم نہیں ہے لیکن وہ قضا (فیصلہ) جو اللہ کا حکم ہے اس سے راضی ہونا واجب ہے، اللہ کے فعل اور کیے جانے والے فیصلے کے مابین فرق ہے، کیے جانے والے فیصلے کی قسمیں ہیں: مصائب و آلام جن سے راضی ہونا لازم نہیں ہے، اور شرعی احکام جن سے راضی ہونا واجب ہے۔
۷. کسی چیز پر معلق کر کے دعا کرنے کا جواز۔
۸. جھگڑا کرنے والے شخص کے ساتھ جو کسی بات کا اقرار نہیں کر رہا ہو اس کا منھ بند کرانے اور لاجواب کرنے کی خاطر تنزل اختیار کرنے کا جواز۔
۹. اللہ کی بے پناہ رحمتوں اور برکتوں کا ثبوت، جن کا ایک نمونہ یہ ہے کہ تینوں کو اللہ تعالیٰ نے وادیاں بھر کے نوازا۔
۱۰. اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا شکر اسی کے شایان شان ادا کیا جائے گا۔
۱۱. اپنی اصلی حالت کو چھپاتے ہوئے حقیقت کے برخلاف خود کو ظاہر کرنے (بھیس دھرنے) کا جواز (بشرطیکہ اس میں کوئی مصلحت ہو)۔
۱۲. آزمائش کبھی کھلے عام اور ظاہر ہوتی ہے، جیسا کہ ان تینوں کا قصہ مشہور ہے۔
۱۳. ورع اور زہد کی فضیلت کا بیان، جو اس صفت کے حاملین کو اچھے انجام تک لے جاتا ہے۔
۱۴. گزشتہ امتوں میں بھی وراثت کا ثبوت۔

۱۵. رضا، سخط اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، تو ہم اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے ویسے ہی ثابت کریں جو اس کے شایان شان ہے۔

۱۶. مصاحبت کا اطلاق کبھی کبھی کسی چیز میں مشابہت کی بنیاد پر بھی ہوتا ہے، اس کے لیے ساتھ ہی رہنا ضروری نہیں ہے۔

۱۷. اللہ تعالیٰ کا بندوں پر انعام کرکے پھر انہیں آزمانا۔

۱۸. تذکیر اور یاد دہانی کبھی اقوال کے ذریعے ہوتی ہے تو کبھی افعال یا حالتوں کے ذریعے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ فصلت کی آیت (﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ ﴾) کی تفسیر۔

دوسرا: ﴿ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي ﴾ کا کیا معنی ہے؟ (یعنی میں اس کا مستحق اور اہل ہوں)۔

تیسرا: ﴿ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ﴾ کا معنی اور اس کی تفسیر۔

چوتھا: ان تین افراد کے اس عجیب واقعہ میں جو عظیم عبرتیں پوشیدہ ہیں، ان کی طرف اشارہ (جیسے: سفید داغ والے، گنجے اور اندھے کے مابین فرق، کہ سفید داغ والے اور گنجے نے اللہ کی نعمت کے حصول کے بعد اس نعمت کا اور اس سے قبل کی حالت کو اللہ سے جوڑنے سے انکار کیا، جبکہ اندھے نے نعمت کے حصول کے بعد اور اس سے قبل کی حالت کو بھی اللہ سے جوڑا۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی شخص تکبر اور سرکشی کرتے ہوئے یہ نہ کہے: (میں ایسا ہوں، یہ میرا ہے، میرے پاس یہ چیزیں ہیں) ان الفاظ کے ذریعہ ابلیس، فرعون اور ہامان کو آزمایا گیا تھا، تو ابلیس نے کہا: ﴿ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ﴾ (میں اس سے بہتر ہوں)، اور فرعون نے کہا: ﴿ لِي مُلْكُ مِصْرَ ﴾ (مصر میرا ہی ہے)، اور قارون نے کہا: ﴿ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ﴾ (یہ مجھے میرے علم کی بنیاد پر دیا گیا ہے)، (انا، میں) کا سب سے بہتر استعمال گناہگار، خطاکار اور مغفرت کے طلبگار بندے کے لیے ہو سکتا ہے جو اپنے گناہوں کا معترف ہو، اور (لی، میرا) کا بہترین استعمال ان کلمات میں ہو سکتا ہے: میرا گناہ، میرا جرم، میری مسکنت اور فقیری، میری محتاجی اور عاجزی، اور (عندی، میرے پاس) کا بہترین استعمال یہ کہنا ہے: «اغْفِرْ لِي جِدِّي وَهَزْلِي وَخَطَئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذَٰلِكَ عِنْدِي» (اے اللہ تو میرے سنجیدگی اور غیر سنجیدگی میں کیے گئے گناہ، اور میرے جان بوجھ کر کیے گئے گناہ اور انجانے میں کیے گئے گناہ، سب کو معاف کر دے، تمام نوعیتوں کے گناہ میرے پاس ہیں۔)

[۵۰] اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُمَا صَٰلِحًا جَعَلَا لَهُۥ شُرَكَآءَ فِيمَآ ءَاتَىٰهُمَاۚ﴾ الآيَةَ (جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح و تندرست بچہ جیسی نعمت سے نوازا تو ان دونوں نے اس عنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا) کا باب

آیت میں مقصود شرک کی اقسام:

شرک اکبر: اگر یہ عقیدہ رکھے کہ یہ بچہ فلاں پیر کی نوازش ہے تو یہ شرک اکبر ہے، کیونکہ اس نے اس نعمت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی۔	شرک اصغر: اگر بچے کی سلامتی اور اس کے بیماریوں سے بچے رہنے کی نسبت ڈاکٹروں یا نرسوں کی طرف کرے، تو یہ شرک اصغر ہے، کیونکہ اس نے نعمت کی نسبت مُسبِب کو چھوڑ کر سبب کی طرف کی۔	شرک اصغر: عبودیت میں، وہ اس طرح کہ بچہ کی محبت اللہ کی محبت پر غالب ہو جائے اور اسے عبادت سے غافل کر دے، تو یہ شرک اصغر ہے، کیونکہ اس نے بچے کو محبت میں اللہ کا نِد اور اس کا ہمسر قرار دیا۔

دوسری دلیل:

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نام میں غیر اللہ کی عبدیت کا اظہار ہو وہ حرام ہے، مثلاً: عبد عمرو اور عبد الکعبہ وغیرہ، البتہ عبد المطلب اس سے مستثنیٰ ہے (کیونکہ عبد المطلب میں عبد غلام کے معنی میں ہے اور لوگوں نے عدم معرفت کے باعث مطلب کے بھتیجے کو مطلب کا غلام سمجھ لیا تھا۔ یہاں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں جو اللہ کے عبد سے مراد ہوتا ہے)۔

- غیر اللہ کے لیے لفظ ''عبد'' کا استعمال جائز نہیں، اور جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: «أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ» (میں مطلب کے بندے کا بیٹا ہوں) سے عبد المطلب نام رکھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے وہ کئی اعتبار سے غلط ہے، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یہ متشابہ احادیث میں سے ہے اور ہمارے نزدیک واضح اور محکم نصوص موجود ہیں جن سے اس شبہ کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔

۲- یہ حدیث مِن باب الِاخبار ہے، نہ کہ انشاء اور اقرار کے باب سے۔

٣- نبی ﷺ نے کسی کا بھی ایسا نام نہیں رکھا، اور نہ اپنے صحابہ میں سے کسی کو اس کی اجازت دی اور نہ ہی اس کا اقرار کیا۔

٤- نبی ﷺ نے اپنی نسبت دادا کی طرف اس لیے کی کہ عبد المطلب اپنی قوم کے معروف و مشہور شخص تھے، اگر آپ یوں کہتے (ابن عبد اللہ، اپنے باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے) تو لوگ آپ کو اس طرح سے نہیں پہچان پاتے جس طرح دادا کی طرف نسبت کرنے سے پہچانا۔

٥- نبی ﷺ ایسی چیز کے متعلق گفتگو فرمارہے ہیں جو گزر چکی، کیونکہ عبد المطلب اس وقت وفات پا چکے تھے۔

٦- عبد المُطَّلب نام نہیں ہے بلکہ لقب ہے، اور ان کا نام شیبۃ الحمد تھا، ان کے والد کا نام ہاشم تھا، ہاشم نے ان کو ان کے ننھیال بنو النجار کے پاس لڑکپن میں مدینہ بھیج دیا تاکہ وہیں تعلیم حاصل کریں اور نشوونما پائیں، پھر عرصہ کے بعد جب ان کے چچا المطلب مدینہ آئے تو شیبہ الحمد کو بھی اپنے ساتھ لیتے ہوئے مکہ آگئے، جب وہ مکہ پہنچے تو طویل سفر کے باعث ان کا رنگ بدل چکا تھا، لوگوں نے کہا: یہ عبد اور غلام کون ہے؟ لوگوں نے ہی جواب دیا: عبد المطلب ((مطلب کا غلام)) (یاد رہے غلامی والے معنی میں کوئی اشکال نہیں ہے)، اور اسی وقت سے ان کا یہ لقب ہو گیا، جس سے مذکورہ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

تیسری دلیل:

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «لَـمَّا تَغشَّاهَا آدَمُ حَمَلَتْ، فَأَتَاهُمَا إِبْلِيسُ، فَقَالَ: إِنِّي صَاحِبُكُمَا الَّذِي أَخْرَجْتُكُمَا مِنَ الْـجَنَّةِ؛ لَتُطِيعُنِّي أَوْ لَأَجْعَلَنَّ لَهُ قَرْنَيْ أَيِّلٍ، فَيَخْرُجَ مِنْ بَطْنِكِ فَيَشُقُّهُ، وَلَأَفْعَلَنَّ وَلَأَفْعَلَنَّ؛ يُخَوِّفُهُمَا، سَمِّيَاهُ عَبْدَ الْـحَارِثِ، فَأَبَيَا أَنْ يُطِيعَاهُ، فَخَرَجَ مَيِّتًا، ثُمَّ حَمَلَتْ فَأَتَاهُمَا، فَقَالَ مِثْلَ قَوْلِهِ؛ فَأَبَيَا أَنْ يُطِيعَاهُ، فَخَرَجَ مَيِّتًا، ثُمَّ حَمَلَتْ فَأَتَاهُمَا فَذَكَرَ لَهُمَا، فَأَدْرَكَهُمَا حُبُّ الْوَلَدِ، فَسَمَّيَاهُ عَبْدَ الْـحَارِثِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿جَعَلَا لَهُۥ شُرَكَآءَ فِيمَآ ءَاتَىٰهُمَا﴾»، "جب آدم و حوا علیہما السلام ہم بستر ہوئے تو حوا حاملہ ہوئیں، ابلیس ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکالا، تم میری بات مانو، ورنہ میں اس کے سر پر پہاڑی بکرے کے دو سینگ اگا دوں گا، جن کی وجہ سے یہ بچہ تمہارا پیٹ چیر کر نکلے گا، میں یہ

کردوں گا میں وہ کردوں گا، ایسی باتیں کر کے انہیں خوب ڈرایا دھمکایا اور کہا تم اس بچے کا نام عبد الحارث رکھنا، چنانچہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اس کی بات نہ مانی اور بچہ مردہ پیدا ہوا، حوا دوبارہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر پھر وہی بات کہی لیکن آدم وحوا علیہما السلام نے اس کی کوئی بات نہ مانی اور بچہ مردہ پیدا ہوا۔ پھر جب حوا تیسری مرتبہ حاملہ ہوئی تو شیطان پھر آیا اور وہی باتیں کرنے لگا۔ ان کے دل میں بچے کی محبت پیدا ہوئی اور انہوں نے بچے کی ولادت کے بعد اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا، یہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا معنیٰ ہے"۔ ابن ابی حاتم نے اسے روایت کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے ہی بسند صحیح حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے (وہ آیت کے متعلق) فرماتے ہیں: "آدم وحوا علیہما السلام نے شیطان کا صرف کہا مانا تھا، اس کی عبادت نہیں کی تھی"۔

نیز ابن ابی حاتم ہی نے بسند صحیح مجاہد رحمہ اللہ سے آیت کریمہ ﴿لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا﴾ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ: "آدم وحوا علیہما السلام کو یہ خدشہ تھا کہ مبادا ہمارا بچہ غیر انسان پیدا ہو"۔

حضرت حسن بصری اور سعید رحمہما اللہ وغیرہ سے بھی اس قسم کے اقوال مروی ہیں۔

- «قَرْنَيْ أَيِّلٍ»: أیل: پہاڑی بکرا کو کہتے ہیں۔
- «عبد الحارث»: چونکہ شیطان کا نام حارث ہے اسی لیے اس نے یہ نام اختیار کیا، اور مقصد یہ تھا کہ ان دونوں سے اپنی عبادت کروائے۔
- **یہ قصہ کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے:**

١. اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے، اور ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ قصہ جھوٹا اور گھڑا ہوا ہے"۔
٢. یہ بات کسی بھی صورت قابل قبول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کا ذکر تو کرے لیکن ان دونوں کی توبہ کا ذکر نہ کرے۔
٣. اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء شرک سے پاک ہیں۔
٤. لوگ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ درخت سے کھالینے والے اپنے گناہ کو یاد کرکے معذرت کرلیں گے، اور اگر ان سے شرک واقع ہوا ہوتا تو اس کو ذکر کرکے اعتذار کرنا زیادہ قوی، مناسب اور معقول تھا۔

۷. شیطان نے ان دونوں سے کہا: «إِنِّي صَاحِبُكُمَا»، (میں تمہارا وہی ساتھی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا تھا)، اور جو کسی کو بہکانا چاہتا ہے وہ اس طرح کی بات کبھی نہیں کرے گا۔

۸. ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ دونوں شیطان کی اس بات کو سچ مان لیں کہ وہ ان کے پیٹ میں پہاڑی بکرے کے دو سینگ اگا دے گا، کیونکہ یہ ربوبیت میں شرک کرنا ہے۔

۹. آیت میں (یُشرکون) کا لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے، اگر اس سے مراد آدم اور حوا علیہما السلام ہوتے تو آیت (یشرکان) تثنیہ کے صیغے کے ساتھ نازل ہوتی۔

۱۰. اس بنیاد پر آیت کریمہ سے مراد وہ بنی آدم ہیں جنہوں نے حقیقی طور پر شرک کو انجام دیا، کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ مشرک ہیں تو کچھ موحد۔

مسائل:

پہلا: ہر وہ نام جس میں عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو، حرام ہے (یہاں تک کہ عبد المطّلب بھی)۔

دوسرا: سورۂ اعراف کی آیت ﴿ فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُمَا صَٰلِحًا جَعَلَا لَهُۥ شُرَكَآءَ فِيمَآ ءَاتَىٰهُمَاۚ ﴾ کی تفسیر۔

تیسرا: قصہ مذکورہ میں جس شرک کا ذکر ہے، وہ صرف نام رکھنے کی حد تک تھا، حقیقی شرک نہ تھا (اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ شرک حقیقی تھا، اور یہ شرک بنی آدم میں سے کسی نے کیا تھا، آدم اور حوا علیہما السلام نے نہیں)۔

چوتھا: کسی کے ہاں صحیح و تندرست بیٹی پیدا ہو تو یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے (کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لڑکی پیدا ہونا سزا کی نشانی ہے، جبکہ باب نعمت میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں)۔

پانچواں: اسلاف امت عبادت میں شرک کرنے اور طاعت میں شرک کرنے میں فرق کرتے تھے (کیونکہ آدم و حوا علیہما السلام نے شیطان کی صرف اطاعت کی تھی اس کی عبادت نہیں کی تھی، اور یہ بھی اس وقت جبکہ قصہ صحیح ہو- جبکہ قصہ جھوٹا اور من گھڑت ہے-)۔

[۵۱] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ﴾ الآیۃ (اور اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم اسے انہی ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحاد (کجی) کرتے ہیں) کا باب

ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کی تفسیر میں: ﴿يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ﴾: «يُشْـرِكُونَ»، الحاد کا معنی شرک بیان کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا قول ہے کہ: «سَـمَّوُا الـلَّاتَ مِـنَ الإِلَـهِ، وَالْعُـزَّى مِـنَ الْعَزِيـزِ»، مشرکین نے "اللہ" سے "اللات" اور "العزیز" سے "العزی" مشتق کیا ہے۔ اور اعمش کا قول ہے: «يُدْخِلُونَ فِيهَا مَا لَيْسَ مِنْهَا»، اسمائے الٰہی میں الحاد سے مراد یہ ہے کہ وہ ان میں ایسے ناموں کو بھی داخل کر دیتے ہیں جو ان میں شامل نہیں ہیں۔

- اس باب میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ: "کتاب التوحید" میں صرف توحید الوہیت کا ہی ذکر ہے۔
- ﴿وَلِلَّهِ﴾: خبر کو مبتدا سے پہلے ذکر کرنا بھی توحید کو بیان کرنے کا ایک طریقہ ہے اور حصر کا فائدہ دیتا ہے، کیونکہ جس کو مؤخر ہونا چاہیے اس کو مقدم کرنا حصر کو ہی بیان کرنا ہے۔
- ﴿ٱلْحُسْنَىٰ﴾: یعنی: حسن وخوبی میں انتہا کو پہنچا ہوا، ہر جانب سے کامل و مکمل، جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔
- ﴿فَٱدْعُوهُ بِهَا﴾: اللہ عزوجل سے اس کا نام لے کر دعا کرنے کے دو معنی ہیں:

دعائے عبادت: ان ناموں کے تقاضے کے مطابق عبادت کریں، مثلاً اللہ تعالیٰ "بصیر" ہے تو اس کی صفت "بصر" کا خیال رکھتے ہوئے عبادت کریں کہ وہ انسان کو کوئی ایسا عمل کرتے ہوئے نہ دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے۔

دعائے سوال: اس کے ناموں کا وسیلہ پکڑتے ہوئے اپنی حاجتوں کو اس کے سامنے رکھیں اور کہیں: (فاغفر لي مغفرةً من عندك وارحمني؛ إنَّك أنت الغفور الرَّحيم) (اپنی طرف سے بخشش کرتے ہوئے تو مجھے معاف کر دے، میرے اوپر رحم فرما، تو بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)۔

الحاد: جس چیز کا اعتقاد رکھنا واجب ہے اس کے بر خلاف عقیدہ رکھنا، اور الحاد کی قسمیں ہیں:

اسماء وصفات میں الحاد کرنا: اس کی کئی اقسام ہیں:

۱- تمام یا چند اسماء کا انکار کرنا، جیسے جہمیہ کرتے ہیں۔

۲- اسم کو ثابت کرنا اور صفت کا انکار کرنا، جیسے کہنا: وہ سمیع بلا سمع ہے۔

۳- مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے مشبہہ کرتے ہیں۔

۴- اللہ کے ناموں سے بتوں کے ناموں کا اشتقاق کرنا، اور یہ کہنا کہ "العزی" "العزیز" سے مشتق ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ کا ایسا نام رکھنا جو اس نے خود اپنی ذات کے لیے نہیں رکھا ہے، جیسے کہنا: اللہ "ثالث ثلاثۃ" ہے (تینوں ایک ہی ہے، یعنی عقیدۂ تثلیث)، یا اللہ کا معنی: "ایجاد کرنے پر قادر ہے" سے تعبیر کرنا۔

آیات میں الحاد کرنا:

خواہ وہ آیات:

۱- شرعیہ ہوں: جیسے کوئی کہے: قرآن مخلوق ہے۔

۲- یا کونیہ ہوں: جیسے کوئی کہے: طبیعت ہی چیزوں کو پیدا کرتی ہے۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء کا اثبات (جہمیہ اور غالی معتزلہ کے بر خلاف)۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں (یعنی: حسن وخوبی میں کامل ومکمل اور انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں)۔

تیسرا: اسماء حسنیٰ کے ذریعہ دعا مانگنے کا حکم۔ (دعائے عبادت اور دعاءِ مسئلہ، اور دونوں ہی کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان ہی ناموں کے ذریعہ دعا مانگی جائے)۔

چوتھا: جو جاہل اور ملحد ان کا انکار کریں، ان سے معارضہ نہیں کرنا چاہیے (یعنی ہم ان کی راہ چھوڑ دیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان کو دعوت نہ دیں، ان کے سامنے اس کو بیان نہ کریں، اور آیت تہدید ودھمکی پر بھی مشتمل ہے)۔

پانچواں: اسماء الٰہی میں الحاد کی تفسیر۔

چھٹا: الحاد کرنے والوں کے لیے وعید شدید اور تہدید مخیف کا پتہ چلا۔

نویں قسم سے پہلا امتحان (۱۱ ابواب)

پہلا سوال: (☒) کے علامت کو صحیح جگہ رکھیں یا عبارت مکمل کریں:

۱- نویں قسم کتاب کی سب سے طویل قسم ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۲- مؤلف رحمہ اللہ نے شرک اصغر پر اس لیے زور دیا ہے کیونکہ وہ مخفی ہوتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۳- ﴿نِعۡمَتَ ٱللَّهِ﴾ : ☐ واحد ہے، اور اس سے مراد جمع ہے ☐ واحد ہے۔

۴- نعمت ہوتی ہے: ☐ محبوب چیزیں عطا کر کے ☐ ناپسندیدہ چیزیں دور کر کے ☐ مذکورہ سبھی کے ذریعہ۔

۵- ﴿ثُمَّ يُنكِرُونَهَا﴾ : ☐ اس کے وجود کا انکار کر کے ☐ اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے انکار کر کے۔

۶- فلائٹ لینڈنگ کے وقت تالی بجا کر پائلٹ کا شکریہ ادا کرنا: ☐ جائز ہے ☐ جائز نہیں ہے۔

۷- نعمت کی اضافت غیر اللہ کی طرف کرنا، شرکِ: ☐ اکبر ہے ☐ اصغر ہے۔

۸- بنی آدم کے دلوں میں شرک: ☐ رات کے اندھیرے میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہے ☐ ظاہر اور واضح ہے۔

۹- اللہ کی جھوٹی قسم کھانا: ☐ شرک اصغر ہے ☐ گناہ کبیرہ ہے ☐ حرام ہے ☐ اس میں تفصیل ہے۔

۱۰- غیر اللہ کی سچی قسم کھانا: ☐ شرک اصغر ہے ☐ گناہ کبیرہ ہے ☐ حرام ہے ☐ اس میں تفصیل ہے۔

۱۱- شرک کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا، گرچہ شرک اصغر ہی کیوں نہ ہو: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۲- ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کی جھوٹی قسم کھانا غیر اللہ کی سچی قسم کھانے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے: (☐ صحیح ☐ غلط)، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نہ تو اسے پسند کرتے تھے اور نہ ہی اُسے: (☐ صحیح ☐ غلط)۔

۱۳- یہ کہنا کہ: میں تمہاری لیے کس چیز کی قسم کھاؤں تاکہ تم میری تصدیق کر سکو: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۱۴- (ما شاء اللہ و شاء فلانٌ، جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے) کہنے والا اگر یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں خالق (اللہ) سے عظیم ہے یا اس کے مساوی ہے تو یہ شرکِ (☐ اکبر ہے ☐ اصغر ہے) اور اگر یہ عقیدہ رکھے کہ اس سے کم ہے تو شرک (☐ اکبر ہے ☐ اصغر ہے)۔

۱۵- (تیری امانت کی قسم) یا: (امانت کی قسم) کہنا: ☐ شرک اصغر ہے ☐ گناہ کبیرہ ہے ☐ جائز ہے۔

۱۶- شرک کے بارے میں علم حاصل کرنا واجب ہے تاکہ انسان اس میں واقع نہ ہو جائے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۷- شرک اکبر کے بارے میں نازل آیت کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی تفسیر کرتے تھے کہ وہ شرک اصغر کو بھی شامل ہو جاتی تھی: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۸- یمین غموس کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم کھائے: ☐ جھوٹی ☐ تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلم کا مال ہڑپ کر جائے۔

۱۹- "واو" چاہتا ہے:(☐ ترتیب ☐ مُساوات) تو وہ (☐ شرک ہو گا ☐ جائز ہو گا)۔
۲۰- اگر اللہ کی قسم کھانے والا سچا اور ثقہ نہ ہو تو: (☐ آپ کو اختیار ہے ☐ آپ کو اختیار نہیں ہے) کہ اس کی قسم سے راضی ہونے سے انکار کر دیں۔
۲۱- نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی، یا ماں کے حیات کی، یا ذمہ کی، یا اپنی گردن کی، یا عزت وجلال کی قسم کھانا: ☐ ان چیزوں میں سے ہے جن میں لوگ عمومی طور پر مبتلا ہیں ☐ شرک اصغر ہے۔
۲۲- «يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا» یعنی: ....
۲۳- اس قسم پر صرف یہودی ہی نے کیوں متنبہ کیا؟ ....
۲۴- یہودی کہتے ہیں جو شریعت (☐ عیسی علیہ السلام ☐ موسی علیہ السلام) کی طرف منسوب ہو، اور وجہ تسمیہ: (☐ ان کا یہ قول ہے: ﴿إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ﴾ ☐ کیونکہ ان کے جد امجد کا نام یہوذا تھا ☐ مذکورہ سبھی)۔
۲۵- نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا شرک اصغر پر اکبر کے ذریعہ دلیل پکڑنا اپنے اس فرمان میں: «أَجَعَلْتَنِي لله نِـدًّا» (☐ صحیح ہے ☐ غلط ہے)، اور نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ان کی رہنمائی ایسی چیز کی طرف کی جو: (☐ ان سے شرک کے ہر ذریعہ کو کاٹ دے گرچہ وہ دور کا ہی کیوں نہ ہو ☐ شرک ترک کرا دے)۔
۲۶- جب کوئی شخص سلام کرتے ہوئے آپ کے لیے جھکے: (☐ اس کا انکار کیا جائے گا ☐ اس میں کوئی حرج نہیں ☐ اگر ایسا کرنے سے حیا آپ کو روک لے تو کوئی حرج نہیں)، اور اگر آپ اس کا انکار نہیں کرتے ہیں تو آپ: (☐ طاغوت ہیں ☐ مُوحد ہیں)۔
۲۷- نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی تعظیم ان لفظوں میں کرنا جو خالق سے مساوات کا متقاضی ہوں: ☐ شرک ہے ☐ اس کا دارومدار نیت پر ہے، اگر اس سے مقصود توقیر اور تعظیم ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔
۲۸- یہود کی برائیاں تو بہت ساری ہیں، لیکن ان کا ﴿عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ﴾ کہنے کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ: یہ سب سے سنگین اور ان کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور تھا: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۲۹- «يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا»: ☐ حیا انکار باطل کرنے سے ☐ اللہ کے حکم کے بغیر اس سے روکنے سے۔
۳۰- صحیح یہ ہے کہ: ☐ پہلے استدلال پھر اعتقاد ☐ پہلے اعتقاد پھر استدلال۔
۳۱- نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے شرف وعزت کی بات یہ ہے کہ آپ: ☐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں ☐ محمدؐ بن عبد اللہ ہیں۔
۳۲- اچھا خواب کہتے ہیں: ☐ جو صلاح پر مشتمل ہو ☐ جو منظم طور پر نظر آئے ☐ مذکورہ سبھی۔
۳۳- خواب اگر غیر منظم ہو تو یہ شوریدہ پریشان خواب ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔
۳۴- برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں: (☐ صحیح ☐ غلط) اور سنت یہ ہے کہ اسے: (☐ تعبیر بتانے والے کے پاس اسے بیان کرے ☐ اپنے دائیں جانب تین دفعہ تھوکے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے)۔
۳۵- قرائن اگر خواب کے شریعت مخالف ہونے پر دلالت کریں تو: ☐ اس کا اعتبار کیا جائے گا ☐ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔
۳۶- اپنی بیوی سے کہنا: (میری زندگی کا سب سے تاریک دن میری شادی کا دن ہے): ☐ جائز ہے ☐ جائز نہیں ہے۔
۳۷- صحیح یہ ہے کہ: ☐ اذیت سے نقصان لازم نہیں آتا ہے ☐ اذیت سے نقصان لازم آتا ہے۔

۳۸- اللہ تعالیٰ کے تمام نام اچھے ہیں، جبکہ زمانہ اسم جامد ہے جس کا کوئی خاص معنی نہیں سوائے اس کے کہ یہ اوقات کا ایک نام ہے:☐ صحیح ☐ غلط، «**اور میں ہی زمانہ ہوں**» یعنی: ....

۳۹- (زمانہ غدار ہے) کہنا:☐ حرام ہے ☐ جائز ہے کیونکہ یہ من باب الاخبار ہے۔

۴۰- (فلاں قحط کے سال پیدا ہوا) کہنا:☐ حرام ہے ☐ جائز ہے کیونکہ یہ من باب الاخبار ہے۔

۴۱- اے زمین! اپنے اوپر بسنے والوں کی حفاظت فرما، کہنا:☐ یہ غیر اللہ سے دعا کرنا (شرک) ہے ☐ جائز ہے۔

۴۲- زمانہ کو گالی دینے کی قسمیں: ۱-..............................اس کا حکم..................

۲-....................اس کا حکم.........۳-...................اس کا حکم........

۴۳- (قدرت بڑی عجیب وپر اسرار ہے) کہنا، یا: (یہ قدرت کا کام ہے) کہنا:☐ صحیح ☐ غلط۔

۴۴- قاضی الزام اور افتاء کے مابین جمع کرے گا:☐ صحیح ☐ غلط۔

۴۵- (ساتویں صدی کے قاضی القضاۃ) کہنا:☐ جائز ہے ☐ بہتر اس کا ترک کرنا ہے۔

۴۶- شیخ الاسلام یعنی:☐ شیخ مطلق جو اسلام کا مرجع ہے ☐ مجدد دین، اور جنہوں نے اسلام کے دفاع میں مؤثر کردار ادا کیا۔

۴۷- (☐ مناسب ہے ☐ نامناسب ہے) کہ موصوف اس بات کا خیال رکھے کہ خود بینی اور غرور میں مبتلا نہ ہو۔

۴۸- اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نام وہ ہے جو خشوع وخضوع اور خاکساری پر دلالت کرے، جیسے: (☐ شاہان شاہ ☐ عبد الرّحمن) اور اللہ کے نزدیک سب سے گھٹیا نام وہ ہے جو: (☐ جبروت ☐ قوت ☐ تعظیم ☐ سبھی) پر دلالت کرے، اور اسی لیے اس کی خواہش کی ضد کے ذریعہ سزا دے کر اس کی توہین کی گئی: (☐ صحیح ☐ غلط)۔

۴۹- ملک الأملاک اور قاضی القضاۃ نام رکھنا:☐ جائز ہے ☐ حرام ہے ☐ گناہ کبیرہ ہے۔

۵۰- کنیت وہ ہے جس کے پہلے: (أب) یا (أمّ) یا (أخ) یا (عمّ) یا (خال) لگا ہوا ہو، اور یہ ہوتا ہے:☐ مدح کے لیے ☐ ذم کے لیے ☐ کسی چیز کے ساتھ لزوم اور مصاحبت بتانے کے لیے ☐ عَلَمیت کے لیے ☐ مذکورہ سبھی۔

۵۱- ایسے صحابہ بھی تھے جن کا نام حکیم یا حکم تھا لیکن نبی ﷺ ان کو تبدیل نہیں کیا کیونکہ ان کا مقصد محض علمیت تھا: (☐ صحیح ☐ غلط) اللہ تعالیٰ کے ایسے ناموں کے ذریعہ نام رکھنا ممنوع ہے جو: (☐ اسی کے ساتھ خاص ہوں ☐ جس میں صفت ملحوظ ہو ☐ مذکورہ سبھی)۔

۵۲- کنیت رکھنے کا حکم:☐ مباح ہے ☐ مُستَحب ہے.

۵۳- (جس نے کسی ایسی چیز کے ساتھ مذاق کیا جس میں اللہ کا، یا قرآن کا، یا رسول کا ذکر ہو) اور رسول سے مراد ہیں: ☐ محمدؐ ﷺ ☐ تمام رسل علیہم السلام۔

۵۴- مذاق اڑانے والے کے ایمان کی نفی بڑی سنگین نفی ہے، اور یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ایک مسلمان اس کی خطرناکی کو نہ جانتا ہو:☐ صحیح ☐ غلط۔

۵۵- مذاق اڑانے والے کی توبہ کی شرطیں: ۱-..

۲-..................................۳-..

٥٦- استہزا کے باب میں کامل احتیاط اور دور اندیشی ضروری ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

٥٧- کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کو گالی دینے والوں کا دفاع کرتے ہیں، لیکن جب انہیں یا ان کی ماں کو گالی دی جائے تو ان کے اندر حمیت جاگ جاتی ہے: ☐ صحیح ☐ غلط.

٥٨- واجب ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کی خطرناکی کو واضح کیا جائے کہ یہ ملت سے خارج کر دینے والا کفر ہے اور ہم اس انتظار میں نہ رہیں کہ لوگوں کی جانب سے گالی یا استہزا کا صدور ہو تب ہم ان کو بتائیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٥٩- کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: ہم گالی دینے والے اور مذاق اڑانے والے سے پوچھیں گے کہ اس کا مقصد گالی دینا ہے یا نہیں، ان کا ایسا کہنا: ☐ باطل ہے ☐ صحیح ہے۔

٦٠- خالق پر مخلوق کے حق کی تعظیم کی دلیل یہ کہنا ہے کہ گالی دینے والے کو غضب کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا، جبکہ رئیس یا باپ کو گالی دینے یا نوٹ پھاڑ دینے کی صورت میں معذور نہیں سمجھا جائے گا: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٦١- بعض ممالک میں اس سلسلے میں سختی اختیار کرنا الحمد للہ ثمر بار ثابت ہوا، جبکہ بعض دوسرے ممالک میں اس سلسلے میں سستی نے بڑے چھوٹے سبھی کو گالی دینے پر جری کر دیا: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٦٢- استہزا کرنے والا، بت کو سجدہ کرنے والے سے زیادہ برا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٦٣- عین ممکن ہے کہ آپ یہود و نصاری کو نہیں سنیں گے کہ وہ رب یا موسی علیہ السلام یا عیسی علیہ السلام یا دین کو گالی دیں، لیکن جو دین کے دعویدار ہیں ان کو آپ گالی دیتے ہوئے سنیں گے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٦٤- حقیقی مومن کے سامنے جب قرآن اور حدیث کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ڈرتا ہے اور اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ منافق ہنسی مذاق استہزا اور کھیل کود کرتا ہے اور لوگوں کو ہنسانے والی باتیں کرتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٦٥- ایسی ویڈیو جس میں آپ کی ماں کو گالی دی گئی ہو، کیا آپ اس کو سنیں گے یا نشر کریں گے؟ تو پھر کیا آپ اس ویڈیو کو سنیں گے یا نشر کریں گے جس میں تمام مومنوں کی ماں کو گالی دی گئی ہو؟ ☐ ہاں ☐ نہیں۔

٦٦- جس کے پاس ایسی آڈیو یا ویڈیو آئے جس میں گالی گلوج ہو، اس پر واجب ہے: ☐ سننا اور نشر کرنا ☐ فوراً اسی وقت ڈیلیٹ کرنا۔

٦٧- ایسی فائلیں جمع کرنا جن میں گالی اور استہزا ہو، یہ طریقۂ: ☐ سلف ہے ☐ منافقین ہے۔

٦٨- گالی یا استہزا کی وجہ سے مرتد ہونا بڑا سنگین معاملہ ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ ایسے شخص کی توبہ مقبول نہیں، اور لازم ہے کہ بادشاہ وقت اس کا سر قلم کرے، اور اس کی نہ تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی، نہ اس کے لیے رحمت کی دعا کی جائے گی اور نہ ہی اس کو مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٦٩- گالی دینے والا اگر کہے کہ اس نے توبہ کر لیا ہے اور پھر گالی دے تو یہ اس کے جھوٹا ہونے کی علامت ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٧٠- منافق جب گالی دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا یہ مقصد نہیں تھا، یہ تو بس ایک زبانی کلام تھا: ☐ صح ☐ خطأ.

٧١- استہزا کرنے والے کے سچی توبہ کی دلیل یہ کہنا ہے کہ: گالی دینا اور استہزا کرنا کفر ہے، اور ایسا کرنے والے سے اللہ کے نزدیک براءت کا اظہار کرے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

٧٢- جو گالی یا استہزا سنے اور اس کا انکار نہ کرے یا وہاں سے نہ چلا جائے تو اس کا حکم استہزا کرنے والے کے مانند ہے: ☐

صحیح ☐ غلط۔

۷۳- شیطان کبھی کبھی خیر کا دروازہ لوگوں کو کفر میں ڈالنے کے لیے وا کرتا ہے، جیسے یہ آدمی غزوۂ تبوک میں شامل تھا: ☐

صحیح ☐ غلط۔

۷۴- استہزا کرنے والے کی حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کو گالی دینے والا کافر ہے: (☐ صحیح ☐ غلط) کیونکہ ان میں طعن کرنا گویا (☐ اللہ ☐ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ☐ دین ☐ صحابہ ☐ مذکورہ سبھی) میں طعن کرنا ہے۔

۷۵- جس کے عفو ودر گزر کا مطلب اصلاح کے بجائے فساد برپا کرنا ہو وہ اس عفو کی وجہ سے: (☐ گناہگار ہو گا ☐ گناہگار نہیں ہو گا)۔

۷۶- انسان نعمت کی اضافت جب اپنے علم یا کمائی کی طرف کرے تو یہ شرک فی (☐ الربوبیت ہے ☐ العبودیَّت ہے) اور جب اس کی اضافت تو اللہ کی طرف کرے لیکن یہ گمان رکھے کہ وہ اس کا مستحق ہے تو اس میں ایک طرح کا ترفع وتعلی اور خود بینی و تکبر ہے: (☐ صحیح ☐ غلط)۔

۷۷- وہ قضا جو اللہ کا فعل ہے اس سے راضی رہنا (☐ واجب ہے ☐ واجب نہیں ہے) اور مقضی (جس کا فیصلہ ہوا ہے) اگر مصائب ہوں تو اس سے راضی ہونا لازم نہیں ہے: (☐ صحیح ☐ غلط).

۷۸- اندھا، گنجا اور سفید داغ والے کے مابین فرشتے سے طلب کرنے میں کوئی فرق نہیں تھا: ☐ صحیح ☐ غلط.

۷۹- عبد المطلب نام رکھنا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۸۰- پھول کی کسی قسم کا نام عباد الشمس (سورج کا بندہ) رکھنا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۸۱- جو نام رکھنا صحیح نہیں ہے اس کے گرد گول دائرہ (○) بنائیں: (عبد المُطّلب – عبد الكعبة – عبد مَنافٍ – عبد الحُسين – عبد النّبيّ – عبد الحارث – فرعون – خِنزب – عاصيةُ – سُلطان السّلاطين – سيّد النّاس – غلام عليّ – ربُّ العالمين – الرّحمن – الخالق – عبد السّتّار – عبد النّور – بُطرس – جورج – سيّد السّادات – ستُّ النّساء – عبد النّاصر).

۸۲- روافض کے غلو میں سے جو چیزیں مسلمانوں میں سرایت کر گئی ہیں ان کی ایک مثال بندگی ظاہر کرتے ہوئے بچے کا نام (غلام علی) رکھنا ہے، یعنی (علی کا بندہ اور غلام) یہ غیر اللہ کے لیے بندگی ظاہر کرنا ہے جو کہ شرک ہے:

☐ صحیح ☐ غلط۔

۸۳- جو شخص کسی دوسرے کے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا ہو اس کا یہ کہنا: (میں حکم کا غلام ہوں):

☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۸۴- آدم وحوا عَلَيْهِمَا السَّلَام کا قصہ: ☐ صحیح ہے ☐ باطل ہے۔

۸۵- شیطان نے "عبد الحارث" نام اس لیے اختیار کیا کہ:

☐ یہ اس کا نام ہے ☐ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "حارث" سب سے سچا نام ہے۔

۸۶- حارث نام رکھنا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۸۷- علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیا شرک سے پاک ہیں، اور جو شخص اس سلسلے میں گفتگو کرے یا ان سے سرزد ہوئی

چیزوں کو تلاش کرے، وہ: ☐ منافق ہے ☐ مُوحد ہے۔

۸۸- اللہ کے ناموں سے دعا کرنا، دعائے: ☐ عبادت ہے ☐ مسئلہ ہے ☐ مذکورہ سبھی۔

۸۹- کتاب التَّوحید: ☐ توحید کی تینوں قسموں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے ☐ اس میں صرف توحید عبادت کا ذکر ہے۔

۹۰- اسماء میں الحاد کی قسمیں ہیں: ☐ دو ☐ پانچ۔

۹۱- ﴿وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ﴾ یعنی: ☐ ہم نہ تو ان کو دعوت دیں اور نہ ہی ان کے سامنے بیان کریں ☐ ان کی راہ ترک کر دیں:

۹۲- اسماء وصفات میں الحاد کی قسمیں ہیں: ۱-.......................................

۲-....................................۳-..

۴-....................................۵-..

[۵۲] السَّلَامُ عَلَى اللہِ نہیں کہا جائے گا (ایسا کہنا حرام ہے)

کیوں؟

کیونکہ یہ حقیقت کے مخالف ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے دعا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے گی، وہ ہم سے بے نیاز ہے، لیکن صفات کمال کے ذریعہ اس کی حمد وثنا بیان کی جائے گی۔

کیونکہ اس طرح سے دعا کرنا اس کے حق میں نقص کے وہم میں مبتلا کرتا ہے، کیونکہ کسی بھی چیز کے لیے سلامتی کی دعا اسی وقت کی جائے گی جب وہ اس کا محتاج ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ جملہ نقائص وعیوب سے پاک ہے۔

پہلی دلیل:

صحیح میں روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نماز میں جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تو ہم: (السَّلَامُ عَلَى اللهِ مِنْ عِبَادِهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ)، "اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو، فلاں فلاں شخص پر بھی سلام ہو) کہتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**لَا تَقُولُوا: السَّلَامُ عَلَى اللهِ؛ فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ**». "**اللہ تعالیٰ پر سلامتی ہو نہ کہا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود "السلام" (سلامتی والا) ہے**"۔

- **السّلام** اسم ثبوتی سلبی ہے، سلبی اس معنی میں کہ اس سے ہر اس نقص اور عیب کی نفی مراد ہے جس کا ذہن تصور کر سکتا ہے، یا عقل خیال کر سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات یا صفات یا افعال یا احکام میں کسی طرح کا کوئی نقص لاحق نہیں ہو سکتا۔ اور ثبوتی اس معنی میں ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے اس اسم اور صفت کو ثابت کرنا ہے، جس کو یہ متضمن ہے، یعنی السلامۃ (سلامتی)۔
- اور السّلام کے کئی معانی ہیں:

التّحیہ (سلام)، جیسے کسی کو کہا جاتا ہے: فلاں کو سلام کرو۔

نقص اور آفت سے سلامتی کی دعا، جیسے ہمارا کہنا: (السّلام علیك أیُّها النّبيُّ)، (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلامتی ہو)۔

السّلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

مسائل:

پہلا: سلام کی تفسیر ووضاحت (کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ایک نام ہے، جس کا معنی ہے: ہر طرح کے نقص وعیب سے پاک اور محفوظ)۔

دوسرا: یہ کلمہ مسلمانوں کا ایک دوسرے کے لیے تحفہ ہے۔

تیسرا: یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہنا درست نہیں ہے۔ (اور جب یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہنا درست نہیں ہے اس کا مطلب ہے کہ حرام ہے)۔

چوتھا: اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ لفظ نہ کہنے کی علت وسبب کا پتہ چلا (وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی "السَّلام (سلامتی والا)" ہے)۔

پانچواں: اس تحیہ کی تعلیم جو اللہ تعالیٰ کے لیے زیبا ہے (یعنی تشہد میں: التحیات للہ والصلوات... کہنا)۔

[۵۳](اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ)(اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے) کہنے کا حکم (دعا میں اس طرح سے استثنا کرنا حرام ہے)

یہ باب اللہ تعالیٰ کے کمال سلطان اور اس کے فضل واحسان کو بیان کرتا ہے، اور **(اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ)** کہنے سے جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ کہ:

- اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی زبردستی کرنے والا ہے، جبکہ ایسی بات نہیں ہے۔
- اس سے یہ محسوس ہوتا ہے یہ معاملہ اللہ کے لیے بہت بڑا ہے جو اس کے لیے ثقیل اور عاجز کردینے والا ہے، جبکہ ایسی بات نہیں ہے۔
- اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ انسان اللہ سے بے نیاز ہے، جو کسی بھی صورت مناسب نہیں اور یہ ادب کے بر خلاف ہے۔

پہلی دلیل:

صحیح میں حضرت اَبوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ؛ فَإِنَّ اللهَ لَا مُكْرِهَ لَهُ»، "تم میں سے کوئی یوں دعا نہ کرے کہ، اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے، اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق سے سوال ودعا کرے کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے والا اور اس پر دباؤ ڈالنے والا نہیں"۔

اور مسلم کی روایت ہے: «وَلْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ؛ فَإِنَّ اللهَ لا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ أَعْطَاهُ»، "اور چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بڑی رغبت اور خواہش کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز بڑی نہیں ہے جسے وہ نوازنا چاہے"۔

دعائے استخارہ میں جو تعلیق ہے وہ تعلیق اللہ کی مشیئت سے متعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ہمارے پاس مجہول اور غیر متعین شئے کے متعلق ہے، ہم نہیں جانتے کہ ہمارے لیے کیا بہتر ہے؟ درج ذیل حدیث بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے: **«أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي»، "جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو مجھے زندہ رکھ"۔**

مسائل:

پہلا: دعا میں استثنا کی ممانعت (یعنی یوں نہیں کہنا چاہیے کہ: یا اللہ! تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے)۔

دوسرا: دعا میں استثنا کی ممانعت کی علت بیان ہوئی ہے۔

تیسرا: نبی ﷺ کے فرمان: «لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ» **(اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق سے سوال و دعا کرے)،** (یعنی اللہ تعالیٰ سے جب دعا کرے تو پوری عزیمت کے ساتھ بنا کسی تردد کے دعا کرے)۔

چوتھا: اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی رغبت و خواہش کرنے کا حکم (یعنی: جو بھی چاہے اللہ تعالیٰ سے مانگے، کیونکہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل یا ناممکن نہیں ہے)۔

پانچواں: اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی رغبت و خواہش کرنے کے حکم کی علت کا پتہ چلا ([۱] شریعت کی بلندی بیان کرنے کے لیے [۲] انسان کے اطمینان میں اضافہ کے لیے [۳] قیاس کو ثابت کرنے کے لیے کہ جب احکام میں کوئی مسئلہ پیش آجائے اور علت میں مشارکت ہو)۔

[٥٤] (عَبْدِي وَأَمَتِي) کہنے کی ممانعت

(عبدي) یا (أمتي) کہنے کا حکم:

- اس کی اضافت اپنی ذات کی طرف کرے: اس کی دو صورتیں ہیں:
  - یہ خبر کے صیغہ سے ہو: جیسے کہے: (میں نے اپنے عبد-غلام- کو کھانا کھلایا) یا (میں نے اپنے عبد کو آزاد کر دیا)، اس میں تفصیل ہے:
    - اگر یہ عبد یا امۃ (غلام یا لونڈی) کی غیر موجودگی میں کہے تو جائز ہے۔
    - اگر یہ عبد یا امۃ (غلام یا لونڈی) کی موجودگی میں کہے تو دیکھیں گے کہ آیا اس کا کوئی مفسدت ہے جس کا تعلق غلام یا لونڈی سے ہے، اگر مفسدت پائی جائے گی تو ممنوع ہوگا ورنہ جائز۔
  - یہ ندا (پکار) کے صیغہ سے ہو: جیسے کہے: (اے میرے عبد-غلام-) تو یہ ممنوع ہے۔
- اس کی اضافت غیر کی طرف کرے: مثلاً کہے:: (عبد فلاں) یا (امۃ فلاں)، یہ جائز ہے۔

پہلی دلیل:

صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، وضِّئْ ربَّكَ، ولْيَقُلْ: سَيِّدِي وَمَوْلَايَ، وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُم: عَبدِي وَأَمَتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وفتَاتِي وَغُلَامِي»، "تم میں سے کوئی (اپنے غلام کو) یوں نہ کہے کہ: اپنے رب (آقا) کو کھانا کھلاؤ، اپنے رب (آقا) کو وضو کراؤ، بلکہ یوں کہے: میرا سید (سردار) میرا مولا (آقا)، اور تم میں سے کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو میرا عبد یا امۃ (میرا بندہ یا بندی) نہ کہے، بلکہ یوں کہے: فتای، فتاتی اور غلامی (میرا خادم، میری خادمہ اور میرا غلام)"۔

- «لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، وضِّئْ ربَّكَ»: کیونکہ اس میں حد ربوبیت سے تجاوز کرنا ہے۔

- «وَلْيَقُلْ: سَيِّدِي وَمَوْلَايَ»: یہ خطاب عبد (غلام) کو ہے، اور یہ وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ ارشاد مباح ہے، کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ: امر (حکم) جب کسی ممنوع شئے کے مقابلہ میں آئے تو وہ اباحت کا فائدہ دیتا ہے، جیسا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو)۔

«وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُم»: نھی، یا تو تحریم کے لیے ہے یا کراہت کے لیے، تاکہ یہ وہم نہ پیدا ہو کہ یہاں وہی عبودیت اور بندگی مراد ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے۔«عَبْدِي (میرا بندہ)»: غلام کے لیے

«وَأَمَتِي (میری بندی)»: لونڈی کے لیے۔

- «وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وفَتَاتِي وَغُلَامِي»: یہ خطاب سید اور آقا کو ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت جب حرام کا دروازہ بند کرتی ہے تو جواز کا دروازہ بھی کھولتی ہے، اس میں تحقیق توحید کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ الفاظ میں بھی محتاط رہنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

مسائل:

پہلا: (عَبْدِي وَ أَمَتِي) (میرا بندہ اور میری بندی) کے الفاظ کہنے منع ہیں۔

دوسرا: کوئی غلام اپنے آقا کو (رَبِّي) (میرا رب) نہ کہے، اور نہ کسی غلام کو یوں کہا جائے: (أَطْعِمْ رَبَّكَ) (اپنے رب کو کھانا کھلاؤ)۔

تیسرا: مالک اور آقا کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ (عَبْدِي وَأَمَتِي) (میرا بندہ اور میری بندی) کہنے کے بجائے (فَتَايَ وَ فَتَاتِي وَ غُلَامِي) (میرا خادم، میری خادمہ اور میرا غلام) کہے۔

چوتھا: غلام کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے آقا کو (سَيِّدِي وَمَوْلَايَ) (میرا سردار اور میرا آقا) کے الفاظ سے پکارے۔

پانچواں: اس میں اصل مقصود یہ ہے کہ عقیدۂ توحید مکمل طور پر پختہ ہو حتیٰ کہ الفاظ کے استعمال میں بھی توحید کے پیش نظر احتیاط شرط ہے۔

[۵۵] اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا جائے (تحریم یا کراہت کے لیے ہے)۔

اللہ کے نام پر سوال کرنے کی اقسام:

اللہ کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اللہ کے نام پر سوال کرے: جیسے کوئی کہے: میں اللہ کے نام کا واسطہ دے کر آپ سے سوال کرتا ہوں۔

اللہ کی شریعت کے تحت سوال کرے: یعنی ایسا سوال کرے جس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے، جیسے فقیر صدقہ کا سوال کرے۔

کیا کسی انسان کے لیے اللہ کا نام لے کر سوال کرنا جائز ہے؟

بنا حاجت یا ضرورت سوال کرنا بذات خود حرام یا مکروہ ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بیعت کی تھی کہ وہ کسی انسان سے کچھ نہیں مانگیں گے، رہی بات سائل کی حاجت پوری کرنے کی، تو سائل مندرجہ ذیل حالتوں سے خالی نہیں ہوگا:

مجرد سوال: جیسے کہے: (اے فلاں مجھے کچھ دے) اگر وہ ایسی چیز کا سوال ہے جس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے تو دیدے۔

اللہ کا نام لے کر سوال:: تو اسے دیا جائے گا گرچہ وہ اس کا مستحق نہ ہو چونکہ اس نے بڑی عظیم ہستی کا نام لے سوال کیا ہے لہٰذا اس ہستی کی تعظیم کی خاطر اسے دیا جائے گا، لیکن سوال اگر گناہ کا ہو، یا مانگ پوری کرنے میں مسؤول کو نقصان پہنچے تو نہیں دیا جائے گا۔

پہلی دلیل:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «مَنِ اسْتَعَاذَ بِالله فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِالله فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُوهُ فَادْعُوا لَهُ، حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ». ”جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اسے پناہ دو، جو شخص اللہ کے نام پر سوال کرے اسے دو، اور اور جو شخص تمہاری دعوت کرے اس کی دعوت قبول کرو، اور جو شخص تمہارے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرے تم بھی اس کا بدلہ دو، اگر تم بدلہ نہ دے سکو تو اس کے حق میں اس قدر دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے“۔ اس حدیث کو ابو داود اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

- «فَأَعِيــــذُوهُ» (اسے پناہ دو): الا یہ کہ یہ پناہ مانگنا ایسی چیز سے ہو جو اس پر واجب ہے، یا گناہ اور سرکشی کے نام پر پناہ مانگے۔
- «فَـأَجِيبُوهُ»: اس سے مراد وہ دعوت ہے جو تکریم کی خاطر ہو نہ کہ ندا کی خاطر، جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ دعوت قبول کرنا مستحب ہے سوائے ولیمہ کی دعوت کے، اسے قبول کرنا چھ شروط کے ساتھ واجب ہے:

۱. داعی ایسا شخص نہ ہو جس کا ہجران (بائیکاٹ) واجب یا سنت ہو، ورنہ دعوت قبول نہیں کی جائے گی۔
۲. دعوت والی جگہ میں منکر انجام نہ دیا جارہا ہو، اگر وہاں منکر انجام دیا جارہا ہو اور اس کے ازالہ کی طاقت رکھتا ہو تو اس پر دعوت قبول کرنے اور تغییر منکر کی خاطر وہاں حاضر ہونا واجب ہے۔
۳. دعوت دینے والا مسلمان ہو ورنہ دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہے۔
۴. میزبان کی کمائی حرام نہ ہو۔
۵. دعوت قبول کرنا کسی وجوب ساقط کرنے کا سبب نہ بنے، اور نہ ہی ایسی چیز سے رکاوٹ کا سبب بنے جو دعوت سے بڑھ کر واجب ہو۔
۶. دعوت قبول کرنے کی وجہ سے دعوت قبول کرنے والے کو کوئی نقصان نہ پہنچے، جیسے دور دراز کا سفر ہو، یا اہل وعیال سے جدائی کا باعث ہو اور وہ اس کی موجودگی اپنے درمیان ضروری سمجھتے ہوں۔

- کیا تقسیم کیا جانے والا دعوتی کارڈ بالمشافہ دی جانے والی دعوت کے مانند ہے؟ جب یہ معلوم ہو یا غالب گمان ہو کہ جس نے یہ کارڈ بھیجا ہے اس کا مقصد وہی ہے جو سامنے آکر دعوت دینے والے کا ہوتا ہے، تو اس کا حکم آمنے سامنے دعوت دیے جانے کے مانند ہے۔
- «فَكَافِئُوهُ»: بدلہ چکانے کے دو فائدے ہیں:

۱. بھلائی کرنے والے کو مزید بھلائی کرنے پر ترغیب دلانا ہے۔
۲. اس کے ذریعہ انسان شرمندگی کے اس حصار کو توڑتا ہے جو اس کے ساتھ کسی کے بھلائی کرنے کے سبب قائم ہوتا ہے۔

مسائل:

پہلا: جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اسے پناہ دی جائے (جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اس کو پناہ دیناواجب ہے، الا یہ کہ وہ ایسی چیز سے پناہ طلب کرے جس میں کوئی شرعی رکاوٹ ہو، تو ایسی صورت میں اسے پناہ نہیں دی جائے گی)۔

دوسرا: جو شخص اللہ کا نام لے کر سوال کرے، اسے کچھ نہ کچھ دیناچاہیے۔

تیسرا: دعوت قبول کرنے کا حکم۔

چوتھا: کسی کے حسن سلوک کا بدلہ چکا دیناچاہیے (یعنی جو آپ کے ساتھ بھلائی کرے آپ بھی اس کے ساتھ بھلائی کریں)۔

پانچواں: جو شخص احسان کا بدلہ نہ دے سکتا ہو، وہ محسن کے حق میں دعا ہی کر دے (کیونکہ ایسی صورت میں یہی اس کے احسان کا بدلہ چکانا ہے، اور ایسی چیزوں میں بھی دعا کے ذریعے احسان چکائے جن کا عادتاً کسی سامان کے ذریعہ بدلہ نہیں چکایا جاتا)۔

چھٹا: نبی ﷺ کا فرمان: «حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ»، **"محسن کے حق میں اس قدر دعا کرے کہ یقین ہو جائے کہ اب بدلہ چکایا جا چکا ہے"**۔ (محسن کے حق میں دعا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، بلکہ بدلہ چکا دینے کے یقین یا گمان غالب ہونے تک دعا کرتا رہے)۔

[٥٦] اللہ کے "وجہ" کے واسطے سے صرف جنت مانگی جائے

باب کے عنوان کا معنیٰ:

یعنی: کسی مخلوق سے اللہ کا واسطہ دے کر جنت نہ مانگو، کیونکہ مخلوق جنت دینے پر قدرت نہیں رکھتی ہے۔

یا: جب اللہ کا واسطہ دے کر مانگو تو جنت ہی مانگو دنیاوی شئے نہ مانگو۔

اس میں اللہ کے وجہہ کی تعظیم ہے کہ اسکے وجہ کریم کا واسطہ دیکر جنت ہی مانگی جائے یا جو جنت تک لیجائے۔

پہلی دلیل:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ إِلَّا الْجَنَّةُ**»، "**اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر جنت کے سوا کچھ نہ مانگا جائے**"۔ اس حدیث کو ابوداود نے روایت کیا

- «**بِوَجْهِ اللهِ**»: اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ (چہرہ) کا اثبات ہے، اور یہ قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے، اللہ کے پاس حقیقی وجہ (چہرہ) ہے جو اس کے شایان شان ہے بغیر کسی مخلوق کی مشابہت کے۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سب سے بڑے مقصود ومطلوب (جنت) کے علاوہ کچھ نہ مانگا جائے (ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا واسطہ دے کر وہی چیز مانگی جائے جس کا تعلق امور آخرت سے ہو، جیسے جنت کا حصول اور جہنم سے نجات)۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ کے لیے "وجہ (چہرہ)" کا اثبات ہے۔

دعائے صفت کا حکم:

دعائے صفت جائز نہیں ہے، جیسے کہنا: یا رحمة الله، یا وجه الله، یا عزَّة الله، یہ ایجاد کی ہوئی دعا (بدعت) ہے، جس کا نہ تو نصوص میں کوئی ذکر ہے اور نہ ہی سلف سے وارد ہے، اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ کہتے ہیں: (ایسا کہنا کفر ہے)۔

[۵۷] "(لَوْ) اگر" کہنے کا حکم (اس میں تفصیل ہے)

لفظ (لو) "اگر" استعمال کرنے کی اقسام اور ان کا حکم:

حرام ہے اور کبھی کفر تک جا پہنچتا ہے: اگر اس کا استعمال شریعت پر اعتراض کرنے میں ہو۔	﴿لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَـٰهُنَا﴾: منافقین نے نبی ﷺ کی شریعت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ: اگر وہ لوگ ہماری بات مان لیتے اور ہماری طرح لوٹ آتے تو قتل نہیں ہوتے، گویا ہماری رائے، رسول ﷺ کی شریعت سے بہتر ہے۔
حرام ہے: اگر اس کا استعمال تقدیر پر اعتراض کرنے کے لیے ہو۔	﴿لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا۟﴾: یعنی اگر وہ ٹھہرے رہتے تو قتل نہیں ہوتے، اس طرح انہوں نے اللہ کی تقدیر پر اعتراض کیا۔
حرام ہے: اگر اس کا استعمال ندامت اور حسرت کے لیے ہو۔	«اگر میں یوں کرتا تو ایسا ایسا ہوتا»: کیونکہ ندامت، غم اور انقباض کا سبب ہے، اللہ چاہتا ہے کہ ہم مطمئن رہیں۔
حرام ہے: اگر اس کا استعمال معصیت کے جواز کے لیے تقدیر کو بطور حجت بنانے کے لیے ہو۔	﴿لَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَآ أَشْرَكْنَا﴾: یہ باطل ہے، اور تقدیر سے حجت پکڑنا جائز ہے اگر مصیبت بتانے کے لیے ہو عیب لگانے کے لیے نہیں، اور اسکی پہچان یہ ہے کہ بندہ گناہ سے رک جائے اور توبہ کرے
اگر اس کا استعمال تمنا (آرزو) کے لیے ہو، تو: اگر یہ خیر کے لیے ہے تو بہتر ہے اور اگر شر کے لیے ہے تو برا ہے	"اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں ایسا ایسا کرتا"، یہ خیر کی تمنا ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "**وہ اپنی نیت پر ہے، اور دونوں کا اجر برابر ہے**"، اور جس نے برائی کی تمنا کی اس کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "**وہ اپنی نیت پر ہے، اور دونوں کا گناہ برابر ہے**"۔
جائز ہے: اگر اس کا استعمال محض خبر دینے کے لیے ہو۔	"**جو بات مجھے اب پتہ چلی ہے اگر پہلے سے معلوم ہوتی تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا**"، یہ خبر ہے کیونکہ نبی ﷺ ایسی چیز کی تمنا نہیں کرسکتے جو اللہ کی تقدیر کے خلاف ہو، یہ ایسے ہی جیسے کہنا کہ: اگر میں سبق میں حاضر ہوتا تو فائدہ اٹھاتا۔

ایک سے تین تک دلیل:

[۱] فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا﴾ الآيَة. (یہ لوگ کہتے ہیں اگر ہمارے بس میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے)۔

[۲] نیز ارشاد فرمایا: ﴿ٱلَّذِينَ قَالُواْ لِإِخْوَٰنِهِمْ وَقَعَدُواْ لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُواْ﴾ الآيَة. (یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے)۔

[۳] صحیح (مسلم) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَلَا تَعْجَزَن، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا لَكَانَ كَذَا وَكَذَا؛ وَلَكِنْ قُلْ: قَدَّرَ اللهُ، وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»، ''اس چیز کی حرص کر جو تیرے لیے مفید ہو اور صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ، اور عاجز ہو کر نہ بیٹھ جا، اور اگر تجھے کوئی مصیبت اور پریشانی آ پہنچے تو یوں نہ کہہ کہ اگر میں یہ کر لیتا تو یوں ہو جاتا، بلکہ یوں کہہ: اللہ کا فیصلہ ہے، اس نے جو چاہا سو کیا، اس لیے کہ ''اگر'' کہنا شیطانی عمل دخل کا سبب بنتا ہے''۔

- ﴿يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا﴾: یہ منافقین کا شریعت پر اعتراض تھا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بات کے لیے خفگی ظاہر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی موافقت کے بغیر لڑائی کے لیے نکل گئے۔
- ممکن ہے کہ یہ تقدیر پر بھی اعتراض ہو بایں معنیٰ کہ: (ہم قتل ہونے کے لیے نہیں نکلے ہیں)۔
- ﴿ٱلَّذِينَ قَالُواْ لِإِخْوَٰنِهِمْ وَقَعَدُواْ لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُواْ﴾: اس میں مومنوں پر، اللہ کے فیصلہ پر اور تقدیر پر اعتراض ہے، اور جہاد سے بزدلی ظاہر کرنا ہے۔
- جس نے تقدیر پر اعتراض کیا وہ اللہ کو رب ماننے سے رضامند نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے توحید ربوبیت کے تقاضوں کو مکمل کیا۔

- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ:

[۱] نفع بخش چیز کے لیے کوشاں ہونا اور نقصان دہ چیز سے دور رہنا [۲] اللہ کی مدد طلب کرنا [۳] کسی چیز کے حصول کے لیے لگاتار کوشش کرتے رہنا اور عاجز ہو کر بیٹھنے سے گریز کرنا [۴] اگر کوئی چیز خلاف مقصود ہو جائے تو اس میں آپ کا کوئی عمل دخل نہیں یہ اللہ کی طرف سے مقدر ہے، لہذا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔

مسائل:

پہلا: سورۂ آل عمران کی دو آیات کی تفسیر۔ (پہلی آیت میں شریعت پر اعتراض کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں تقدیر پر اعتراض کا ذکر ہے)۔

دوسرا: کسی مصیبت اور پریشانی کے وقت (اگر میں ایسا کرتا تو....) کہنے کی ممانعت۔

تیسرا: "لو (اگر)" کہنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے شیطانی عمل دخل کا دروازہ کھلتا ہے (جس سے انسان کو حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا)۔

چوتھا: اچھی گفتگو («قَدَّرَ اللهُ، وَمَا شَاءَ فَعَلَ»)، کہنے کی طرف رہنمائی۔

پانچواں: اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے ساتھ ساتھ نفع بخش چیزوں کا شوق و حرص دلانے کا حکم۔

چھٹا: اس کے برعکس عاجز بن کر بیٹھ رہنے سے ممانعت۔ (کسی کام کے کرنے میں سستی و کاہلی دکھانا، کیونکہ انسان کے بس میں یہی ہے (کہ وہ کوشش کرے))۔

[۵۸] ہوا اور آندھی کو گالی دینے کی ممانعت (اللہ کے فعل سے راضی رہنا)

پہلی دلیل:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ؛ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الرِّيحِ، وَخَيْرِ مَا فِيهَا، وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الرِّيحِ، وَشَرِّ مَا فِيهَا، وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ»، ”ہوا کو گالی نہ دو، جب تم ناپسندیدہ (ہوا) دیکھو تو یہ دعا پڑھو: اے اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا اور جو اس میں ہے اور جس کا اسے حکم دیا گیا ہے کی بہتری اور بھلائی کا سوال کرتے ہیں، اور (اے اللہ!) ہم اس ہوا کے شر اور جو اس کے اندر شر ہے اور جس شر کا اسے حکم دیا گیا ہے سے تیری پناہ مانگتے ہیں“۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

- ہوا اور آندھی کو گالی دینے کی وہی تفصیل ہے جو زمانہ کو گالی دینے کے باب میں گزر چکی ہے، مصنف رحمہ اللہ نے کثرت وقوع کی وجہ سے اسے یہاں الگ سے ذکر کیا ہے، ویسے عمومی طور پر بھی لعنت وملامت کرنے کی ممانعت وارد ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ»، ”مومن لعن طعن کرنے والا، بد گوئی کرنے والا اور بد خلق نہیں ہوتا“۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَكُونُ اللَّعَّانُونَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»، ”لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ تو سفارشی ہوں گے اور نہ ہی گواہی دینے والے“۔
- اور مومن کو گالی دینے کے سلسلے میں نبی ﷺ نے فرمایا: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»، ”مومن کو گالی دینا فسق ہے، اور اس سے قتال کرنا کفر ہے“۔
- اور مُردوں کو گالی دینے کے سلسلے میں نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ؛ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا»، ”مُردوں کو گالی نہ دو، انہوں نے جو کیا وہ انہیں مل چکا“۔
- اور چوپایوں کو گالی دینے کے سلسلے میں رسول ﷺ نے فرمایا: «لَا تُصَاحِبُنَا نَاقَةٌ عَلَيْهَا لَعْنَةٌ»، ”ہمارے ساتھ ایسا چوپایہ نہیں رہے گا جس پر لعنت بھیج دی گئی ہو“۔:
- اور بخار کو گالی دینے کے سلسلے میں فرمایا: «لَا تَسُبُّوا الْحُمَّى»، ”بخار کو گالی نہ دو“۔

مسائل:

پہلا: ہوا کو گالی دینے کی ممانعت (یہ حرام ہے، کیونکہ ہوا اور آندھی کو گالی دینا دراصل اس کے پیدا کرنے والے اور بھیجنے والے کو گالی دینا ہے)۔

دوسرا: اس میں اس بات کی رہنمائی کی گئی ہے کہ جب انسان کو کوئی ناپسندیدہ چیز نظر آئے تو نفع بخش چیز کا سوال کرے (جیسے کہے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں....، حسی اسباب اختیار کرے جیسے آندھی کی برائی سے بچنے کے لیے دیوار کا سہارا لے)۔

تیسرا: اس میں یہ رہنمائی بھی کی گئی ہے کہ یہ ہوا از خود نہیں چلتی بلکہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔

چوتھا: اس میں یہ بیان بھی ہے کہ ہوا کو کبھی بھلائی اور کبھی نقصان کا حکم ہوتا ہے۔

(حاصل کلام یہ ہے کہ انسان پر واجب ہے وہ اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر اعتراض نہ کرے، اور نہ ہی اسے گالی دے، بلکہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے شرعی فیصلے کو بلاچوں وچرا مان لیتا ہے ویسے ہی کونی فیصلے کے سامنے بھی سر تسلیم خم کر دے، کیونکہ یہ مخلوقات بذات خود کچھ کرنے کی طاقت وصلاحیت نہیں رکھتیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے۔

[۵۹]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيۡرَ ٱلۡحَقِّ ظَنَّ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ ٱلۡأَمۡرِ مِن شَيۡءٖۗ قُلۡ إِنَّ ٱلۡأَمۡرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِ﴾ الآيَة (وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کررہے تھے اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ کام کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے)کا باب

- ﴿يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ﴾ : (یعنی منافقین) یہ جاہلیت والا گمان ہے جس میں گمان کرنے والا اللہ کی عظمت اور قدر نہیں پہچانتا، لہذا یہ جہالت پر مبنی باطل گمان ہے، اور اللہ سے ظن (گمان) رکھنے کی دو صورتیں ہیں:

۱) **اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھے** اور اس کے دو متعلقات ہیں:

أ. جو وہ اس کائنات میں کر رہا ہے اس کے متعلق: اس میں اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

ب. جو وہ خصوصی طور پر آپ کے ساتھ کر رہا ہے اس کے متعلق: اس میں اللہ تعالیٰ سے سب سے احسن ظن رکھنا واجب ہے بشرطیکہ آپ کے پاس وہ چیز ہو جو اس حسن ظن کو واجب قرار دے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور نبی ﷺ کا اتباع ہے۔

۲) **اللہ تعالیٰ سے سوئے ظن رکھے:** جیسے اس کے کسی فعل کو بے جا تصرف یا ظلم یا ان جیسی شئے پر مبنی سمجھے، یہ محرمات میں سب سے بڑا اور گناہوں میں سب سے قبیح ہے، جیسا کہ منافقین وغیرہ ناحق اس طرح کا گمان رکھتے تھے۔

دوسری دلیل:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ٱلظَّآنِّينَ بِٱللَّهِ ظَنَّ ٱلسَّوۡءِۚ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ ٱلسَّوۡءِۖ﴾ الآيـة. (جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں، ان پر برے حادثے واقع ہوں)۔

- ان سے مراد منافقین اور مشرکین ہیں کہ برائی انہیں ہر چہار جانب سے گھیرے میں لی ہوئی ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ پہلی آیت کے بارے میں فرماتے ہیں (کہ زیر نظر آیت میں لوگوں کے جس جاہلانہ ناحق گمان کا ذکر ہے): ''اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ یہ گمان کرنے لگے تھے کہ اللہ عزوجل اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اور اس کی دعوت عنقریب مٹ جائے گی، اور یہ لوگ گمان کرنے لگے تھے کہ جو مصیبت مسلمانوں کو آئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت سے نہیں تھی۔ اور یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی تقدیر، حکمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا انکار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ دین تمام ادیان پر غالب نہیں آئے گا۔ منافقین اور مشرکین کا یہی وہ برا گمان ہے جس کا سورۂ فتح کی آیت میں ذکر ہوا ہے، کیونکہ یہ ایسا گمان ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان و مرتبہ کے خلاف ہے، جیسا کہ یہ اس کی حکمت، تعریف، بزرگی اور سچے وعدہ کے بھی خلاف ہے، لہٰذا جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ باطل کو حق پر دائمی غلبہ دے گا اور اس وجہ سے حق مٹ جائے گا، یا جو شخص یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ اللہ کی قضاوقدر سے نہیں ہوا، یا جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ کی تقدیر قابل تعریف حکمت تامہ پر مبنی نہیں، بلکہ یہ سمجھے کہ یہ محض اس کی مشیت ہے۔ یہ کافروں کا گمان ہے اور ان کے لیے جہنم کی آگ کا عذاب ہے اور اکثر لوگ اپنے اور غیروں سے متعلقہ کاموں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوئے ظن رکھتے ہیں، اس بدگمانی سے صرف وہی لوگ سلامت رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء وصفات اور اس کی حکمت وتعریف کے اسباب کو پہچانتے ہیں۔ لہٰذا ہر عقل مند شخص کو جو اپنی بھلائی چاہتا ہو، چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا باتوں کا اہتمام کرے اور اللہ کے حضور اپنی اس بدگمانی اور سوئے ظن کی معافی مانگے اور توبہ واستغفار کرے۔ اور اگر آپ لوگوں کی باتوں پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر لوگ تقدیر کے بارے میں ملامت کا پہلو لیے ہوئے ہیں اور بے راہ روی کا شکار ہیں اور تقدیر کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فلاں کام یوں ہونا چاہیے تھا اور فلاں یوں۔ خود کو ملنے والی اشیاء کو بعض لوگ کم خیال کرتے ہیں اور بعض لوگ زیادہ۔ آپ اپنا بھی جائزہ لیں کہ کیا آپ اس بدگمانی سے بچے ہوئے ہیں؟

(فَإِنْ تَنْجُ مِنْهَا تَنْجُ مِنْ ذِي عَظِيمَةٍ   وَإِلَّا فَإِنِّي لَا إِخَالُكَ نَاجِيًا))

''تو اگر آپ اس سے محفوظ ہیں تو آپ ایک بہت بڑی مصیبت سے بچے ہوئے ہیں وگرنہ میں نہیں سمجھتا کہ آپ نجات یافتہ ہیں''۔

- یہ کلام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں غزوۂ احد کے ذکر کے مابعد اس میں پوشیدہ قابل تعریف مقاصد اور حکمتوں، کے تحت ذکر کیا ہے، اور سوئے ظن کے سلسلے میں ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

۱. یہ گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ باطل کو حق پر ایسا دائمی غلبہ دے گا جس سے حق مٹ جائے گا۔
۲. قضاء وقدر کا انکار کرے اور وقوع پذیر اشیاء پر اعتراض کرے کہ اس کی ملکیت میں کوئی ایسی چیز کیسے واقع ہو سکتی ہے جو وہ نہیں چاہتا!۔
۳. اللہ تعالیٰ کی تقدیر قابل ستائش حکمت تامہ پر مبنی ہے اس کا انکار کرے۔

- سوئے ظن کا جو علاج انہوں نے ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یوں ہے:

۱. تحریف وتاویل سے دور ہو کر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی کماحقہ معرفت حاصل کرے۔
۲. عقلمند مذکورہ بالا باتوں کا اہتمام کرے تا کہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھ سکے، سوئے ظن سے متعلق مذکورہ باتوں سے گریز کرے۔
۳. اللہ کے حضور توبہ کرکے نیکی کی طرف پلٹ آئے اور توبہ واستغفار کرے۔
۴. اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور اپنے نفس کے بارے میں سوئے ظن رکھنا اللہ تعالیٰ سے سوء ظن رکھنے سے بہتر ہے کیونکہ انسان کوتاہیوں اور برائیوں کا پتلا ہے۔

مسائل:

پہلا: سورۂ آل عمران کی آیت (﴿يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيۡرَ ٱلۡحَقِّ﴾ اور اس میں ضمیر منافقین کے لئے ہے) کی تفسیر۔

دوسرا: سورۂ فتح کی آیت (﴿ٱلظَّآنِّينَ بِٱللَّهِ ظَنَّ ٱلسَّوۡءِۚ﴾ اور اس میں ضمیر منافقین کے لئے ہے) کی تفسیر۔

تیسرا: اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بدگمانی کی بہت سی صورتیں ہیں، جن کا شمار ممکن نہیں (اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا گمان رکھنا جو اس کے شایان شان نہیں ہے)۔

چوتھا: اس بدگمانی سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی پہچان کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کی معرفت سے بھی بہرہ مند ہو (اس کے متعلق غور وفکر کرے، حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کوتاہیوں اور برائیوں کا پتلا ہے، جبکہ رب العالمین کمال مطلق سے متصف ہے جس کو کسی طرح کا کوئی بھی نقص لاحق نہیں ہو سکتا۔

[٦٠] منکرین تقدیر کا حکم (کفر اکبر ہے)

- **تقدیر:** یہ اللہ کا اس کی مخلوق میں راز اور بھید ہے، ہم اس کو واقع ہو جانے کے بعد ہی جان پاتے ہیں، اس کا تعلق توحید اسماء وصفات سے ہے اور خاص طور سے توحید ربوبیت سے، تقدیر پر ایمان رکھنے کے سلسلے میں لوگوں کی تین اقسام ہیں:

۱) **جبریہ:** تقدیر کو ثابت کرنے میں غلو کی حد تک چلے گئے یہاں تک کہ بندے سے اس کا اختیار اور قدرت ہی سلب کر لیا، اور کہا کہ: انسان کو کوئی قدرت واختیار نہیں، بلکہ مجبور محض ہے۔

۲) **قدریہ اور معتزلہ:** بندوں کی قدرت واختیار کو ثابت کرنے میں غلو کی حد تک چلے گئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ بندے کے عمل میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت یا خلق کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

۳) **تیسرا گروپ اہل سنت والجماعت کا ہے:** جنہوں نے دلائل کی روشنی میں اعتدال کا راستہ نکالا اور خیر ملت کا طریقہ اختیار کیا، لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قضاوقدر پر ایمان رکھتے ہوئے بندے کے لیے بھی قدرت ومشیئت کو ثابت کیا اور کہا کہ بندے کی مشیئت اللہ کی مشیئت اور اختیار کے تابع ہے۔

قضاوقدر پر ایمان رکھنے کے بڑے عظیم فوائد ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یہ توحید ربوبیت کو مکمل کرتا ہے۔

۲- یہ اللہ پر سچا اعتماد رکھنے کو واجب کرتا ہے۔

۳- یہ دل کو اطمینان بخشتا ہے، جب آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو چیز آپ کو پہنچی وہ ٹل نہیں سکتی تھی اور جو نہیں آنے والی تھی وہ کبھی آپ تک پہنچ نہیں سکتی، تو سود مند اسباب اختیار کر لینے کے بعد آپ تک جو پہنچی آپ اس پر مطمئن ہو جائیں گے۔

۴- قابل تعریف کوئی کام کر لینے کے بعد انسان کو غرور میں پڑ جانے سے روکتا ہے، کہ در حقیقت اللہ وہ ذات ہے جس نے اس پر یہ احسان کیا ہے۔

۵- جو مصیبتیں اس کو پہنچیں ان پر غم کرنے سے بچاتا ہے کہ جب یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے تو یقینا رحمت اور حکمت پر ہی مبنی ہوں گی۔

۶- انسان اسباب اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی حکمت پر ایمان رکھتا ہے اور تقدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے محنت اور اختیار اسباب کو ترک نہیں کرتا ہے۔

پہلی دلیل:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: « وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ لِكُلِّ إِنْسَانٍ مِنْكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا أَنْفَقَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ مَا يَقْبَلُهُ اللهُ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ... الْإِيمَانُ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ »، "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عبد اللہ بن عمر کی جان ہے، اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت تک قبول نہ ہو گا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، پھر انہوں نے اپنی اس بات پر بطور دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پیش کیا کہ: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے"۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

ایمان: زبان سے اقرار کرنا، دل میں اعتقاد رکھنا، اور اعضاء وجوارح کے ذریعے اس پر عمل کرنا، اور ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔ اور اس کے چھ ارکان ہیں، ایمان لانا:

- اللہ پر
- فرشتوں پر
- کتابوں پر
- رسولوں پر
- یوم آخرت پر
- تقدیر پر، خواہ وہ خیر والی ہو یا شر والی۔

« أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ »: اللہ پر ایمان سے درج ذیل چیزیں لازم آتی ہیں:

- اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان اور یہ ثابت ہو گا:
- توحید ربوبیت
- توحید الوہیت
- توحید اسماء وصفات

عقل سے: چنانچہ یہ ناممکن ہے کہ عقل بغیر خالق کے مخلوق کے وجود کا تصور کرے ﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴾ کیا یہ بغیر کسی کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں۔

حس سے: پریشانی کی حالت میں دعاؤں کا قبول ہونا اور جلد اثر دکھائی دینا۔ جیسے ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کرتے ہی بارش ہونے لگی۔

فطرت سے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « كل مولود يولد على الفطرة » ہر نومولود بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

شریعت سے: ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کی کتاب میں کوئی ایسی آیت نہیں جس میں (اللہ) کی وحدانیت کی دلیل موجود نہ ہو۔

- «وَمَلَائِكَتِهِ»: فرشتے: غیب کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے، وہ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں اور کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہ ذی روح ہیں ﴿رُوحُ ٱلْقُدُسِ﴾، اور جسم والے ہیں ﴿جَاعِلِ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ رُسُلًا أُو۟لِىٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَـٰثَ وَرُبَـٰعَ ۚ يَزِيدُ فِى ٱلْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾، ان کے پاس دل اور عقل ہیں ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ﴾، ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں، اور ہم ان فرشتوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جن کا نام اللہ نے ہمیں بتایا ہے، (جیسے: جبریل، میکائیل، اسرافیل)، اور ان کی صفات پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جیسے اللہ نے ہمیں انکے بارے میں بتایا ہے ﴿لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾، اور انہیں سپرد کردہ اعمال پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جیسے عرش کو اٹھائے ہوئے فرشتے، اور جو بھی خبریں ان کے بارے میں آئی ہیں ہم ان پر اجمالی و تفصیلی طور پر ایمان رکھتے ہیں۔
- «وَكُتُبِهِ»: اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اس کا حقیقی کلام ہیں مجازی نہیں، اور وہ اس کی جانب سے نازل کردہ ہیں وہ مخلوق نہیں ہیں، اور اللہ نے ہر رسول کے ساتھ ایک کتاب نازل فرمائی، ہم ان کتابوں پر اور اللہ تعالیٰ نے ان (کتابوں) کے جو نام بتائے ہیں اور ان میں جو خبریں وارد ہیں اور ان میں جو غیر منسوخ احکام مذکور ہیں ان سب پر اجمالی اور تفصیلی طور پر ایمان رکھتے ہیں۔، اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن نے پچھلی تمام کتابوں کو منسوخ کردیا ہے، اور وہ کتابیں یہ ہیں: تورات، انجیل، زبور اور ابراہیم وموسی علیہم السلام کے صحیفے۔
- «وَرُسُلِهِ»: اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ تمام رسول انسان ہیں ان میں ربوبیت کی کوئی خصوصیت موجود نہیں، اور وہ سب کے سب بندے ہیں ان کی عبادت نہیں کی جاسکتی، اللہ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا اور ان کی جانب وحی فرمائی اور آیات (نشانیوں) اور معجزوں کے ذریعے ان کی تائید کی، انہوں نے امانت کو پورے طور پر ادا کردیا، امت کو نصیحت فرمادی اور دین پہنچادیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کردیا۔

ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان باتوں پر بھی اجمالی و تفصیلی ایمان لاتے ہیں جو اللہ نے ہمیں ان کے ناموں، صفتوں اور خبروں کے بارے میں بتایا، اور یہ کہ پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں، پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں اور آخری نبی و رسول محمد ﷺ ہیں، اور یہ کہ پچھلی تمام شریعتیں شریعت محمد ﷺ سے منسوخ ہوچکیں ہیں۔ اور اولوا العزم رسول پانچ ہیں جن کا ذکر دو سورتوں شوریٰ اور احزاب میں کیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں: (محمد ﷺ، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام)۔

- «وَالْيَوْمِ الآخِرِ»: یہ ایمان ہر اس بات کو شامل ہے جس کے بارے میں نبی ﷺ نے خبر دیا ہے کہ وہ

(انسان کی) موت کے بعد رونما ہونے والی ہے، جیسے: قبر کی آزمائش (فتنہ)، صور میں پھونکا جانا، لوگوں کا اپنی قبروں سے اٹھنا، میزان، اعمال نامے، پل صراط، حوض، شفاعت، جنت، جہنم اور اہل ایمان کا اپنے رب کا قیامت کے دن اور جنت میں دیدار کرنا وغیرہ غیبی امور۔

- «وَتُـؤمِنَ بِالقَـدَرِ»: فعل (تُـؤمِنَ) کا اعادہ کیا کیونکہ تقدیر پر ایمان لانا بڑا اہم ہے، اور اس کے چار مراتب ہیں:

(عِلْمٌ، كِتابَةُ مولَانا، مَشِيْئَتُهُ *** وَخَلْقُهُ وَهُو إِيْجَادٌ وتَكْوِيْنُ)

ہمارے مولی کا علم، کتابت، مشیت *** اور تخلیق یعنی ایجاد و تکوین

علم:

اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کو اجمالی اور تفصیلی طور پر پہلے سے جانتا ہے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے)۔

کتابت:

اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ نے قیامت تک رونما ہونے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ﴾ (آسمان وزمین کی کوئی پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو)۔

مشیت:

اس بات پر ایمان رکھنا کہ جو کچھ اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو کچھ نہیں چاہا نہیں ہوا، اور بندے کو بھی ارادہ واختیار ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت وارادہ کے ما تحت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ﴾ (اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے)۔

خلق:

اس بات پر ایمان رکھنا کہ ہر ایک چیز کا خالق، مدبر اور اس پر قدرت وغلبہ رکھنے والا اللہ ہی ہے، حتیٰ کہ مخلوق کے افعال بھی ﴿وَٱللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (اور اللہ نے تم کو اور تم جو عمل کرتے ہو اس کو پیدا کیا)۔ یعنی بندوں کے افعال خود ان کے فعل کا نتیجہ ہیں لیکن وہ مخلوق من اللہ ہیں۔

دوسے چار تک دلائل:

[۲]عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا: يَا بُنَيَّ؛ إِنَّكَ لَنْ تَجِدَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ حَتَّى تَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، سَمِعْتُ رَسُولَ الله ﷺ يَقُولُ: «**إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، فَقَالَ: رَبِّ! وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبْ مَقَادِيرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَقُوْمَ السَّاعَةُ**»، يا بُنَيَّ سَمِعْتُ رَسُولَ الله ﷺ يقولُ: «**مَنْ مَاتَ عَلَى غَيْرِ هَذَا فَلَيْسَ مِنِّي**»، ”بیٹا! تو اس وقت تک لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا، جب تک یہ یقین نہ کر لے کہ جو (تکلیف) تجھے پہنچنے والی ہے وہ تجھ سے کبھی ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچنی وہ کبھی تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا، اس نے کہا: اے میرے رب! کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت تک آنے والی چیزوں کی تقدیر لکھ دے۔ بیٹا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اس عقیدے کے علاوہ کسی دوسرے عقیدے پر مرا، وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے“۔ اور احمد کی ایک روایت میں ہے: «**إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ تَعَالَى الْقَلَمُ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، فَجَرَى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ**»، ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے اسی وقت قیامت تک ہونے والی ہر بات لکھ دی“۔

[۳]ابن وہب کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اچھی بری تقدیر پر ایمان نہیں لایا، اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں جلائے گا“۔

[۴]”مسند“ اور ”سنن“ میں ابن دیلمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ: ”میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: ”فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ...، میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ خدشات ہیں، آپ کوئی حدیث بیان فرمائیں، تاکہ اللہ تعالیٰ میرے دل سے ان خدشات کو ختم کر دے۔ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دو تو تمہارا یہ عمل اس وقت تک قبول نہ ہو گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور یہ یقین رکھو کہ جو تکلیف تمہیں پہنچنے والی ہے، وہ تم سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو نہیں آنے والی وہ کبھی تم تک پہنچ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا عقیدہ اس کے خلاف ہوا اور تم اسی طرح مر گئے تو تم جہنمی ہو گئے۔ ابن دیلمی کہتے ہیں اس کے بعد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے پاس گیا (اور ان سے بھی اپنی قلبی الجھنوں کا ذکر کیا) تو انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حدیث سنائی“۔ یہ حدیث صحیح ہے اور حاکم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

- «حَتَّى تَعْلَمَ»: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِي كِتَٰبٖ مِّن قَبۡلِ أَن نَّبۡرَأَهَآۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٞ ٢٢ لِّكَيۡلَا تَأۡسَوۡاْ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُواْ بِمَآ ءَاتَىٰكُمۡۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٖ فَخُورٍ ٢٣﴾ (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔ تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ، اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ہے)۔
- «يَا بُنَيَّ»: اس میں نصیحت کے وقت اولاد کے ساتھ لطف اور نرمی کرنے کا ثبوت ہے، اور بچوں کو احکام، دلائل کے ساتھ بتانا چاہیے: [۱] تاکہ بچوں میں دلائل کے اتباع کی عادت پڑے [۲] اور تاکہ بچوں کی تربیت محبت رسول ﷺ پر ہو۔
- «فِي نَفْسِي شَيْءٌ»: دیلمی (راوی حدیث) کے دل میں تردد کی جو کیفیت پیدا ہوئی تھی، وہ ان بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنے کی خطرناکی کی دلیل ہے جو تقدیر میں شک کیا کرتے تھے، اور شبہہ کو شرعی دلائل سے دور کیا جائے گا تاکہ پوری طرح زائل ہو جائے، عقل سے نہیں کہ اس میں مزید اضافہ ہو جائے۔
- «القَلَمُ»: اس میں ضمہ اور فتحہ کے ساتھ دو روایتیں ہیں:

۱- ضمہ کے ساتھ: معنی ہوگا کہ جن مخلوقات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں جیسے آسمان و زمین ان کی نسبت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا، تو یہ اولیت نسبی ہے، ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالنَّاسُ مُخْتَلِفُونَ فِي الْقَلَمِ الَّذِي ... كُتِبَ الْقَضَاءُ بِهِ مِنَ الدَّيَّانِ
هَلْ كَانَ قَبْلَ الْعَرْشِ أَوْ هُوَ بَعْدَهُ ... قَوْلَانِ عِنْدَ أَبِي الْعَلَا الْهَمَذَانِي
وَالْحَقُّ أَنَّ الْعَرْشَ قَبْلُ لِأَنَّهُ ... قَبْلَ الْكِتَابَةِ كَانَ ذَا أَرْكَانِ

قلم جس کے ذریعہ اللہ کی جانب سے فیصلے لکھے گئے اس کے سلسلے میں لوگوں میں اختلاف ہے کہ وہ عرش سے پہلے پیدا ہوا یا بعد میں، ابو العلا الہمدانی سے دونوں طرح کے اقوال مروی ہیں، لیکن حق اور صحیح یہ ہے کہ عرش قلم سے پہلے وجود میں آیا، کیونکہ وہ کتابت سے پیشتر ہی رکنوں (پایوں) والا تھا۔

۲- نصب کے ساتھ: معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کرتے ہی سب سے پہلے لکھنے کا حکم دیا۔

مسائل:

پہلا: تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔

دوسرا: تقدیر پر ایمان لانے کی کیفیت کیا ہونی چاہیے (کہ ہم تقدیر کے چاروں مراتب پر ایمان لائیں)۔

تیسرا: تقدیر پر ایمان نہ لانے والے شخص کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں (کیونکہ وہ کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے)۔

چوتھا: جس شخص کا تقدیر پر ایمان نہ ہو، وہ لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

پانچواں: اس چیز کا ذکر جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا (اس میں کوئی شک نہیں کہ قلم کو عرش کے بعد پیدا کیا گیا، لیکن جن چیزوں کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان چیزوں کی نسبت قلم سب سے پہلے پیدا کیا گیا، اس بنیاد پر قلم آسمان وزمین سے پہلے پیدا کیا گیا، گویا اس کی اولیت نسبی ہے)۔

چھٹا: اس چیز کا بیان کہ قلم نے اسی وقت قیامت تک پیش آنے والے تمام امور لکھ ڈالے (اس میں جمادات سے اللہ کے خطاب کرنے کا ثبوت ہے، اور یہ کہ وہ اللہ کے حکم کو سمجھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب قلم کو حکم دیا تو اس نے سمجھا اور اللہ کے حکم کو بجالایا۔

ساتواں: تقدیر پر ایمان نہ لانے والے سے نبی ﷺ کی بیزاری اور لاتعلقی کا بیان (وہ ایسے کفر کا مرتکب ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دینے والا ہے)۔

آٹھواں: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سلف صالحین شبہات پیدا ہونے کی صورت میں اہل علم کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان کی بابت ان سے پوچھا کرتے تھے (اس میں ایک سے زائد عالم سے سوال کرنے کا جواز بھی ہے، لیکن یہ تثبت اور مزید اطمینان کی خاطر ہو نہ کہ رخصت تلاش کرنے کے لیے)۔

نواں: اہل علم نے (تقدیر کے متعلق) ان تمام شبہات کا جواب دے کر ان کا ازالہ کر دیا ہے اور اپنے دلائل کو براہ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے (اور اس کے ذریعہ مومن کے نزدیک مکمل طور پر شبہہ زائل ہو جاتا ہے، اور اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ خصم کو قانع کرنے اور موافق کو مطمئن کرنے کی غرض سے مزید عقلی یا حسی دلائل پیش کرے، اور ایک چوتھی دلیل فطری بھی ہے جسے حق کے اثبات کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے)۔

[٦١] مصورین کے بارے میں وارد (شدید وعید)

۱- چونکہ تصویر بنانے میں بھی ایک طرح کی تخلیق وایجاد ہوتی ہے، لہذا اس ناحیہ سے مصور اللہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۲- روئے زمین پر قوم نوح میں پنپنے والا پہلا شرک تصاویر اور بت تراشی کی وجہ سے ہی پروان چڑھا تھا۔

ایک سے پانچ تک دلائل:

[۱] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً»، ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے، یہ لوگ ایک ذرہ، ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھلائیں“۔ اس حدیث کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔

[۲] اور بخاری ومسلم ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الَّذِينَ يُضَاهِئُونَ بِخَلْقِ اللهِ»، ”قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو پیدا کرنے اور بنانے میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت کرتے ہیں“۔

[۳] نیز صحیح بخاری وصحیح مسلم ہی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: «كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ؛ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ يُعَذَّبُ بِهَا فِي جَهَنَّمَ»، ”ہر مصور جہنم میں جائے گا، اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک جان بنائی جائے گی جس سے اس (مصور) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا“۔

[۴] صحیح بخاری ومسلم ہی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا؛ كُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ، وَلَيْسَ بِنَافِخٍ»، ”جس شخص نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی اسے قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے، مگر وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا“۔

[۵] اور مسلم میں ابو الہیاج کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ: (أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟: «أَنْ لَا تَدَعَ صُورَةً إِلَّا طَمَسْتَهَا، وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ»)، ”میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا: ”وہ یہ کہ کسی تصویر کو مٹائے اور کسی بلند قبر کو زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑنا“۔

- **مصور کی سزا:** [۱] اسے سب سے سخت سزا دی جائے گی، یا وہ سب سے سخت سزا دیے جانے والوں میں سے ہو گا۔ [۲] وہ ملعون ہے۔ [۳] اللہ تعالیٰ اس کی ہر تصویر کے بدلے ایک ایک جان بنائے گا اور اس کے ذریعہ اس کو عذاب دے گا۔ [۴] وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔ [۵] اس کو مکلف کیا جائے گا کہ تصویر میں جان ڈالے جبکہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ [۶] اس باب میں اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے یا وہ ظلم کی انتہا پر ہے۔
- «**طَمَسْتَهَا**»: اگر وہ رنگین ہو تو اس پر دوسرا رنگ پھیر کر اس کی نشانیوں کو مٹا دیا جائے گا، اگر بت ہو تو اس کا سر الگ کر دیا جائے گا، اگر گڑھا ہو تو اس پر مٹی ڈال کر اس کو بھر دیا جائے گا تاکہ اس کی نشانی مٹ جائے، گویا مٹانے کی الگ الگ صورتیں ہو سکتی ہیں، اور حدیث کا ظاہری معنی یہ ہے کہ خواہ اس کی پوجا ہو رہی یا نہیں سب برابر ہیں۔
- «**مُشْرِفًا**»: بلند «**سَوَّيْتَهُ**» اس کے دو معانی ہیں:

[۱] احکام شریعت کے مطابق اس کو برابر کر دیا جائے [۲] اس کے ارد گرد کی قبروں کے برابر کر دیا جائے۔

تصاویر رکھنے کی صورتیں:

۱- **تعظیم کے لیے** یعنی تصویر میں موجود شخص کی تعظیم کی خاطر: یہ بلاشک حرام ہے، کیونکہ صاحب اقتدار کی تصویروں کو جمع کر کے ان کی تعظیم کرنا توحید ربوبیت میں خلل ہے، جبکہ پوجے جانے والے کی تصویروں کو جمع کر کے ان کی تعظیم کرنا توحید الوہیت میں خلل ہے۔

۲- **لذت** اور مزہ لینے کے لیے اس کی طرف دیکھ دیکھ کر: اس میں فتنہ کا ڈر ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

۳- **محبت اور پیار کی یادگار کے لیے:** جیسے وہ لوگ جو بچوں کی تصاویر بناتے ہیں، یہ حرام ہے۔

۴- **ضروریات کے لیے:** جیسے نقود اور کارڈ وغیرہ پر موجود تصاویر، اس میں کوئی گناہ نہیں، کیونکہ اس سے مفر ممکن نہیں ہے۔

۵- **کسی چیز میں ضمنی طور پر آنے والی تصاویر:** جیسے صحف اور جرائد میں موجود تصاویر، ان میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر ان کو بنا مشقت اور حرج کے مٹانا ممکن ہو تو افضل یہ ہے کہ انہیں مٹا دیا جائے۔

۶- **اہانت کے لیے:** جیسے وہ تصاویر جو ڈسٹ بین میں ہوں، یا بچھانے یا روندنے کی جگہ میں ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن وہ لباس جس میں تصاویر ہوں اس کا حکم اس سے مختلف ہے۔

مسائل:

پہلا: تصاویر بنانے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔

دوسرا: تصویر بنانے کی علت اور وجہ یہ ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی بے ادبی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي»، **"اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو میری مخلوق جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے"**۔:(وہ ایسے ہی اللہ کی شان میں بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے جیسے کوئی اس کی شریعت میں اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرے، لہذا اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے)۔

تیسرا: اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوق کی عاجزی اور کمزوری کا بیان ہے: «فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ شَعِيرَةً»، "کہ یہ لوگ ایک ذرہ، یا ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھلائیں" (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بڑی بڑی چیزیں پیدا کی ہیں جبکہ یہ لوگ ایک ذرہ یا ایک جو پیدا کرنے سے عاجز ہیں)۔

چوتھا: اس بات کی صراحت کہ تصویر بنانے والوں کو سب سے زیادہ اور سخت عذاب ہو گا۔

پانچواں: اللہ تعالیٰ اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک جان پیدا کرے گا جس کے ذریعے تصویر بنانے والوں کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔

چھٹا: مصور کو اس کی بنائی تصویر میں روح پھونکنے کا مکلف بنایا جائے گا (یہ سب سے سخت سزاؤں میں سے ایک ہو گی)۔

ساتواں: اس میں یہ بھی بیان ہے کہ تصویر جہاں بھی ہو اسے مٹا دینے کا حکم ہے (اس میں دو فتنے جمع ہیں تماثیل -صنم وبت- کے فتنے اور قبر کے فتنے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک شرک تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، اور قیامت کے دن کے عذاب کا ثبوت ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ الجزاء من جنس العمل ہوتا (جیسے کو تیسا ملتا) ہے، اور یہ کہ آخرت میں سزا دینے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسے ایسے کام کرنے کا مکلف کر دیا جائے گا جس کو کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا ہے)۔

[٦٢] بکثرت قسم کھانے کی مذمت (اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی خاطر اس پر وعید ہے)

پہلی دلیل:

[۱] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَٱحۡفَظُوٓاْ أَيۡمَٰنَكُمۡ ﴾ (اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو)۔

قسم کی حفاظت کے مراتب:

- آغاز ہی میں اس کی حفاظت کرنا: زیادہ قسم نہ کھا کر۔
- وسط میں اس کی حفاظت کرنا: قسم کو نہ توڑ کر، سوائے اس کے جس کا استثنا کیا ہو۔
- اخیر میں اس کی حفاظت کرنا: قسم توڑنے کے بعد اس کا کفارہ ادا کرنا۔
- غیر اللہ کی قسم نہ کھانا۔

دو سے لے کر چھ تک دلائل:

[۲] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «الْحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ، مَمْحَقَةٌ لِلْكَسْبِ»، "قسم سامان کے لیے مفید (یعنی سامان کو فروغ دینے کا سبب) تو ہے، مگر اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے"۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

[۳] اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: أُشَيْمِطٌ زَانٍ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ، وَرَجُلٌ جَعَلَ اللهَ بِضَاعَتَهُ؛ لَا يَشْتَرِي إِلَّا بِيَمِينِهِ، وَلَا يَبِيعُ إِلَّا بِيَمِينِهِ»، "تین قسم کے لوگ ایسے ہیں (قیامت کے دن) جن سے اللہ تعالیٰ نہ تو بات کرے گا اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی، متکبر فقیر اور وہ جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا سامان تجارت بنا رکھا ہے کہ قسم ہی سے خریدتا ہے اور قسم ہی سے بیچتا ہے"۔ اس کو طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[۴] اور صحیح (مسلم) میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ - قَالَ عِمْرَانُ: فَلَا أَدْرِي أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا! -، ثُمَّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذُرُونَ وَلَا يُوفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ».

"میری امت کا سب سے بہتر زمانہ، میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو اس کے بعد ہو گا، پھر وہ جو اس کے بعد ہو گا، حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا تھا یا تین کا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تمہارے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو بغیر مانگے گواہی دیں گے، خائن ہوں گے، امانت دار نہیں ہوں گے، نذر مانیں گے تو پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو گا"۔

[۵] اور صحیح مسلم ہی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ، وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ»، "سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی"۔

[۶] حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بچپن میں ہمیں ہمارے بزرگ گواہی دینے اور عہد پر قائم رہنے کے لیے مارا کرتے تھے"۔

- «مَنْفَقَةٌ»: یعنی سامان کو فروغ دینے کا سبب ہے۔ «مَمْحَقَةٌ»: یعنی کمائی یوں ہی تلف ہو جاتی ہے (اور اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے)۔
- «وَلَا يُزَكِّيهِمْ»: قیامت کے دن نہ تو ان کی توثیق کرے گا، نہ تعدیل کرے گا اور نہ ان کے ایمان کی گواہی دے گا۔
- «أُشَيْمِطٌ»: جس کی درازئ عمر کی وجہ سے سیاہ بال سفید میں تبدیل ہونے لگے ہوں، اور شہوت کا زور ٹھنڈا پڑ چکا ہو، «عَائِلٌ»: فقیر و محتاج، «مُسْتَكْبِرٌ»: گھمنڈ اور غرور، حق سے اور مخلوقات پر۔
- «لَا يَشْتَرِي إِلَّا بِيَمِينِهِ»: اس کا یوں کثرت سے قسم کھانا اس کے نزدیک قسم کی اہانت اور اس کے ہلکے ہونے کی دلیل ہوگی۔
- «وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ»: یا تو گواہی دینے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں یا پھر جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔
- «تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ»: [۱] لوگوں کے ان پر کم بھروسہ کرنے کی وجہ سے وہ قسم کھا کر گواہی دیں گے۔

[۲] یا پھر یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ یہ لوگ قسم کھانے اور گواہی دینے کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔

مسائل:

پہلا: قسموں کی حفاظت کی بڑی تاکید ہے۔

دوسرا: یہ خبر کہ قسم سامان فروخت کرنے کا ذریعہ تو ہے، مگر اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

تیسرا: جو شخص مال خریدنے اور بیچنے کے وقت خوہ مخواہ قسمیں اٹھائے، اس کے لیے شدید وعید ہے۔

چوتھا: اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ اگرچہ اسباب گناہ چھوٹے ہی ہوں، مگر میلان کے سبب صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتے ہیں۔

پانچواں: اس میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو طلب کیے بغیر قسمیں اٹھاتے ہیں (جب حاجت وضرورت ہو یا مصلحت کا تقاضا ہو تو قسم اٹھانے میں کوئی حرج نہیں)۔

چھٹا: نبی اکرم ﷺ نے قرون ثلاثہ، یا قرون اربعہ کی تعریف کی اور اس کے بعد جو ہو گا اس کی پیشین گوئی فرمائی۔

ساتواں: اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو گواہی طلب کیے بغیر گواہی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں (اور خیانت کرتے ہیں اور امانت دار نہیں ہوتے اور نذر مانتے ہیں تو اس کو پورا نہیں کرتے، اور جو لوگ موٹاپا بڑھانے والی چیزیں استعمال کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور ایمان و علم سے دور ہو کر دل کے موٹا ہو جانے سے غافل ہو جاتے ہیں)۔

- **آٹھواں:** اسلاف اپنے چھوٹے بچوں کو گواہی اور عہد پر قائم رہنے کے لیے مارا کرتے تھے (عہد پورا کرنے اور گواہی دینے کی عظمت بتلانے کی خاطر جو ان کی تربیت اولاد کا دھیان رکھنے کی دلیل ہے، چھوٹے بچے کو مارنے کے جواز کی چند شرطیں ہیں:

۱. کہ وہ بچہ تادیب کے قابل ہو، جو چھوٹا بچہ مارنے کا مطلب و مقصد نہ سمجھتا ہو اسے نہیں مارا جائے گا۔
۲. یہ تادیب ان کی جانب سے ہو جو اس کی ولایت کا حقدار ہو۔
۳. مارنے کی مقدار، کیفیت، نوع یا جگہ میں زیادتی سے کام نہ لے۔
۴. بچے کی جانب سے ایسی چیز کا صدور ہو جس کی بنا پر وہ مار کا مستحق ہو۔
۵. اس مار کا مقصد تادیب ہو نہ کہ خود کا انتقام لینا، ورنہ وہ اپنی انانیت کی خاطر انتقام لینے والا سمجھا جائے گا)۔

[٦٣] اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ذمہ اور ضمانت دینے کا باب (اخلاص اور متابعت)

اللہ تعالیٰ کے نام پر دیے گیے عہد کی وفانہ کرنا اس کی شان میں کوتاہی اور توحید میں خلل ہے، لہٰذا لوگوں سے معاملات کرتے وقت بھی اللہ کی تعظیم واجب ہے گرچہ وہ کفار ہی کیوں نہ ہوں، گرچہ حالات جہاد کے وقت جیسے سنگین کیوں نہ ہوں، اللہ کی شریعت کی تنفیذ اور اللہ اور اس کے نبی کی ضمانت کی تعظیم کی جائے گی۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[١] فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَوْفُوا۟ بِعَهْدِ ٱللَّهِ إِذَا عَـٰهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا۟ ٱلْأَيْمَـٰنَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا﴾ الآيَةَ. (اور جب تم اللہ تعالیٰ سے عہد کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو)۔

[٢] اور حضرت بریدہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب کسی بڑی فوج یا کسی دستے پر امیر مقرر فرماتے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنے ہم سفر مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی وصیت کرتے اور فرماتے: «اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ، قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَثِّلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ – أَوْ: خِلَالٍ – فَأَيَّتُهُنَّ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُم أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا؛ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ تَعَالَى، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ؛ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْأَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ؛ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ، وَلَكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ، فَإِنَّكُمْ إِنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكُمْ؛ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ؛ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ؛ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ أَمْ لَا»،

”اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کا نام لے کر لڑائی کرنا، اور ہر اس شخص سے لڑنا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے، لڑائی کرنا اور خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا(یعنی کسی مقتول کے اعضاء نہ کاٹنا) اور نہ بچوں کو قتل کرنا، جب مشرک دشمن سے تمہارا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی پیش کش کرنا، اگر وہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی مان لیں تو منظور کر لینا اور جنگ سے رک جانا: سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اسے منظور کر لینا اور انہیں دار الکفر سے دار السلام کی طرف ہجرت کی دعوت دینا، اور انہیں بتانا کہ اگر وہ ہجرت کریں گے تو انہیں وہ سب حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور جو بار مہاجرین کو برداشت کرنا پڑتا ہے انہیں بھی برداشت کرنا ہوگا، اور اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو پھر یہ لوگ ان بدوی مسلمانوں کی طرح ہوں گے جن پر اللہ کا حکم جاری ہے، انہیں مال غنیمت یا مال فے سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔ اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں تو پھر ان سے جزیہ طلب کرنا، اگر وہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔ اور اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کرنا، اور جب تم قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کرو اور دشمن چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی امان، تحفظ اور ضمانت دو تو ایسا ہرگز نہ کرنا، بلکہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے امان اور تحفظ دینا، اس لیے کہ اگر تم اپنا یا اپنے ساتھیوں کا ذمہ (ضمانت) توڑ دو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ کو توڑنے سے کمتر ہوگا، اور جب تم قلعہ میں بند کسی دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ چاہے کہ تم اسے اللہ کے حکم وفیصلہ پر اتارو یعنی ان سے صلح کرلو تو ایسا بھی نہ کرنا، تمہیں کیا علم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کے فیصلے کو پاسکو گے یا نہیں؟“۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

- «جَيْشٍ»: چار سو سے زائد کے لشکر کو جیش کہتے ہیں۔
- «أَوْ سَرِيَّةٍ»: جس میں چار سو سے کم لشکر ہوں اس کو سَریہ کہتے ہیں۔
- «اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ»: [١] اللہ سے مدد مانگتے ہوئے، [٢] اللہ کا نام لے کر غزوہ شروع کرو۔
- «فِي سَبِيلِ اللهِ» (اَللہ کے راستے میں): اس میں نیت اور عمل دونوں شامل ہیں۔
- «مَنْ كَفَـرَ بِـاَللهِ»: عصبیت، قومیت یا وطنیت کی خاطر نہ لڑو، بلکہ انہی کی مصلحت یعنی انہیں جہنم سے بچانے کی خاطر ان سے لڑائی کرو، اور کفر کا دار ومدار دو چیزوں پر ہے: انکار اور بہت زیادہ کبر وغرور کا مظاہر کرنا۔
- «وَلَا تَغُلُّوا» (خیانت نہ کرو): مال غنیمت میں سے کوئی چیز چھپا کر اپنے لیے خاص کرلے۔

- «وَلَا تَغْدِرُوا»: عہد کرلینے کے بعد ہم خیانت نہ کریں، لیکن بنا عہد کیے دھوکا دینا جائز ہے کیونکہ جنگ نام ہی دھوکے کا ہے۔
- «وَلَا تُمَثِّلُوا»: کسی کا مثلہ کرنا یعنی بلا ضرورت کسی کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے بدصورت بنا دینا، کیونکہ یہ نامناسب انتقام ہے، البتہ قصاصا مثلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- «وَلِيدًا»: بچوں، عورتوں، بوڑھوں، عبادت گزاروں اور بیماروں کو قتل نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ لڑنے میں شامل ہوں یا لوگوں کو لڑنے پر ابھار رہے ہوں، یا لڑائی میں مشورہ دے رہے ہوں۔
- «عَدُوَّكَ»: یہ ان سے لڑنے پر ابھارنا ہے، کیونکہ جو دشمن ہوتا ہے وہ ظلم و تعدی اور تذلیل و تحقیر سے کبھی باز نہیں آتا۔
- «الْغَنِيمَةِ»: کفار کے وہ اموال جو لڑائی یا جو اس کے قائم مقام ہو ان سے حاصل ہوں۔
- «وَالْفَيْءِ»: جو بیت المال کے لیے صرف کیا جائے، جیسے مال غنیمت کے خُمس کا پانچواں حصہ اور جزیہ و خراج وغیرہ۔
- «إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا»: جب وہ اسلام قبول کرلیں اور جہاد کریں تو انہیں بھی عام مسلمانوں کی طرح مال غنیمت اور فے میں سے حصہ ملے گا۔
- «الْجِزْيَةَ»: غیر مسلموں کی جانب سے ادا کیا جانے والا وہ مال جسے مسلمانوں کے درمیان بود و باش اختیار کرنے اور حمایت و صیانت پانے کی وجہ سے ادا کرتے ہیں۔ اور اس میں یہود و نصاریٰ اور مجوس کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی جزیہ لینے کا جواز ہے۔

مُعَاہدین کے ساتھ ہمارا سلوک:

جب تک وہ وفا کرتے رہیں وفا کرنا واجب ہے: ﴿فَمَا ٱسْتَقَـٰمُوا۟ لَكُمْ فَٱسْتَقِيمُوا۟ لَهُمْ﴾ (جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو)۔	جب وہ لوگ عہد توڑ دیں تو معاہدہ ختم ہو جائے گا اور ان سے لڑنا جائز ہو گا: ﴿وَإِن نَّكَثُوٓا۟ أَيْمَـٰنَهُم مِّنۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ﴾ (اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں)۔	ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو اور ہمیں ان کی جانب سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ہم عہد لوٹا دیں گے اور انہیں خبر کر دیں گے کہ اب ہمارے درمیان کوئی عہد باقی نہ رہا: ﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَٱنۢبِذْ إِلَيْهِمْ﴾ (اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے)۔

میدان جنگ میں مسلمانوں کا کفار کے ساتھ سلوک	میدان جنگ میں کفار کا مسلمانوں کے ساتھ سلوک
بچوں، عورتوں، عباد گزاروں اور بیماروں کو قتل کرنا حرام ہے	بچوں، عورتوں، عباد گزاروں اور بیماروں کو قتل کرتے ہیں
ان سے لڑنا انہی کی مصلحت کیلئے ہوتا ہے (انہیں جہنم سے بچانا)	ان کا لڑنا دنیا کی خاطر ہوتا ہے
ان سے کیے گئے عہد وپیمان کو نبھاتے ہیں	اکثر وبیشتر عہد توڑ دیتے ہیں
جب کفار عہد توڑے تو لڑنے سے پہلے ان کو آگاہ کر دیتے ہیں کہ ہمارا عہد وپیمان ختم ہو چکا	جب مسلمانوں کی جانب سے ایسا کچھ ہو تو وہ آگاہ نہیں کرتے
دھوکا نہیں دیتے	دھوکا دیتے ہیں
مقتول کے ساتھ مثلہ نہیں کرتے الا یہ کہ انکے ساتھ ایسا ہوا ہو	انکے مقتول کے ساتھ مثلہ نہ بھی ہوا ہو پھر بھی کرتے ہیں
اسلام، جزیہ یا لڑائی میں اختیار دیے بغیر لڑائی نہیں کرتے	انکے نزدیک ایسی کوئی چیز بنیادی طور پر ہوتی ہی نہیں ہے
فیصلہ کرنے میں انصاف کرتے ہیں ظلم نہیں کرتے	انکے فیصلے ظلم پر مبنی ہوتے ہیں
نبی ﷺ کی بعثت سے لیکر وفات تک تمام غزوات میں مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہے	----------------------------------
ان میں کوئی بچہ، عورت یا بوڑھے کو قتل نہیں کیا گیا	
نبی ﷺ نے اپنے ہاتھوں صرف ایک آدمی کو قتل کیا	

مسائل:

پہلا: اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے ذمہ اور ضمانت میں فرق ہے۔

دوسرا: اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب دو خطرناک صورتیں درپیش ہوں تو ان میں سے جو آسان ہو اسے اختیار کر لینا چاہیے۔

تیسرا: نبی ﷺ کا ارشاد: «**اُغْـزُوا بِاسْـمِ اللهِ فِي سَـبِيلِ اللهِ**» ”**اللہ کی راہ میں اس کے نام سے جہاد کرو**“ (لڑائی کے وقت اخلاص، شریعت کے مطابق اور اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے لڑنا واجب ہے)۔

چوتھا: نبی ﷺ کا ارشاد: «**قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ**» ”**جو کفر باللہ کا مرتکب ہو اس سے لڑو**“، (ان سے لڑنے کی علت کفر ہے)۔

پانچواں: نبی ﷺ کا ارشاد: «**اِسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ**» ”**اللہ سے مدد طلب کرو اور کفار سے قتال کرو**“، (انسان محض اپنی طاقت وقوت پر بھروسہ نہ کرے)۔

چھٹا: اللہ تعالی اور اہل علم کے حکم وفیصلہ میں فرق ہے۔

ساتواں: اس سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت صحابی بھی کوئی حکم یا فیصلہ کرے تو وہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا یہ حکم اور فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں؟ (اور یہ صرف صحابہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بعد والے لوگوں کو بھی شامل ہے)۔

[٦٤] اللہ تعالیٰ پر قسم کھانا

جس نے اللہ پر قسم کھائی اس نے اللہ کے ساتھ بے ادبی کی، اللہ کے فضل کو روکا اور اللہ کے ساتھ سوئے ظن رکھا، اور یہ سب کمال توحید کے منافی ہے، اور بسا اوقات ایسا کرنا اصل توحید کے بھی منافی ہے، کیونکہ جو ذات عظیم ہے اس پر قسم کھانا اس کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ پر قسم کھانے کی قسمیں:

جائز ہے: جس کے بارے میں اللہ اور اسکے رسول نے خبر دیا ہے خواہ وہ نفی میں ہو یا اثبات میں اس پر اللہ کی قسم کھانا، یہ اس کے یقین کی دلیل ہے، (اللہ کی قسم، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے حق میں اپنے نبی کی سفارش ضرور بالضرور قبول کرے گا)۔

جائز ہے: اپنے رب پر مضبوط امید اور حسن ظن رکھتے ہوئے قسم کھائے، بشرطیکہ اس کے پاس عمل صالح موجود ہو، جیسے حضرت انس بن نضر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے قصہ میں ہے۔

حرام ہے اور قریب ہے کہ اس کا عمل برباد ہو جائے: جب ایسا کرنے پر اسے خود بینی اور غرور ابھارے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے سوئے ظن رکھتے ہوئے اس کے فضل کو روکنے کی کوشش کرے۔

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «قَالَ رَجُلٌ: وَاللهِ لَا يَغْفِرُ اللهُ لِفُلَانٍ، فَقَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ: مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلَّى عَلَيَّ أَنْ لَا أَغْفِرَ لِفُلَانٍ؟ إِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُ، وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ»، **"ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں آدمی کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کون ہوتا ہے جو مجھ پر قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا، میں نے اس کی مغفرت کر دی اور تیرے (یعنی قسم اٹھانے والے کے) اعمال ضائع کر دیئے"**۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[۲] اور حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی حدیث میں ہے کہ: "ایسا کہنے والا ایک عابد وزاہد شخص تھا، حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں: «تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَوْبَقَتْ دُنْيَاهُ وَآخِرَتَهُ»، کہ اس نے صرف ایک ایسی بات کر دی جس نے اس کی دنیا و آخرت تباہ کر کے رکھ دی"۔

- «لَا يَغْفِرُ اللهُ لِفُلَانٍ» : ایسا کہنا: اللہ کی رحمت سے ناامیدی، اللہ کے بندوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے اور عُجب وغرور کی نشانی ہے۔
- «يَتَأَلَّى عَلَيَّ» : مجھ پر قسم کھائے، میرے فضل ورحمت کو روکے کہ میرے جن بندوں نے گناہ کیا ہے میں ان کو معاف نہیں کروں گا۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانے سے تحذیر و تخویف۔

دوسرا: دوزخ انسان کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

تیسرا: جنت بھی انسان کے ایسے ہی قریب ہے۔

چوتھا: اس حدیث میں نبی ﷺ کے درج ذیل فرمان کی تصدیق وتائید موجود ہے: **«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ ...» إِلَى آخِرِهِ، "کہ بسا اوقات انسان کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جس کے باعث وہ ستر سال کی مسافت کے برابر جہنم کی کھائی میں گر جاتا ہے"۔**

پانچواں: بعض اوقات انسان کی کسی ایسے سبب سے بخشش ہو جاتی ہے، جو اس کے یہاں انتہائی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

[٦٥] اللہ تعالیٰ کو سفارشی کے طور پر مخلوق کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا (اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت کی وجہ سے)

مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کو بطور سفارشی پیش کرنا اس کی شان میں گستاخی ہے، کیونکہ ایسا کر کے اس نے اللہ کی حیثیت مشفوع الیہ (جس انسان کے سامنے سفارش کر رہا ہے) اس سے بھی کم کر دی۔

پہلی دلیل:

[ا] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: يَا رَسُولَ اللهِ نُهِكَتِ الأَنْفُسُ، وَجَاعَ الْعِيَالُ، وَهَلَكَتِ الأَمْوَالُ، فَاسْتَسْقِ لَنَا رَبَّكَ، فَإِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِاللهِ عَلَيْكَ، وَبِكَ عَلَى اللهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «**سُبْحَانَ اللهِ!، سُبْحَانَ اللهِ!**»، فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتَّى عُرِفَ ذَلِكَ فِي وُجُوهِ أَصْحَابِهِ، ثُمَّ قَالَ: «**وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا اللهُ؟ إِنَّ شَأْنَ اللهِ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ، إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللهِ عَلَى أَحَدٍ...**»، وَذَكَرَ الْحَدِيثَ، **"اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جانیں کمزور ہو گئیں، بچے بھوکے مر گئے اور مال برباد ہو گیا، آپ ہمارے لیے اپنے رب سے بارش کی دعا فرما دیں، ہم اللہ عزوجل کو آپ کے پاس اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور سفارشی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس کی بات سن کر) بار بار "سبحان اللہ (اللہ کی ذات پاک ہے)"، "سبحان اللہ (اللہ کی ذات پاک ہے)"، پڑھتے رہے، یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر ظاہر ہوا، پھر آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ (یعنی اس کا مقام و مرتبہ ہے؟) اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں بلند ہے، ہرگز اسے کسی کے سامنے سفارشی کے طور پیش نہیں کیا جا سکتا..."**۔ اور پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس حدیث کو امام ابو داود نے روایت کیا ہے۔

- «نُهِكَتِ»: کمزور ہو گئے۔ «وَهَلَكَتِ الأَمْوَالُ»: بارش اور ہریالی کی کمیابی کی وجہ سے مال برباد ہو گیا۔
- «فَاسْتَسْقِ»: آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کریں، ایک طرح کی محتاجی کی کیفیت کے بغیر اس شخص سے دعا کروانا جائز ہے جس کی دعا اللہ کے ہاں مقبول ہونے کی امید ہو۔

- «نَسْتَشْفِعُ بِاللهِ عَلَيْكَ»: اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ نبی ﷺ کے مرتبہ سے بھی گرا دیا، جو کہ منکر ہے۔
- «**سُبْحَانَ اللهِ! سُبْحَانَ اللهِ!**»: اس قول کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے اور اس کا انکار کرتے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہوئے۔
- «**وَيْحَكَ**»: مجھے تمہارے اوپر رحم آتا ہے اور میں تیرے اوپر ترس کھاتا ہوں۔

مسائل:

پہلا: آپ ﷺ نے «نَسْتَشْفِعُ بِاللهِ عَلَيْكَ»، (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس سفارشی کے طور پر پیش کرتے ہیں) کہنے والے بدوی پر ناگواری اور انکار کا اظہار فرمایا۔

دوسرا: بدوی کی بات سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک اس قدر متغیر ہوا کہ اس کے اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر بھی ظاہر ہوئے۔

تیسرا: رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کی بات کے دوسرے حصے: «نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللهِ»، "**ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے پاس بطور سفارشی پیش کرتے ہیں**" پر نکیر نہیں فرمائی۔

چوتھا: (سُبْحَانَ اللهِ) کے تفسیر و مفہوم پر بھی متنبہ کیا گیا ہے۔

پانچواں: یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے بارش کی دعا کرایا کرتے تھے (یعنی آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں)۔

(اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ طلب کے وقت انسان ایسے اوصاف پیش کرے جو شفقت اور مہربانی کو مستلزم ہوں)۔

[٦٦] نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا گلشن توحید کی حفاظت فرمانا اور شرک کے راستوں کو بند کرنا (یہاں تک کہ الفاظ میں بھی)

پہلی اور دوسری دلیل:

[۱] حضرت عبد اللہ بن شخیر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کہتے ہیں: انْطَلَقْتُ فِي وَفْدِ بَنِي عَامِرٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقُلْنَا: أَنْتَ سَيِّدُنَا، فَقَالَ: «**السَّيِّدُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى**»، قُلْنَا: وَأَفْضَلُنَا فَضْلًا، وَأَعْظَمُنَا طَوْلًا، فَقَالَ: «**قُولُوا بِقَوْلِكُمْ، أَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ، وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ**»، ”میں بنو عامر کے ایک وفد میں رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے کہا: آپ ہمارے سید (سردار) ہیں، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: **سید (سردار) تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے**، پھر ہم نے کہا: آپ فضیلت وبزرگی میں ہم سب سے افضل اور عظمت وغنا میں سب سے بڑھ کر ہیں، تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: **یہ، یا اس طرح کی (جائز اور مناسب) بات کہا کرو اور (خیال رکھنا کہ) شیطان کہیں تمہیں بھٹکا نہ دے**“۔ اس حدیث کو امام ابو داود نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[۲] اور حضرت انس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے مروی ہے کہ چند لوگوں نے کہا:: يَا رَسُولَ اللهِ، يَا خَيْرَنَا، وَابْنَ خَيْرِنَا، وَسَيِّدَنَا، وَابْنَ سَيِّدِنَا، فَقَالَ: «**يَا أَيُّهَا النَّاسُ؛ قُولُوا بِقَوْلِكُمْ، وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللهُ** سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى»، ”اے اللہ کے رسول! (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہمارے بہتر کے بیٹے! اور اے ہمارے سید (سردار) اور ہمارے سید (سردار) کے بیٹے! تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: **اے لوگو! تم وہی باتیں کرو جو تم کرتے ہو، کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ میں محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے اس مرتبے اور مقام سے بڑھا دو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے**“۔ اس حدیث کو امام نسائی نے جید سند سے روایت کیا

- «**السَّيِّدُ اللهُ**»: السید، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جو الصمد (بے نیاز) کے معنی میں ہے، نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے انہیں اس لیے منع فرمایا کہ کہیں شیطان انہیں بہکا نہ دے اور لفظ ”سیادت (سرداری)“ جو لوگوں کے لیے خاص معنی میں استعمال ہوتا ہے کہیں اس کو وہ معنی نہ پہنا دیں جس عام مطلق معنی میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

- «وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ»: شیطان تمہیں مائل کر کے وہاں نہ پہنچا دے کہ تم مُنکر کہنے لگو، تو نبی ﷺ نے ان کی رہنمائی مناسب فعل کی طرف فرمائی اور کہیں معاملہ توحید میں نقص یا اس کے نقض تک نہ پہونچ جائے، آپ نے توحید کی حفاظت کی خاطر نامناسب الفاظ سے منع فرما دیا۔
- «يَا خَيْرَنَا»: نسب، مقام اور حال کے اعتبار سے۔ «وَابْنَ خَيْرِنَا»: صرف نسب کے اعتبار سے مقام اور حال کے اعتبار سے نہیں۔
- «وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ»: ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکائے اور تم اس کی بات مانتے ہوئے اس کے طریقہ کی پیروی کرنے لگو یہاں تک کہ غلو کے درجہ کو پہنچ جاؤ۔

مسائل:

پہلا: مبالغہ آرائی سے لوگوں کو ڈرانا۔

دوسرا: جس شخص کو: (أَنْتَ سَيِّدُنَا) (آپ ہمارے سید (سردار) ہیں) کہا جائے، اسے جواب میں کیا کہنا چاہیے؟ (وہ کہے کہ: سید (سردار) اللہ ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فاسق، کافر اور منافق کو سردار بنانا جائز نہیں ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت)۔

تیسرا: ان لوگوں نے اگرچہ بات صحیح کہی تھی، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ»، **"کہ شیطان کہیں تمہیں پھانس نہ لے"۔**

چوتھا: رسول اللہ ﷺ کے فرمان: «مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي»، **"میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مقام و مرتبہ سے بڑھا دو"**، کی وضاحت ہوئی۔ (اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقام و مرتبہ دیا ہے وہ "عبودیت" اور "رسالت" کا ہے)۔

دسویں قسم: خاتمہ (ایک باب)

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کو اس باب سے مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ختم کیا ہے-واللہ اعلم-:

[۱] تاکہ ہم مشرکوں جیسے نہ ہو جائیں جو اپنے خالق کی تعظیم نہیں کرتے ہیں۔

[۲] تاکہ ہم اپنے عمل سے دھوکا نہ کھائیں، کیونکہ انسان کے عمل میں تقصیر اور کوتاہی کا امکان ہمیشہ بنا رہتا ہے، لہذا ہر حال میں بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اور فروتنی اختیار کیے رکھے۔

[۳] امام بخاری کی اقتدا کرتے ہوئے جنہوں نے اپنی کتاب کا خاتمہ اس حدیث: «ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ» سے کیا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعہ ان مخلوقات کی طرح ہی جن کا اس باب میں ذکر کیا گیا ہے، ان کی میزان حسنات کو بھاری کر دے، اور اپنی لغزشوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کر رہے ہیں۔

[٦٧] اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمَا قَدَرُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦ وَٱلْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَٱلسَّمَـٰوَٰتُ مَطْوِيَّـٰتٌۢ بِيَمِينِهِۦ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ وَتَعَـٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں) کا باب

- ضمیر، مشرکین کی طرف لوٹ رہی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم نہیں کی بایں حیثیت کہ انہوں نے اس کی مخلوقات کو ہی اس کا شریک اور ساجھی بنا دیا، جبکہ وہ ہر طرح کے نقص و عیب سے پاک ہے، کوئی اس کا ندِ اور ہمسر نہیں، تو اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم کی ہوتی تو وہ غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت نہیں کرتے۔

دوسری دلیل:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا: يَا مُحَمَّدُ، إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللهَ يَجْعَلُ السَّمَوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالشَّجَرَ عَلَى

عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْـمَاءَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ، وَسَائِرَ الْـخَلْقِ عَلَى إِصْبَعٍ، فَيَقُولُ: أَنَا الْـمَلِكُ، فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ؛ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَـبْرِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ الآيَةَ، ”اے محمد! (ﷺ) ہم (اپنی کتاب میں یہ بات لکھی ہوئی) پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سارے آسمانوں کو ایک انگلی پر، تمام زمینوں کو ایک انگلی پر، تمام درختوں کو ایک انگلی پر، اور پانی اور گیلی مٹی (یہ دونوں کنایہ ہیں زمین سے) کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ کر، فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔ آپ ﷺ اس کی بات سن کر بطور تصدیق ہنس پڑے، حتیٰ کے آپ کی ڈاڑھیں نمایاں ہو گئیں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے: «وَالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُولُ: أَنَا الْـمَلِكُ، أَنَا اللهُ»، ”اور اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) تمام پہاڑ اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھے گا، پھر ان کو ہلا کر کہے گا: میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی اللہ ہوں“۔ اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: «يَجْعَلُ السَّمَوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْـمَاءَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ، ، وَسَائِرَ الْـخَلْقِ عَلَى إِصْبَعٍ»، ”اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا“۔

- «حَـبْرٌ»: بہت زیادہ علم والے عالم کو کہتے ہیں، اور انہیں ”بحر“ بھی کہا جاتا ہے۔ «إِنَّا نَجِدُ»: یعنی تورات میں۔
- اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے انگلیوں کا ثبوت، ایسی حقیقی انگلیاں جو اس کے شایان شان ہوں، جس طرح اس کے پاس ایسے حقیقی ہاتھ ہیں جو اس کی ذات کے لائق ہیں۔

تین سے پانچ تک دلائل:

[۳] مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے کہ: «يَطْوِي اللهُ السَّمَوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنَى، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْـمَلِكُ، أَيْنَ الْـجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْـمُتَكَبِّرُونَ؟ ثُمَّ يَطْوِي الْأَرَضِينَ السَّبْعَ، ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِشِمَالِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْـمَلِكُ، أَيْنَ الْـجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْـمُتَكَبِّرُونَ؟»، ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ کے اپنے داہنے ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں (زمین میں) سرکشی اور تکبر کرنے والے (آج) کہاں ہیں؟

پھر اللہ تعالیٰ ساتوں زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں (زمین میں) سرکشی اور تکبر کرنے والے (آج) کہاں ہیں"۔

[۴] اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: «مَا السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالأَرَضُونَ السَّبْعُ فِي كَفِّ الرَّحْمَنِ؛ إِلَّا كَخَرْدَلَةٍ فِي يَدِ أَحَدِكُمْ»، "ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اللہ رحمان کی ہتھیلی میں یوں ہوں گے، جیسے تمہارے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہوتا ہے"۔

[۵] اور ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یونس نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن وہب نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: ابن زید نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**مَا السَّمَوَاتُ السَّبْعُ فِي الْكُرْسِيِّ؛ إِلَّا كَدَرَاهِمَ سَبْعَةٍ أُلْقِيَتْ فِي تُرْسٍ**»، "**ساتوں آسمان کرسی کے بالمقابل یوں ہیں جیسے سات درہم کسی ڈھال میں ڈال دیے جائیں**"۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: «**مَا الْكُرْسِيُّ فِي الْعَرْشِ إِلَّا كَحَلْقَةٍ مِنْ حَدِيدٍ، أُلْقِيَتْ بَيْنَ ظَهْرَيْ فَلَاةٍ مِنَ الأَرْضِ**»، "**اللہ تعالیٰ کی کرسی اس کے عرش کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے لوہے کا ایک کڑا کسی وسیع و عریض میدان میں پھینک دیا جائے**"۔

- «أَنَا الْمَلِكُ»: میں ہی ہوں جس کی مطلق ملکیت اور کامل بادشاہت ہے، جس میں کوئی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔
- «أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟»: استفہام تحدی اور چیلینج کے لیے ہے، یعنی کہاں ہیں وہ بادشاہ جن کی دنیا میں بادشاہت تھی، اور کبر و غرور اور اللہ کے بندوں پر سرکشی کیا کرتے تھے؟ اور اس وقت ان کا حشر ذرہ کی مانند ہوگا جنہیں لوگ اپنے پاؤں سے روندیں گے۔
- «بِشِمَالِهِ»: یہ زیادتی شاذ ہے، اور اگر اسے ہم محفوظ مان لیں تو اس سے مراد دوسرا ہاتھ ہوگا، اور یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں ہے کہ: «كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ»، "**اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں**"، کیونکہ یہ مخلوق کے بائیں ہاتھ کی طرح نہیں ہے جو داہنے کے مقابلہ میں ناقص ہوتا ہے۔ «كَخَرْدَلَةٍ»: یہ بہت ہی زیادہ چھوٹے دانہ کو کہتے ہیں، اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے کہ کسی کا بھی علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔
- «الْكُرْسِيِّ»: اللہ تعالیٰ کے پاؤں رکھنے کی جگہ۔ «تُرْسٍ»: (ڈھال)، چمڑا یا لکڑی کی ایک چیز جو لڑائی کے وقت استعمال کی جاتی ہے جس سے تلوار یا نیزہ وغیرہ کے وار سے بچا جاتا ہے۔

- «الْعَرْشِ»: وہ عظیم مخلوق جس پر اللہ رحمن مستوی ہے، جس کے قدر کا اندازہ صرف اللہ کو ہے۔
- چونکہ یہ حدیث اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا باب کے عنوان میں وارد آیت کی تفسیر کے لیے بالکل مناسب ہے۔

چھٹی اور ساتویں دلیل:

[٦] حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ: «بَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَالَّتِي تَلِيهَا خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَبَيْنَ كُلِّ سَمَاءٍ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَبَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَالْكُرْسِيِّ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَبَيْنَ الْكُرْسِيِّ وَالْمَاءِ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَالْعَرْشُ فَوْقَ الْمَاءِ، وَاللهُ فَوْقَ الْعَرْشِ، لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِكُمْ»، "پہلے اور دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اسی طرح ہر آسمان سے اگلے آسمان تک اتنا ہی فاصلہ ہے، اللہ کا عرش پانی کے اوپر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے، (یاد رکھو!) تمہارا کوئی عمل اس (اللہ) سے پوشیدہ نہیں"۔ اس حدیث کو ابن مہدی نے حماد بن سلمہ سے اور انہوں نے عاصم سے اور انہوں نے زِرّ سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ اور اسی طرح کی روایت مسعودی نے عاصم سے، انہوں نے ابووائل سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے بیان کی ہے، اور حافظ ذہبی رَحِمَهُ اللّٰہُ کہتے ہیں: "اس حدیث کی اور بھی سندیں ہیں"۔

[٧] حضرت عبداللہ بن عباس بن عبد المطلب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «**هَلْ تَدْرُونَ كَمْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ؟**»، قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «**بَيْنَهُمَا مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ، وَبَيْنَ كُلِّ سَمَاءٍ إِلَى سَمَاءٍ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ، وَكِثَفُ كُلِّ سَمَاءٍ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ، وَبَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَالْعَرْشِ بَحْرٌ بَيْنَ أَسْفَلِهِ وَأَعْلَاهُ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَاللهُ تَعَالَى فَوْقَ ذَلِكَ، وَلَيْسَ يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِ بَنِي آدَمَ**»، "**کیا تم جانتے ہو کہ زمین اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے، اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے، ساتویں آسمان اور عرش الٰہی کے درمیان ایک سمندر ہے۔ اس کے نیچے اور اوپر والے حصوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے۔ بنو آدم کے اعمال میں سے کوئی عمل اس سے پوشیدہ اور مخفی نہیں**"۔ اس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

- «وَاللهُ فَوْقَ الْعَرْشِ»: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علو اور بلندی کے اثبات کے لیے نص صریح ہے۔
- «لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِكُمْ»: خواہ وہ اعمال دل کے ہوں یا اعضاء وجوارح کے، دکھائی دینے والے ہوں یا سنائی دینے والے، اللہ کے علم کی وسعت کی وجہ سے تمہارا کوئی بھی عمل پوشیدہ اور مخفی نہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے عُلو کے ذکر کے بعد یہ بیان کرنے کے لیے لائے ہیں کہ اس کا عُلو اور بلندی ہمارے اعمال سے باخبر ہونے کے لیے مانع نہیں ہے، اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے عُلوّ کی طرف واضح اشارہ ہے۔
- «هَلْ»: استفہامیہ ہے، اور اس سے دو چیزیں مراد ہیں:
[۱] ذکر کی جانے والی چیز کے لیے شوق ورغبت پیدا کرنا۔ [۲] پیش کی جانے والی بات پر متنبہ کرنا۔
- «اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ»: ایسا: [۱] نبی ﷺ کی زندگی میں کہا جاتا تھا، [۲] اور ان شرعی امور میں کہا جائے گا جو نبی ﷺ نے ہمیں سکھائے ہیں۔
- اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی مخالفت سے ڈرانا ہے، کیونکہ وہ ہمارے اوپر بلندی پر ہے، اور اس کا فیصلہ ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

مسائل:

پہلا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَٱلْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ﴾ کی تفسیر۔

دوسرا: اس حدیث میں مذکورہ علوم اور ان جیسی دیگر اشیاء نبی ﷺ کے زمانہ تک یہود میں محفوظ تھیں، چنانچہ انہوں نے نہ تو ان باتوں کا انکار کیا اور نہ کوئی تاویل کی (جیسے یہ کہتے کہ: یہود اس میں تحریف کرنے والوں سے بہتر ہیں کیونکہ انہوں نے نہ اس کی تکذیب کی اور نہ تاویل)۔

تیسرا: رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہودی عالم نے جب ان باتوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی اور مزید تائید کے لیے قرآن کریم بھی نازل ہوا۔

چوتھا: یہودی عالم کی ان عظیم علمی باتوں پر آپ ﷺ کا ہنسنا (خوشی کی وجہ سے تھا)۔

پانچواں: اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا اثبات اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ میں آسمان اور دوسرے ہاتھ میں زمینیں ہوں گی (اور اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کا ہونا، کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے)۔

چھٹا: اللہ تعالیٰ کے لئے بایاں ہاتھ ہونے کی صراحت (یہ شاذ روایت ہے)۔

ساتواں: اللہ تعالیٰ کا اس وقت بڑے بڑے سرکش اور متکبرین کو پکارنا۔

آٹھواں: نبی ﷺ کا فرمان: «كَخَرْدَلَةٍ فِي كَفِّ أَحَدِكُمْ»، **"کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے مقابلہ میں آسمان اور زمین ایسے ہوں گے جیسے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہوتا ہے"۔**

نواں: آسمان کی بنسبت اللہ تعالیٰ کی کرسی بڑی ہے (ایسے ہی جیسے سات درہم کسی ڈھال میں رکھ دیے گیے ہوں)۔

دسواں: کرسی کی نسبت عرش الٰہی بڑا ہے (ایسے ہی جیسے کوئی انگوٹھی کسی چٹیل میں پڑی ہوئی ہو)۔

گیارہواں: عرش الٰہی اور کرسی علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں۔

بارہواں: ہر دو آسمانوں کا درمیانی فاصلہ (پانچ سو سال کا ہے)۔

تیرہواں: ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان فاصلہ (پانچ سو سال کا ہے)۔

چودھواں: کرسی اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، اس کی وضاحت؟ (پانچ سو سال کا ہے)۔

پندرہواں: عرش الٰہی پانی کے اوپر ہے۔

سولہواں: اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔

سترہواں: زمین وآسمان کے درمیان کتنی مسافت ہے، اس کی وضاحت؟ (پانچ سو سال کا ہے)۔

اٹھارہواں: ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

انیسواں: ساتویں آسمان کے اوپر جو سمندر ہے، اس کے نیچے اور اوپر کے حصوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

(باب کی احادیث سے ماخوذ فوائد:

[۱] اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے سے ڈرانا۔

[۲] بنی آدم کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔)

والله اعلم، والحمد لله ربِّ العالمين، وصلَّى الله وسلَّم على نبيِّنا مُحمَّد ﷺ،

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہمارا اور آپ کا خاتمہ توحید پر فرمائے۔ آمین۔

بقیہ نویں قسم اور خاتمہ سے امتحان (۱۶ اباب)

پہلا سوال: (☒) کی علامت مناسب جگہ رکھیں یا خالی جگہیں پر کریں:

۱- (السّلام علی اللہ) کہنے کا حکم: ☐ مکروہ ہے ☐ حرام ہے ☐ جائز ہے۔

۲- السّلام اللہ تعالیٰ کا: ☐ ثبوتی نام ہے ☐ سلبی نام ہے ☐ دونوں، اور اللہ عَزَّوَجَلَّ: ☐ سے دعا کی جائے گی ☐ کے لیے دعا کی جائے گی۔

۳- السلام کے ذریعہ کسی بھی چیز کے لیے اس وقت تک دعا نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ اس سے متصف ہونے کے لائق نہ ہو: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۴- (اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف کر دے) کہنے کا حکم: ☐ مکروہ ہے ☐ حرام ہے ☐ جائز ہے۔

۵- دعا میں استثنا کرنا جائز ہے: ☐ صحیح ☐ غلط، اور استثنا شرط کو کہتے ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶- انسان جب کسی چیز میں متردد ہو تو اسے چاہیے کہ دعا کرے اور اس دعا کو معلق کرے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۷- بندہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو جو بھی مانگنا ہو مانگے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی چیز مشکل یا ناممکن نہیں ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۸- (اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میں جنت کے دروازہ کا دربان بن جاؤں) اس طرح سے دعا کرنا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۹- (اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فیصلے کے ٹالنے کی دعا تو نہیں کرتا، مگر اس میں تجھ سے لطف اور مہربانی کا سوال کرتا ہوں)، اس طرح سے دعا کرنا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۱۰- آپ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگیں گے: ☐ جنت ☐ جنت میں بھی فردوس اعلی۔

۱۱- دعائے استخارہ میں دعا کو معلق کرنا: (☐ ہے ☐ نہیں ہے)۔

۱۲- (فلاں کا عبد (بندہ) یا أمة (بندی)) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۱۳- سید (آقا) کا: (اے میرے عبد (بندہ) فلاں چیز لاؤ) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۱۴- (فتايَ وفتاتي (میرا غلام اور میری لونڈی)) کہنے سے تحقیق توحید کی خاطر منع کیا گیا ہے یہاں تک کہ الفاظ میں بھی: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۵- بنا حاجت اور ضرورت کے سوال کرنا یا تو حرام ہے یا مکروہ: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۱۶- جو آپ سے نقدی روپیہ پیسہ مانگے کہ وہ اس سے کوئی حرام چیز جیسے شراب خریدے گا: ☐ اس کا سوال پورا کیا جائے گا ☐ اس کا سوال پورا نہیں کیا جائے گا۔

۱۷- جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوال کرے، اس کا سوال پورا کرنے کا حکم: ☐ مُستحب ہے ☐ واجب ہے۔

۱۸- حدیث میں وارد لفظ: «مَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ»، **"جو تم کو دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو"**، یہاں دعوت سے مراد ہے: ☐ تکریم کی خاطر دعوت ☐ محض پکار اور بلاوا۔

۱۹- دعوت قبول کرنا: ☐ مطلقاً واجب ہے ☐ مستحب ہے سوائے ولیمہ کی دعوت کے کہ یہ واجب ہے۔

۲۰- جو کسی واجب کے کرنے یا ترک کرنے سے پناہ طلب کرے اس کو: ☐ پناہ دیا جائے گا ☐ پناہ نہیں دیا جائے گا۔

۲۱- «فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ» **"اس کے لیے دعا کرو یہاں تک کہ تمہیں لگے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا"**، یعنی: ☐ ایک دفعہ دعا کرو ☐ دعا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرو۔

۲۲- «لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ إِلَّا الْجَنَّةُ» **"اللہ کا واسطہ دے کر صرف جنت ہی طلب کی جائے گی"**، یعنی: ☐ کسی مخلق سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال نہ کرو۔ ☐ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر اللہ سے صرف جنت ہی طلب کرو ☐ مذکورہ سبھی۔

۲۳- اللہ تعالیٰ کی صفت وجہ ثابت ہے: ☐ قرآن سے ☐ سنت سے ☐ اجماع سے ☐ مذکورہ سبھی۔

۲۴- (اے اللہ میں تیرا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے حفظ قرآن کی توفیق دے) اس طرح دعا کرنا: ☐ حرام ہے ☐ جائز ہے، اور: (اے اللہ! میں تیرا واسطہ دے کر جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۲۵- (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ مجھے عمدہ اثاثے عطا فرما) ایسا کہنا: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۲۶- (اگر تو نے میری بات مان کر یہ سفر نہ کیا ہوتا تو یہ حاثہ نہ پیش آتا) ایسا کہنا: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۲۷- (اگر میں سفر نہیں کرتا تو یہ فائدہ مجھ سے نہیں فوت ہوتا) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۲۸- (اگر اللہ چاہتا تو میں جھوٹ نہیں بولتا) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۲۹- (اگر میرے پاس فلاں کی طرح مال ہوتا تو صدقہ کرتا) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ مُستحب ہے ☐ حرام ہے۔

۳۰- (اگر میں درس میں حاضر ہوتا تو فائدہ اٹھاتا) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۳۱- جس میں کوئی فائدہ نہ ہو عقلمند کو اپنی کوشش ایسی جگہ صرف کرنی: (☐ چاہیے ☐ نہیں کرنی چاہیے)۔

۳۲- جو چیز انسان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہو اس میں تقدیر سے حجت پکڑنی: (☐ چاہیے ☐ نہیں پکڑنی چاہیے)۔

۳۳- تقدیر سے حجت پکڑنا صحیح ہے: ☐ مصائب پر معائب پر نہیں ☐ اس کے برعکس۔

۳۴- ہوا اور آندھی کو گالی دینا: ☐ حرام ہے ☐ مکروہ ہے، اور (بارش برسانے والی ہوا چلی) کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۳۵- (میرا رب مجھ سے محبت کرتا ہے) کہنا، اس شخص کے لیے جائز ہے، جس کو کوئی نعمت حاصل ہوئی ہو: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۳۶- جب کوئی شخص کسی فاسق مالدار کو دیکھے تو یہ کہے کہ: (یہ شخص ان اموال کا مستحق نہیں ہے)، اس کا ایسا کہنا: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۳۷- انسان جب واجبات میں کوتاہی کرنے والا اور حرام کام انجام دینے والا ہو، اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھے، تو یہ درحقیقت: (☐ اللہ سے سوئے ظن رکھنا ہے ☐ اللہ سے حسن ظن ہی رکھنا ہے)۔

۳۸- بعض لوگوں کا یہ گمان رکھنا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے مشروع طریقہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول نہیں کرے گا، تو یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے: ☐ سوئے ظن رکھنا ہے ☐ حسن ظن رکھنا ہے.

۳۹- (اللہ تعالیٰ طاعت گزار کو عذاب اور گناہگار کو ثواب دے) ایسا کہنا، اللہ تعالیٰ سے: ☐ سوء ظن رکھنا ہے ☐ حسن ظن رکھنا ہے۔

۴۰- (میں فلاں منصب کا فلاں سے زیادہ مستحق ہوں): ایسا کہنا، اللہ تعالیٰ سے: ☐ سوء ظن رکھنا ہے ☐ حسن ظن رکھنا ہے۔

۴۱- مریض سے یوں کہنا: (مسکین اور بے چارہ) اور (تیرے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا) اور (اگر میرے ہاتھ میں معاملہ ہوتا تو تیرے ساتھ ایسا نہیں ہوتا)، ایسا کہنا، اللہ تعالیٰ سے: ☐ سوء ظن رکھنا ہے ☐ حسن ظن رکھنا ہے۔

۴۲- (معاملہ اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں فلاں کو مفتی بنادیتا) ایسا کہنے کا حکم: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۴۳- (سلامتی والا راستہ) ایسا کہنا در اصل اللہ تعالیٰ سے سوء ظن رکھنا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۴۴- (ہم کو بیماری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے اور ہمارے رزق میں کشادگی ہونی چاہیے): ایسا کہنا، اللہ تعالیٰ سے: ☐ سوء ظن رکھنا ہے ☐ حسن ظن رکھنا ہے۔

۴۵- لازم اور ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کے بارے میں: ☐ سوء ظن رکھے ☐ حسن ظن رکھے۔

۴۶- انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنے نفس سے سوء ظن میں مبتلا رہے، تاکہ اپنے نفس سے دھوکا نہ کھائے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۴۷- بخالت اور ظلم ہر طرح کی برائی کا ٹھکانہ نفس ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۴۸- قضاء وقدر کے مراتب ہیں: ☐ چار ☐ پانچ ☐ تین۔

۴۹- جو قضاء وقدر کا انکار کرے، اس کا حکم: ☐ وہ ملت اسلام سے خارج ہے ☐ وہ ملت اسلام سے خارج نہیں ہے۔

۵۰- (میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ ہے) یعنی: ☐ شک اور اضطراب ☐ جحود اور انکار۔

۵۱- (میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ ہے) یعنی: ....، اور کیا وہ اس کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا: ....

۵۲- قلم: ☐ سب سے پہلی مخلوق ہے ☐ جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اس کی نسبت میں سب سے پہلی مخلوق ہے۔

۵۳- سلف کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ شبہہ کے ازالے کے لیے: ☐ علماء سے ☐ عبادت گزاروں سے، سوال کرتے رہے ہیں۔

۵۴- ایک سے زائد عالم سے سوال کرنا جائز ہے، اگر یہ: ☐ تثبت اور اطمینان کے لیے ہو ☐ رخصت تلاش کرنے کے لیے ہو ☐ مذکورہ سبھی۔

۵۵- شبہہ مکمل طور پر زائل ہو جاتا جب اسے سونپ دیا جائے: ☐ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ☐ علماء کرام کو۔

۵۶- شبہات کو سننے سے بچنا واجب ہے، کیونکہ یہ کبھی کبھی ذہن سے چپکا رہ جاتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵۷- شبہات کو سننے اور انہیں پھیلانے کے معاملے میں اکثر لوگ نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵۸- تورات اور انجیل کو پڑھنا جائز نہیں، اور اس کے علاوہ کو تو بدرجۂ اولی پڑھنا جائز نہیں ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۵۹- (مصورین کے سلسلے میں وارد چیزوں کے بیان کا باب) اسے کتاب التوحید میں ذکر کرنا بعض ناسخین کی غلطی

ہے، کیونکہ اس کا اس کتاب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق فقہ سے ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶۰- مصورین کی سزا کے حصے ہیں: (☐ ۵ ☐ ۴ ☐ ۳)۔

۶۱- تصویر بنانا ایک طرح سے پیدا کرنے کے مشابہ ہے تو اس بنیاد پر گویا تصویر بنانے والا اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۶۲- تصویر بنانا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ: (☐ اس میں کفار کی مشابہت ہے ☐ اس میں اسراف اور فضول خرچی ہے ☐ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے میں مقابلہ آرائی ہے۔

۶۳- درخت، پہاڑ ندی اور نالے کی تصویر بنانا: ☐ جائز ہے ☐ حرام ہے۔

۶۴- تصاویر کو مٹانے کی یہ صورتیں ہیں: ☐ کسی دوسرے رنگ سے ان کی نشانیوں کو زائل کر دینا ☐ بت کے سر توڑ دینا ☐ اگر گڑھے کی شکل میں ہو تو اسے پاٹ دینا ☐ سبھی، حالات اور ظروف کے مطابق جو مناسب ہو وہ کیا جائے۔

۶۵- مشرف (اونچی اور علیٰحدہ) قبر، یعنی: ☐ جس پر نشانات بنے ہوں ☐ جس پر عمارت بنی ہوئی ہو ☐ جس پر رنگ کیا گیا ہو ☐ جو مٹی یا پتھر کی وجہ سے دوسروں سے الگ ہو ☐ مذکورہ سبھی۔

۶۶- قبر کو برابر کرنا ہو گا: ☐ اس کو سنت کے مطابق کر دینا ☐ اس کے ارد گرد کو برابر کر دینا ☐ مذکورہ سبھی۔

۶۷- صاحب تصویر کی تعظیم کی خاطر تصاویر جمع کرنا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۶۸- جو بہت زیادہ قسم کھاتا ہے وہ: ☐ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والا ہوتا ہے ☐ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والا نہیں ہوتا۔

۶۹- ہر ایک قسم کی ابتدائی، وسط اور آخری تین حالتیں ہوتی ہیں: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۷۰- ایسا موٹاپا جو انسان کے اختیار سے باہر ہو، وہ: ☐ قابل مذمت ہے ☐ قابل مذمت نہیں ہے۔

۷۱- اسباب کم ہونے کے باوجود گناہ کرنا، اس کی خطورت کو بڑھا دیتا ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۷۲- کسی حاجت یا مصلحت کے تحت قسم کھانا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۷۳- بچے کو مارنا: ☐ مطلقا جائز ہے ☐ چند شروط کے ساتھ جائز ہے۔

۷۴- بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ: ☐ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ☐ جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اسے عذاب نہ دے۔

۷۵- جیش اس لشکر کو کہتے ہیں جس کے فوجیوں کی تعداد (☐ ۴۰۰ ہو ☐ ۱۰۰۰ ہو) اور سریہ اس کے برعکس ہے۔

۷۶- اللہ کے راستے میں لڑنا: ☐ نیت کے ساتھ خاص ہے ☐ عمل کے ساتھ خاص ہے ☐ نیت اور عمل دونوں کو شامل ہے۔

۷۷- غلول اور خیانت کہتے ہیں: مال غنیمت میں سے کوئی چیز چھپا کر اپنے لیے خاص کر لینا: (☐ صحیح ☐ غلط) اور اس خیانت کا حکم: (☐ جائز ہے ☐ حرام ہے ☐ کبیرہ گناہ ہے)۔

۷۸- بچوں، عورتوں، عبادت گزاروں اور راہبوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے: ☐ صحیح ☐ غلط۔

۷۹- مقتول کا مثلہ، خیانت، غداری بچوں کو قتل کرنا: ☐ جائز ہے ☐ ناجائز ہے۔

۸۰- جزیہ لیا جائے گا: ☐ یہود و نصاری اور مجوس سے ☐ تمام کافروں سے۔

۸۱- (اللہ تعالیٰ ہر گز تمہاری توبہ قبول نہیں کرے گا) کہنے کا حکم: □ جائز ہے □ کبیرہ گناہ ہے۔
۸۲- (اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ شرک کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا) کہنے کا حکم: □ جائز ہے □ کبیرہ گناہ ہے۔
۸۳- معین اشخاص پر حکم لگاتے ہوئے زبان کی لغزش سے بچنا: □ مُباح ہے □ جائز ہے □ واجب ہے۔
۸۴- (اللہ تعالیٰ فلاں زندہ شخص کی مغفرت نہیں کرے گا) کہنے کی ممانعت: □ صرف گناہگار مسلم کے ساتھ خاص ہے □ مسلم اور کافر دونوں کو شامل ہے۔
۸۵- مُنکر یہ کہتا ہے: (ہم سفارشی بناتے ہیں...): □ اللہ کو آپ کے پاس □ آپ کو اللہ تعالیٰ کے پاس۔
۸۶- «**نَسْتَشْفِعُ بِاللهِ عَلَيْكَ**» **"ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس سفارشی کے طور پر پیش کرتے ہیں"، یعنی:**......
....

....
۸۷- نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا توحید کی حفاظت فرمانا: (□ ایک مستقل باب ہے □ مکرر ہے) اور اس میں نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے گلشن توحید کی حفاظت فرمائی ہے: (□ افعال میں بھی □ الفاظ میں بھی)۔
۸۸- السَّیِّد (سردار): □ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے □ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے نہیں ہے۔
۸۹- السَّیِّد، الصمد (بے نیاز) کے معنی میں ہے: □ صحیح □ غلط۔
۹۰- سیادت عامہ کے بر خلاف سیادت خاصہ کا استعمال جائز ہے: □ صحیح □ غلط۔
۹۱- نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سب سے عمدہ اور سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ آپ: □ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ □ محمدؐ بن عبد اللہ ہیں۔
۹۲- یہود ان لوگوں سے بہتر ہیں جو صفات کا انکار کرتے ہیں اور اس باب میں تاویل سے کام لیتے ہیں، اور وہ ان کے مقابلے میں اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں: □ صحیح □ غلط۔
۹۳- العرش:..............................، الكرسيُّ:..............................
۹۴- کتاب التوحید کے خاتمہ میں گویا مؤلف رحمہ اللہ یہ دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ ان کی میزان حسنات کو ویسے ہی بھاری کر دے جیسے آسمان، عرش اور کرسی بھاری ہیں: (□ صحیح □ غلط) اور اس بات کی طرف تنبیہ دلائی ہے کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہیں کی، لہٰذا تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ، بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اختیار کرکے اس کی تعظیم کرو: (□ صحیح □ غلط)۔
۹۵- بہت سارے سلف نے صحیح عقیدۂ توحید کے لیے بہت سارے نام استعمال کیے ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:
□ سنت □ شریعت □ توحید □ فقہ اکبر □ مذکورہ سبھی۔

فہرست

کتاب التوحید کے ابواب کی تلخیص (۶۷ ابواب) ۴
پہلی قسم: مقدمہ (۵ ابواب) کتاب التَّوحید ۱۲
([۱] توحید کے وجوب کا باب) ۱۳
[۲] توحید کی فضیلت اور اس کا گناہوں کے کفارہ ہونے کا بیان ۲۴
[۳] اس بات کا باب کہ حقیقی موحد بلا حساب جنت میں جائے گا ۳۰
[۴] شرک سے ڈرنے کا بیان ۳۶
[۵] ”لا الہ الا اللہ“ کی گواہی کے لیے لوگوں کو دعوت دینے کا بیان ۴۲
قسم اول سے اختبار (۵ ابواب) ۴۸
دوسری قسم: توحید کی تفسیر (۹ ابواب) ۵۵
[۶] ”توحید“ کی تفسیر اور ”لا الہ الا اللہ“ کی گواہی کا مطلب ۵۵
[۷] رفع بلاء اور دفع مصائب کے لیے چھلے اور دھاگے وغیرہ پہننا شرک ہے۔ ۵۹
[۸] دم جھاڑ پھونک اور تعویذ کا بیان ۶۴
[۹] کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھنا ۶۹
[۱۰] غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کا حکم ۷۳
[۱۱] جس جگہ پر غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اس جگہ پر (اللہ تعالیٰ کے نام پر بھی) ذبح کرنا جائز نہیں ۷۷
[۱۲] غیر اللہ کی نذر و نیاز ماننا شرک ہے ۸۱
[۱۳] غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا شرک ہے۔ ۸۳
[۱۴] غیر اللہ سے فریاد کرنا یا انہیں پکارنا شرک ہے ۸۶
دوسری قسم کا امتحان (۹ ابواب) ۸۹
تیسری قسم: اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا بطلان (۱۴ ابواب) ۹۳
[۱۵] اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا ﴾ الآيَةَ (کیا وہ ایسوں کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے کیونکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں) کا باب ۹۳

[۱۶]اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمۡ قَالُواْ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمۡۖ قَالُواْ ٱلۡحَقَّۖ وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ ٱلۡكَبِيرُ﴾(یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے) ۹۷
[۱۷]شفاعت کا بیان ۱۰۳
[۱۸]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿إِنَّكَ لَا تَهۡدِي مَنۡ أَحۡبَبۡتَ﴾الآیۃ (آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے)کا بیان ۱۰۸
تیسری قسم سے امتحان(۴باب) ۱۱۱
چوتھی قسم:بنی آدم کے کفر کا سبب(۴ابواب) ۱۱۴
[۱۹]بنی آدم کے کفر اور ترک دین کا بنیادی سبب بزرگوں کے بارے میں غلو ہے ۱۱۴
[۲۰]کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ناجائز اور سنگین جرم ہے،چہ جائیکہ خود اس مرد صالح کی عبادت کی جائے۔ ۱۱۹
[۲۱]اس بات کا بیان کہ صالحین کی قبروں کے بارے میں غلو کرنا ان کی قبروں کو وثن(بت)بنانا ہے۔ ۱۲۴
[۲۲]نبی مصطفی ﷺ کا توحید کے تمام پہلوؤں کی مکمل حفاظت کرنا اور ذریعۂ شرک بننے والی ہر راہ کو بند کرنا۔ ۱۲۷
پانچویں قسم:ان لوگوں تردید جو کہتے ہیں کہ:اس امت میں یا جزیرہ عرب میں شرک واقع نہیں ہو سکتا(ایک باب) ۱۳۰
[۲۳]امت محمدیہ ﷺ کے بعض افراد کا بت پرستی میں مبتلا ہونا ۱۳۰
چوتھی اور پانچویں قسم سے امتحان(۵ابواب) ۱۳۷
چھٹی قسم:شیطانی اعمال(۷ابواب) ۱۴۱
[۲۴]جادو کا بیان ۱۴۱
[۲۵]جادو کی چند اقسام ۱۴۵
[۲۶]کاہنوں(نجومیوں)اور ان جیسے دیگر لوگوں کا بیان ۱۴۸
[۲۷]جادو ٹونا کے ذریعے جادو کے علاج کی ممانعت ۱۵۲
[۲۸]بدفالی اور بدشگونی ۱۵۵
[۲۹]علم نجوم کا شرعی حکم ۱۶۲
[۳۰]نچھتر یعنی تاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ ۱۶۵
چھٹی قسم سے سوال(۷ابواب) ۱۷۰
ساتویں قسم:دلوں کے اعمال(۱۹ابواب) ۱۷۵

[۳۱]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ﴾ الآيَةَ(کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر اور شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے ہونی چاہیے)کا باب... ۱۷۵

[۳۲]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ الآيَةَ (یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، سو تم ان سے نہ ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو صرف مجھ سے ڈرو)کا باب ۱۸۰

[۳۳]اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ (اگر تم صاحب ایمان ہو تو صرف اللہ ہی پر توکل کرو) کا باب ۱۸۵

[۳۴]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿ أَفَأَمِنُواْ مَكْرَ ٱللَّهِۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴾ (کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہیں، اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو گھاٹا اٹھانے والے ہوں)کا باب۔ ۱۹۰

[۳۵]اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا ایمان باللہ کا حصہ ہے ۱۹۳

[۳۶]ریاکاری کی مذمت ۱۹۷

[۳۷]انسان کا اپنے عمل سے دنیا چاہنا ایک طرح کا شرک ہے ۲۰۱

[۳۸]اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کردہ چیز کو حلال کرنے میں علماء وامراء کی اطاعت ان کو رب کا درجہ دینا ہے ۲۰۶

[۳۹]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓاْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴾ الآيَاتِ (کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے)کا باب ۲۱۰

چوتھی قسم سے امتحان (۹ ابواب) ۲۱۴

آٹھویں قسم: توحید اسماء وصفات (ایک باب) ۲۱۹

[۴۰]جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کیا ۲۱۹

آٹھویں قسم سے امتحان (ایک باب) ۲۲۸

نویں قسم: شرکیہ ممنوع الفاظ (۲۶ ابواب) ۲۳۰

[۴۱]اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا ﴾ الآيَةَ (یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہنچانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں)۔ ۲۳۰

[۴۲]اللہ تعالیٰ کا فرمان:﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (پس دانستہ طور پر کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ)
کا باب (ند کی تفسیر)........ ۲۳۳
[۴۳]اللہ کی قسم پر کفایت نہ کرنے والے شخص کا حکم (کبیرہ گناہ ہے)........ ۲۳۶
[۴۴](جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں کہنے) کا حکم........ ۲۳۷
[۴۵]زمانے کو گالی دینا در حقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے (حوادث کی نسبت زمانہ کی طرف کرنا)........ ۲۴۰
[۴۶] قاضی القضاۃ وغیرہ جیسے القاب رکھنا (ممنوع ہے)........ ۲۴۳
[۴۷]اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعظیم اور اس وجہ سے نام کی تبدیلی........ ۲۴۵
[۴۸]اللہ تعالیٰ، قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے والے شخص کا حکم........ ۲۴۷
[۴۹]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي﴾ الآيَةَ (اور اگر تکلیف پہنچنے
کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں) کا باب........ ۲۵۱
[۵۰]اللہ تعالیٰ کا فرمان:﴿فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُمَا صَٰلِحًا جَعَلَا لَهُۥ شُرَكَآءَ فِيمَآ ءَاتَىٰهُمَا﴾ الآيَةَ (جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح
وتندرست بچہ دیا تو انہوں نے اس عنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا) کا باب........ ۲۵۵
[۵۱]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَٰٓئِهِۦ﴾ الآيَةَ(اور اللہ تعالیٰ
کے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم اسے انہی ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحاد (کجی) کرتے ہیں) کا باب
.... ۲۵۹
نویں قسم سے پہلا امتحان (۱۱ ابواب)........ ۲۶۱
[۵۲]السَّلَامُ عَلَى اللهِ نہیں کہا جائے گا (ایسا کہنا حرام ہے)........ ۲۶۷
[۵۳](اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ)(اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے) کہنے کا حکم (دعا میں اس طرح سے استثنا کرنا حرام
ہے)........ ۲۶۹
[۵۴](عَبْدِي وَأَمَتِي) کہنے کی ممانعت........ ۲۷۱
[۵۵]اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا جائے (تحریم یا کراہت کے لیے ہے)۔........ ۲۷۳
[۵۶]اللہ کے "وجہ" کے واسطے سے صرف جنت مانگی جائے........ ۲۷۶
[۵۷]"(لَوْ) اگر" کہنے کا حکم (اس میں تفصیل ہے)........ ۲۷۷
[۵۸]ہوا اور آندھی کو گالی دینے کی ممانعت (اللہ کے فعل سے راضی رہنا)........ ۲۸۰

[۵۹]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ ظَنَّ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ مِن شَىْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ ٱلْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِ﴾ الآيَةَ (وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کررہے تھے اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ کام کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے)کا باب ۲۸۲
[۶۰]منکرین تقدیر کا حکم (کفر اکبر ہے) ۲۸۵
[۶۱]مصورین کے بارے میں وارد (شدید وعید) ۲۹۲
[۶۲]بکثرت قسم کھانے کی مذمت (اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی خاطر اس پر وعید ہے) ۲۹۵
[۶۳]اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کا ذمہ اور ضمانت دینے کا باب (اخلاص اور متابعت) ۲۹۸
[۶۴]اللہ تعالیٰ پر قسم کھانا ۳۰۲
[۶۵]اللہ تعالیٰ کو سفارشی کے طور پر مخلوق کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا (اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت کی وجہ سے) ۳۰۴
[۶۶]نبی ﷺ کا گلشن توحید کی حفاظت فرمانا اور شرک کے راستوں کو بند کرنا (یہاں تک کہ الفاظ میں بھی) ۳۰۶
دسویں قسم: خاتمہ (ایک باب) ۳۰۸
[۶۷]اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿وَمَا قَدَرُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦ وَٱلْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَٱلسَّمَٰوَٰتُ مَطْوِيَّٰتٌۢ بِيَمِينِهِۦ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں)کا باب ۳۰۸
بقیہ نویں قسم اور خاتمہ سے امتحان (۱۶ابواب) ۳۱۴
فہرست ۳۱۹

اردو ترجمہ

ہماری مطبوعات

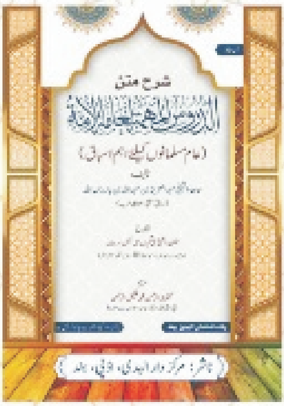

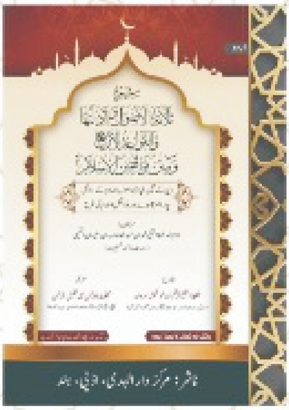

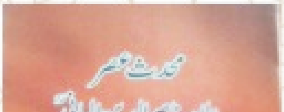

یہ کتاب اللہ کیلئے وقف ہے اسکا بیچنا جائز نہیں ہے

DAR-UL-HUDA GUIDANCE CENTRE
#1, First Floor, Himalay Pearl,
Udupi - Manipal Road, Kadiyali, Udupi,
Karnataka - India, Pin: 576102

DAR-UL-HUDA

Cell: +91 7337814400 - +91 9945565905
WhatsApp: +966 507472706
Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Web: www.darulhudaudupi.org
@ DAR-UL-HUDA, UDUPI